التقریر الجلیل

علیٰ

الجامع لابن اسماعیل

البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

از افادات

عارف باللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ جلیل احمد اخون صاحب دامت برکاتہم

تلمیذ وخادم خاص

شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان

حضرۃ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ

خلیفہ مجاز بیعت

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم

محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

مکتبہ حکیم الامت

جامع العلوم عیدگاہ بہاولنگر پنجاب پاکستان

ضابطہ

نام کتاب: التقریر الجلیل علی الجامع لابن اسماعیل (البخاری رحمہ اللہ)

تالیف: عارف باللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ جلیل احمد اخون دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز بیعت عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اول: شوال المعظم ۱۴۳۹ھ / جولائی 2018ء

کمپوزنگ: مولوی رضا علی / محمد عدنان صدیقی

ناشر: مکتبہ حکیم الامتؒ جامع العلوم عید گاہ بہاولنگر

ملنے کا پتہ:

مکتبہ حکیم الامتؒ جامع العلوم عید گاہ بہاولنگر +92-321-7560630

خانقاہ اشرفیہ اختریہ جامع العلوم عید گاہ بہاولنگر +92-63-2272378

خانقاہ اختریہ جلیلیہ بلاک بی، نارتھ ناظم آباد کراچی +92-334-3656070

سلسلة سند الحديث للبخاری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

{اللّٰهم صلّ علی محمدنِ النبیّ الامیّ وعلی آله وسلّم تسلیماً} قال سیدنا واستاذنا وشیخنا عارف باللہ فَضِیۡلَةُ الشَّیۡخ الشَّاهُ جَلِیۡل اَحۡمَدۡ اَخُوۡن حفظه اللہ تعالیٰ وبارك اللہ فی حیاته قال حدثنی والدی الشیخ المُفۡتِی نِیَازۡ محمدُ رحمه الله بن ثابت الختنیؒ الترکستانی قال حدثنی شیخ التفسیر والحدیث مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وسیدالطائفه السید مولانا حسین احمد مدنیؒ ح وحدثنا شیخنا عارف باللہ الشاہ جلیل احمد اخون حفظه اللہ تعالیٰ قَالَ حَدَّثَنَا استاذی الشَّیۡخُ الۡمُفۡتِی وَلِی حَسَن التونکیؒ بجامعة العلوم الاسلامیة علامه بنوری تاؤن کراتشی قَال حَدَّثَنَا الشَّیۡخُ سَیِّدُ الطَّائِفَةِ اَلسَّیِّدُ حُسَیۡن اَحۡمَد اَلۡمَدَنِیؒ قَالاَ حَدَّثَنَا شیخ الهند اَلشَّیۡخُ مَحۡمُوۡدُ الۡحَسَنُ اَلدِّیۡوبَنۡدِیۡؒ ح وحَدَّثَنَا شیخنا عارف باللہ الشاہ جلیل احمد اخون حفظه اللہ تعالیٰ قال اَجَازَنِیۡ الشیخ الکبیر المصلح العظیم عارف باللہ الشاہ مولانا حکیم محمد اخترؒ قال حدثنا الشیخ مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ قال حدثنا الشیخ مولانا عبدالماجد جونپوریؒ قال شیخ الهند حدثنا شَیۡخُ الۡاِسۡلَام رَشِیۡد اَحۡمَدَ الۡجَنۡجُوۡهِیۡؒ والشیخ حجة الاسلام محمد قاسم النانوتویؒ وقال الشیخ جونپوریؒ حدثنا شیخ الاسلام رشید احمد الجنجوهیؒ قالا حدثنا الشیخ الشاہ عبدالغنیِ المجددیؒ قال حدثنا الشیخ الشاہ محمد اسحاقؒ الدهلوی قال حدثنا الشیخ عبدالعزیزِ المحدثُ الدهلویؒ قال حدثنا امام التفسیر والحدیث الشاہ ولی اللہ المحدثُ الدِهۡلَوِّیُؒ قال اخبرنا الشیخ محمدُ بن ابراهیمَ الکُرۡدِیُؒ المدنیُ قال اخبرنا والدی الشیخُ ابراهیمُ الکردیؒ قال قرأت علی الشیخ احمدَ القُشَاشِیؒ قال اخبرنا احمدُ بن عبدِالقدوس الشَّنَّاوِیُؒ قال اخبرنا الشیخ محمدُ بن احمدَ بن محمدِ الرَّمَلِیُ ؒ عن الشیخ الزکریاَ بن محمدِ الانصاریِ ؒ قال قراء ت علی الشیخ الحافظ احمدَ العَسۡقَلانیؒ عن الشیخ ابراهیمَ بن احمدَ التَّنُوۡخِیؒ عن الشیخ احمدَ بن ابی طالبِ الحِجارؒ عن الشیخ الحسین بن المبارَكِ الزَّبَیۡدِیِ عن الشیخ ابی الوقتِ عبدالاول بن عیسیٰ السَّجۡزِیِ الهَرَوِیؒ عن الشیخ عبدِالرحمٰن الدَّاوُدیِؒ عن الشیخ محمدٍ عبداللہ بن احمدَ السَّرۡخَسِیِؒ عن الشیخ محمدِ ابن یوسف الفرَبۡرِیؒ عن امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمدِ بن اسماعیل بن ابراهیمَ البخاری رضی اللہ عنه وعنهم اجمعین

ترجمۃ الاستاذ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم

اور

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالّین وانتحال المبطلّین وتاویل الجاھلین'' کہ اس علم نبوت کو ہر آنے والے طبقے میں سے عادل (متقی، پارسا اور صالح) لوگ اٹھائیں گے اور اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور تبدیلی اور باطل پرستوں کی من گھڑت نسبت اور جاہلوں کے ہیر پھیر کو دور کرے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک ایمان والوں کی ایک جماعت اس علم کی حفاظت اور خدمت پر مامور رہی ہے جنہوں نے بے کم و کاست ان علوم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا ہے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدام علم دین کو خصوصاً علم حدیث میں مشغول رہنے والوں کو دعا دیتے ہوئے فرمایا ''نضّر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا واداّھا کما سمعھا'' تروتازہ رہے وہ شخص جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد کیا اور پھر آگے پہنچایا جس طرح سنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کی خدمت کے لیے بڑے رجال کار کا انتخاب فرمایا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس علم کی حفاظت اور نشر کرنے میں صرف کردیں ان ہی خدام علم حدیث میں ہمارے استاذ گرامی مرشد و مربی شیخ الحدیث جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا جلیل احمد اخون صاحب دامت برکاتہم ہیں جو تفقہ فی الحدیث رکھنے والے عالم ربانی، فاضل دارالعلوم دیوبند، مہاجر فی سبیل اللہ، حضرت مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص اور تلمیذ اور شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

استاذ گرامی نے دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم کی بھی تکمیل کی اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم۔اے اسلامیات میں گولڈ میڈلسٹ ہوئے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان میں دورہ حدیث کے امتحان میں پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۴۰۶ھ (1986ء) میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے فراغت

کے بعد اپنے والد گرامی کے زیر سایہ جامع العلوم عید گاہ بہاولنگر (تاسیس 1944ء) میں تدریس شروع کی اور اولیٰ سے دورہ حدیث تک تقریباً آٹھ کتابیں زیر تدریس رہیں اور درس نظامی کی تقریباً ہر کتاب کئی کئی سال تک پڑھائی لیکن استاذ گرامی کا خاص ذوق اصول فقہ اور علم حدیث میں ہے اصول فقہ کی مشہور و معروف کتاب ''التوضیح والتلویح''23 سال تک زیر تدریس رہی اور اسی طرح علم حدیث میں طحاوی شریف اور ترمذی شریف 20 سال سے زائد عرصہ تک پڑھائیں۔

۱۴۱۲ھ / 1992ء میں حضرت کے والد گرامی مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانیؒ رحلت فرما گئے ان کی وصیت کے مطابق بخاری شریف جلد اول کی تدریس شروع فرمائی اور شوریٰ کے فیصلے کے مطابق اہتمام کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کردی گئیں اور ۱۴۳۷ھ / 2016ء کے شروع میں حضرت ختنیؒ کے نائب اور تلمیذ خاص مولانا محمد عبداللہ سرگودھویؒ کی رحلت کے بعد بخاری شریف جلد دوم کی تدریس بھی آپ کے ذمہ آگئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت استاذ کو تدریس اور تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے جس سے غبی سے غبی طالب علم بھی مشکل سے مشکل مضمون آسانی سے سمجھ جاتا ہے اور یاد کر لیتا ہے باوجود اہتمام کی ذمہ داریوں کے تدریس کے لیے پورا وقت نکالتے ہیں اور اب بھی مکمل بخاری شریف کی تدریس کے علاوہ شعبہ بنات میں ایک دو کتابیں زیر درس رہتی ہیں۔

بخاری شریف کی تدریس کے پہلے سال سے ہی طلبہ آپ کی تقریر کو ضبط کرتے تھے یہ سلسلہ اب تک چلتا رہا پھر ان کاپیوں کو جمع کر کے کتابی شکل دینے کی تحریک ہوئی انہیں مرتب کر کے حضرت استاذ کی نظر ثانی کے بعد ''التقریر الجلیل علی الجامع لابن اسماعیل (البخاریؒ)'' کے نام سے موسوم کر کے منصہ شہود پر لایا جا رہا ہے۔

اس شرح کی طباعت میں دار الاصلاح لندن اور دار الاصلاح ملبورن کا خاص حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان احباب کو بے شمار برکتیں نصیب فرمائے۔ آمین

اس کاوش میں خاص طور پر مولوی محمد امجد سلمہ، مولوی محمد عبداللہ سلمہ، مولوی رضا علی سلمہ، مولوی محمد خوشنود سلمہ اور محمد عدنان سلمہ کمپیوٹر آپریٹر شامل ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے اور تشنگان علوم نبوت کی سیرابی کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین۔

یکے از تلمیذ حضرت والا دامت برکاتہم

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ / 05 جون 2018ء

انتساب

(۱) مہاجر فی سبیل اللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ

(فاضل دار العلوم دیوبند 1942ء بمطابق ۱۳۶۱ھ، متوفی جنوری 1992ء)

(۲) مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ

(فاضل دار العلوم دیوبند 1945ء بمطابق ۱۳۶۴ھ، متوفی 3 فروری 1995ء)

(۳) شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ

(فاضل مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر اعظم گڑھ انڈیا، متوفی 2 جون 2013ء)

تراجم المشائخ الثلاثه

از قلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ جلیل احمد اخون صاحب دامت بر کاتہم

درج ذیل میں ان تین عظیم الشان مشائخ ثلاثہ کا تذکرہ ہے جن سے بخاری شریف کا احقر نے استفادہ کیا ہے اور سند حاصل کی۔

1۔ مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ

والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نیاز محمد بن ثابت ختنی ترکستانی ؒ ۱۹۰۷ء میں شنجانگ (چین) کے شہر ختن کے محلہ شور باغ میں پیدا ہوئے اور جنوری ۱۹۹۲ء میں پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر بہاول نگر میں وفات پائی اور بہاول نگر کے مضافات دین پور شریف (جٹو والا) میں تدفین ہوئی۔

۱۹۳۴ء میں ختن سے سردیوں کے موسم میں دو ماہ کا K-2 پہاڑ کا پیدل برفباری اور جمے ہوئے دریاؤں کا سفر کرتے ہوئے کشمیر پہنچے اور وہاں سے دیوبند تشریف لے گئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ہدایہ اولین تک ختن سے پڑھ کر آئے تھے دار العلوم کے داخلے کا امتحان پاس کرکے ۱۹۴۲ء میں فراغت حاصل کی۔

بخاری شریف کی تعلیم اور سند

حضرت والد صاحب ؒ نے بخاری شریف دو عظیم الشان شخصیات سے پڑھی ہے پہلی شخصیت شیخ الاسلام محدث عظیم شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کی ہے جو اُس وقت دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور بخاری شریف کی دونوں جلدیں زیر درس تھیں حضرت والد صاحب ؒ فرماتے تھے کہ حضرت مدنی ؒ اگر سفر پر تشریف لے جاتے جب بھی واپسی ہوتی اسی وقت درس ہوتا خواہ نصف رات ہوتی تقریباً چھ ہزار طلباء نے آپ سے بخاری شریف پڑھی اور دستار فضیلت حاصل کی۔

اور دوسری شخصیت شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ کی تھی جو عصر کے بعد اپنے گھر پر بخاری شریف

کا درس دیتے تھے حضرت والد صاحب ؒ نے وہاں ان سے عصر کے بعد بخاری شریف پڑھی۔

جامع العلوم عید گاہ بہاول نگر میں تدریسی خدمات

حضرت والد صاحب ؒ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں رہے اور مختلف فنون میں تخصصات کیے۔ جن میں علوم آلیہ فلسفہ و منطق، علم ہندسہ و معیشت، علم طب اور علم فقہ شامل ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں حضرت والد صاحب ؒ کے استاد گرامی سراج المحدثین حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی ثم المدنی ؒ نے آپ کو بہاول نگر طلب فرمایا تو آپ بمشورہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ بہاول نگر تشریف لے آئے۔ حضرت میرٹھی ڈھابیل سے بہاول نگر تشریف لائے تھے اور یہاں جامع العلوم کے نام سے ادارہ قائم کیا تھا۔ بعد میں ۱۹۴۶ء میں حضرت میرٹھی ؒ پہلے دہلی پھر ٹنڈو والہ یار سندھ اور پھر مدینہ شریف ہجرت فرما گئے اور جامع العلوم کا انتظام و انصرام والد صاحب ؒ کے حوالے فرما دیا والد صاحب ؒ نے تقریباً تمام تدریسی کتب کی تدریس فرمائی علاوہ ازیں علوم آلیہ فلسفہ اور منطق کی بڑی کتب بھی زیر درس رہیں جن کو تکمیلات کہا جاتا ہے اور اس میں خصوصی طور پر افغانستان، ایران، سرحد اور بلوچستان کے طلباء شریک ہوتے تھے اور آخری چالیس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس دیا۔

احقر کا تلمذ

حضرت والد صاحب ؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ شعبان، رمضان کی تعطیلات میں احقر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے گھر آتا تو آئندہ سال کی اہم کتب کے کچھ اسباق پڑھا دیتے تو اس طرح بہت سی کتب خصوصاً علوم آلیہ کے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا جب مشکوٰۃ شریف پڑھ کر چھٹیوں پر آیا تو بخاری شریف کی کتاب الوحی اور کتاب الایمان پڑھنے کا موقعہ ملا جن میں سے بعض دروس حضرت والد صاحب ؒ کی سوانح حیات "**مشک ختن**" میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالات دیکھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

2۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر 5

حضرت مولانا مفتی ولی حسن بن مفتی انوار الحسن خان ٹونکی ۱۹۲۴ء میں راجھستان کے ایک گاؤں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ۲ رمضان ۱۴۱۵ھ / یکم فروری ۱۹۹۵ء کو کراچی میں وفات پائی اور دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں

دفن ہوئے۔

تعلیم و تربیت

حضرت مفتی صاحب ؒ نے ابتدائی کتب اپنے والد گرامی مفتی انوار الحسن خان صاحب ؒ سے پڑھیں اور بارہ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے پھر اپنے چچا مولانا حیدر حسن خان ؒ جو دار العلوم ندوۃ لکھنو کے شیخ الحدیث تھے ان سے تعلیم حاصل کی ندوۃ میں اگرچہ جدید طریقہ تعلیم تھا لیکن مولانا حیدر حسن خان ؒ نے فرمایا ان کو پرانے طرز کا عالم بنانا ہے تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا گھریلو مجبوری کی وجہ سے عدالت شریعہ ٹونک میں ملازمت اختیار کر لی اور اس ملازمت کے تقاضوں کے پیش نظر مولوی عالم فاضل پنجاب کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا لیکن دل میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ دینی تعلیم کی تکمیل کی جائے تو پھر ملازمت چھوڑ کر اس غرض سے پہلے مظاہر العلوم گئے وہاں مشکوۃ تک تعلیم حاصل کی پھر دورہ حدیث دار العلوم دیوبند کیا اور بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ سے پڑھی فراغت کے بعد ٹونک کے ایک ضلع میں قاضی اور مفتی مقرر ہوئے یہاں تک کہ ہندوستان تقسیم ہو گیا اور آپ نے کراچی پاکستان ہجرت فرمائی۔

کراچی میں درس و تدریس

کراچی میں آنے کے بعد کچھ عرصہ میٹروپولیس ہائی سکول میں اسلامیات پڑھائی اور جب ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے دار العلوم (نانک واڑہ) کی بنیاد رکھی تو وہاں مدرس مقرر ہو گئے اور ہدایہ تک کی کتب زیر تدریس رہیں پھر جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ نے ۱۹۵۴ میں رکھی تو حضرت بنوری ؒ انہیں دار العلوم (نانک واڑہ) سے اپنے ادارہ میں لے آئے۔

شیخ الحدیث کے منصب پر

حضرت بنوری ؒ کے رشتے کے ماموں حضرت مولانا حبیب اللہ بنوری ؒ جو جامعہ الصادق بہاول پور کے شیخ الجامعہ تھے اور حضرت والد صاحب ؒ کے دوست تھے انہوں نے احقر کو خود بتلایا کہ جب ۱۹۷۷ء میں حضرت بنوری ؒ کا اچانک انتقال ہوا تو بخاری شریف کی تدریس کے لیے پریشانی ہوئی تو اس سلسلے میں بنوری ٹاؤن میں اجلاس ہوا اس میں مختلف آراء آئیں جب مجھ سے رائے پوچھی گئی تو میں نے عرض کیا کہ اس منصب کے لیے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو علم اور روحانیت دونوں میں یکتا ہو تو ایک بار جب میں حضرت بنوری ؒ کے پاس آیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ آؤ میں آپ کو

مدرسے کے ولی سے ملاقات کرواتا ہوں جن کا نام بھی ولی حسن ہے اور مجھے دار الافتاء میں لے گئے جہاں قراقلی ٹوپی پہنے ایک شخص فتویٰ تحریر کر رہا تھا ان سے ملاقات کی حال احوال لیا میری رائے یہ ہے کہ وہی اس منصب کے لیے سب سے زیادہ انسب ہیں۔ چنانچہ پھر اسی پر اتفاق ہو گیا تو ۱۹۷۸ء سے آپ بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف مکمل کا درس دینے لگے اور ۱۹۹۰ء تک اس منصب پر فائز رہے پھر آپ کو فالج ہو گیا جو چھ سال کی مدت تک دراز ہوا۔

احقر کا تلمذ

احقر نے ۱۹۷۸ء میں میٹرک اور کچھ کالج کی تعلیم کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۶ء میں فراغت حاصل کی حضرت مفتی صاحب ؒ سے درجہ اولیٰ ہی سے قلبی تعلق رہا اور دورہ حدیث کے سال حضرت مفتی صاحب ؒ کی ہر طرح کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی اور حضرت کی بہت خاص توجہ رہی۔ فن حدیث کے ساتھ وابستگی اور تفقہ کا بڑا سبب حضرت مفتی صاحب ہیں حضرت مفتی صاحب کی ہدایت کی وجہ سے زمانہ طالب علمی میں ترمذی شریف کی شرح معارف السنن جو حضرت بنوری ؒ کی تصنیف ہے اور لامع الدراری جو حضرت قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا گنگوہی ؒ کی تقریر ہے اور اس پر حاشیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ؒ کا ہے ان کے بالاستیعاب مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات احقر کی کتاب "**جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بیتے ہوئے دن**" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

3۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا الشاہ حکیم محمد اختر بن محمد حسین ۱۹۲۴ء میں ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع پڑتاب گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۲ جون ۲۰۱۳ء کو خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی میں وفات پائی اور سندھ بلوچ سوسائٹی کراچی کے وقف کردہ قبرستان میں تدفین ہوئی۔

تعلیم

حضرت والا نے اپنے والد صاحب کے حکم پر مڈل تک سکول کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد والد صاحب نے الہ آباد انڈیا حکمت کی تعلیم کے لیے بھیج دیا جہاں طبیہ کالج الہ آباد میں داخلہ لیا اور حکیم اجمل خان ؒ کے شاگرد خاص حکیم عثمانی صاحب جنہیں شفاء الملک کا کہا جاتا تھا ان سے طب کی تعلیم حاصل کی اگرچہ حضرت والا کا رجحان دینی تعلیم کی

طرف تھا اور بارہا والد صاحب سے عرض بھی کیا لیکن والد صاحب نے فرمایا پہلے طب پڑھ لو پھر دینی تعلیم حاصل کرنا تاکہ دینی خدمات میں ذریعہ معاش آڑے نہ آئے اور طب کے ذریعے معاش کا مسئلہ حل کریں چنانچہ فرماتے تھے کہ والد صاحب کے لیے آج دل سے دعائیں نکلتی ہیں آج میرا اپنا دواخانہ اور کتب خانہ ہے جس سے معیشت کا نظام چلتا ہے اور دین کی خدمت مفت کرتا ہوں طبیہ کالج میں جس دن آخری پیپر تھا اسی دن والد صاحب کا انتقال ہو گیا اس سے بڑا شدید صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ نے صبر کی توفیق عطاء فرمائی۔

دینی تعلیم

حضرت والا کے والد صاحب آپ کو بچپن ہی سے مولوی صاحب کہتے تھے علم طب مکمل کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ سے بیعت ہو گئے اور ان کے مدرسہ بیت العلوم میں عربی درسیات کی تعلیم شروع کی اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں مشکوٰۃ شریف پڑھی اور اس سے اگلے سال بخاری شریف اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ سے پڑھی۔ حضرت پھولپوری ؒ کا سلسلہ سند بہت بلند تھا کیونکہ وہ ایک واسطہ سے قطب العالم حضرت گنگوہی ؒ کے شاگرد تھے حضرت پھولپوری ؒ کے استاد مولانا عبد الماجد جونپوری ؒ حضرت شیخ زکریا ؒ کے والد مولانا یحییٰ کاندھلوی ؒ کے شریک درس اور حضرت گنگوہی ؒ کے شاگرد تھے۔

احقر کا حضرت شیخ ؒ سے تلمذ

احقر کی مکمل تعلیم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی ہے اور حضرت والا سے ارادت اور بیعت کا تعلق تھا لیکن حضرت والا فرماتے تھے اگر شیخ سے طالب علمی کی نسبت بھی ہو جائے تو یہ تعلق اور مضبوط ہو جاتا ہے اگرچہ حضرت والا ہمیشہ علمی بحث و نکات میں احقر کو متوجہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے مولانا میری بات خوب سمجھتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ طالب علم بننے کا موقعہ ۱۹۹۹ء میں عمرہ کے موقعہ پر مسجد نبوی شریف میں دیا جہاں حضرت والا نے ایک دن فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں پیغمبر علیہ السلام کی سنت معلمیت کو ادا کروں تو اس کے لیے دو افراد کا انتخاب کیا گیا ایک احقر کا اور دوسرے حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ؒ کے بیٹے مفتی کوثر صاحب مدظلہ کا تو حضرت نے ہمیں مسجد نبوی شریف میں بٹھا کر نحو کا سبق پڑھایا جو حضرت والا کے **"سفرنامہ حرمین شریفین"** میں موجود ہے اور حضرت والا نے بخاری شریف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی جو سند کے اعتبار سے عالی ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات احقر کی کتاب **"مجمع البحار"** میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام بخاریؒ کے حالات زند گی

نام ونسب

امام بخاری ؒ کا نام محمد ہے اور کنیت ابو عبد اللہ ہے لقب امیر المومنین فی الحدیث ہے سلسلہ نسب یوں ہے امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بر د زبہ الجعفی البخاری ؒ۔ بر د زبہ فارسی زبان کا لفظ ہے عام محدثین نے اس کا معنی کسان کیا ہے۔

لیکن حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی ؒ جو اس مدرسہ جامع العلوم عید گاہ بہاول نگر کے بانی اور پہلے شیخ الحدیث (1944ء تا 1946ء) ہیں وہ فرماتے ہیں بخارا کے ایک عالم سے میری مکاتبت ہوئی جو وہاں کی زبانوں کے ماہر تھے انہوں نے کہا یہ لفظ بر د زبہ نہیں بلکہ بر دازبہ ہے جس کا معنی ہے ماہر اور صیقل گر۔

خاندانی حالات

خاندانی پس منظر یہ ہے کہ امام بخاری ؒ کا خاندان پارسی اور مجوسی تھا اور ایران کے بادشاہوں کے دور میں اس خاندان کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔

مجوسی لوگ دو خداؤں کا عقیدہ رکھتے تھے ایک خیر کا خدا اور ایک شر کا خدا خیر کے خدا کا نام 'یزدان' اور شر کے خدا کا نام 'اَہر من' تھا بر دازبہ کا انتقال مجوسی مذہب کفر پر ہوا بر دازبہ کے بیٹے مغیرہ نے سب سے پہلے بخارا کے گورنر یمان بن اخنس الجعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

جعفی اصل میں عربوں کا قبیلہ ہے لیکن اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ جو جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا تو اپنے آپ کو اس قبیلے کی طرف منسوب کرتا تھا اس لیے امام بخاری ؒ کے ساتھ الجعفی لکھا جاتا ہے حالانکہ یہ عربی نہیں ہیں بلکہ عجمی ہیں ترکی النسل ہیں امام بخاری ؒ کے پر دادا اور دادا ابراہیم کے حالات محدثین نے تفصیلی ذکر نہیں کیے۔

امام بخاریؒ کے والد ابو الحسن اسماعیل بن ابراہیم کے حالات

امام بخاری ؒ کے والد اسماعیل کے بارے میں آتا ہے کہ بہت بڑے محدث تھے اور امام مالک ؒ اور حماد بن زید ؒ کے شاگرد تھے اور بہت بڑے کاروباری اور متمول علماء میں سے تھے۔ عبد اللہ بن مبارک ؒ کی صحبت میں بہت رہے ہیں عبد اللہ بن

مبارک ؒ مرو کے تھے مرو بھی ترکستان کا ایک علاقہ ہے ان کے ساتھ بہت وقت گزارا ہے خود امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے امام مالک ؒ اور حماد بن زید ؒ سے حدیثیں لی ہیں اور عبداللہ بن مبارک ؒ سے میرے والد نے مصافحہ کیا ہے اور بہت نیک اللہ والے عالم تھے ان کی نیکی اور ورع کا اندازہ اس سے کرسکتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو احمد بن حفص ؒ جو بہت بڑے فقیہ ہیں فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس تھا مرض الوفات میں تو مجھے انہوں نے کہا کہ اس وقت میری جتنی بھی دولت ہے اس میں ایک درہم بھی شبہ والا نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات سن کر" فتصاغرت الیّ نفسی "میں اپنے آپ کو ان کے سامنے معمولی سمجھنے لگا۔

اس شخص کی حلال کی کمائی ایسی تھی کہ اتنی احتیاط سے زندگی گزاری کہ ایک درہم بھی شبہ والا نہیں ہے تب ہی تو امام بخاری ؒ جیسا آدمی ان کی اولاد میں پیدا ہوا ہے یہ تو امام بخاری ؒ کے خاندانی حالات تھے۔

امام بخاریؒ کی پیدائش

۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ میں یعنی دوسری ہجری ختم ہو رہی تھی جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد امام بخاری ؒ کی پیدائش ہوئی۔

بچپن کے حالات

امام بخاری ؒ کے والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور آپ یتیم ہو گئے تھے آپ ؒ کے ایک بڑے بھائی تھے جن کا نام احمد تھا یتیمی کے ساتھ دوسرا کام یہ ہوا کہ نابینا ہو گئے کوئی ایسی بیماری آنکھوں پر حملہ آور ہوئی کہ دیکھنا بند ہو گیا ان کی والدہ کو بہت دکھ ہوا وہ بہت نیک خاتون تھیں اور اپنے بیٹے کی آنکھوں کے لیے ہر وقت دعا کرتی تھیں جب بہت عرصہ گزر گیا تو ایک دات خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی انہوں نے فرمایا کہ بیٹی کیا مانگتی ہے ؟امام بخاری ؒ کی والدہ نے عرض کیا کہ میں اپنے بیٹے کی بینائی مانگتی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول فرمالی اور تیرے بیٹے کی بینائی واپس کردی صبح کو جب اٹھیں تو امام بخاری ؒ کی آنکھیں روشن تھیں اس لیے احقر یہ کہا کرتا ہے کہ امام بخاری ؒ کو امام بخاری والد کی کمائی اور اس کی ماں کی دعا نے بنایا ہے۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم والدہ کی زیر نگرانی شروع ہوئی یہاں تک کہ جب دس سال کی عمر ہوئی تو امام داخلی ؒ جو کہ بخارا کے بہت بڑے محدث تھے ان کے درس میں جانا شروع کیا کیونکہ بچپن ہی سے حدیث سے شغف تھا گیارہ سال کی عمر میں امام بخاری ؒ کو ستر ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں سند اور متن کے ساتھ۔

بچپن کا ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ جب امام بخاریؒ کی عمر گیارہ سال تھی امام داخلیؒ کا سبق ہو رہا تھا امام داخلیؒ سے سند میں غلطی ہوئی انہوں نے حدیث کی سندیوں بیان کی حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراهیم امام بخاریؒ فوراً بولے أبو الزبیر لم یرو عن ابراهیم کہ ابوزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے استاد نے آپ کو خشمگیں نظر سے دیکھا اور کہا تم غلط کہتے ہو تمہیں کیا معلوم تو آپ نے عرض کیا کہ اصلی نسخہ کی طرف مراجعت کر لیجئے چنانچہ امام داخلیؒ اٹھے گھر جا کر اصل یادداشتوں کا بغور مطالعہ کیا تو واقعتاً غلطی نکلی واپس آ کر بخاریؒ سے فرمایا چھا تم بتاؤ صحیح روایت کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ هو الزبیر وهو ابن عدی عن ابراهیم امام داخلیؒ نے تصدیق کی اور قلم سے نسخہ قرأت کی تصحیح کر لی اور بہت حیران ہوئے۔

امام بخاریؒ نے گیارہ سال کی عمر میں امام وکیعؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کی حدیثوں کی جتنی کتابیں تھیں زبریاد کر لی تھیں بلکہ ایک محدث فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دوست جو بہت بڑے عالم تھے وہ آئے میں نے کہا کہ ایک بچہ دکھاتا ہوں جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں انہیں یقین نہیں آیا کہ بچے کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہوں اتنے میں امام بخاریؒ گزرے۔ امام بخاریؒ قد کے متوسط اور بالکل دبلے پتلے تھے ان کو بلوایا اور کہا آپ کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں امام بخاریؒ نے فرمایا نہ صرف ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں بلکہ ان کے تمام راویوں کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، وطن اور ان کی سوانح عمری بھی میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ کو نابغہ روزگار شخصیت بنایا تھا۔

سفرِ حج

بخارا اور سمرقند کے محدثین سے احادیث لینے کے بعد امام بخاریؒ نے پہلا سفر حرمین شریفین کا کیا امام بخاریؒ اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد کے ساتھ حج کے لیے گئے حج سے فراغت کے بعد والدہ اور بڑے بھائی واپس آگئے اور آپؒ وہیں رہ گئے چھ سال حجاز مقدس میں رہے آپ نے کوفہ، بصرہ، بغداد، واسط، نیشاپور وغیرہ کا سفر بھی کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیثیں لیں آپ ۱۸ سال کی عمر میں حدیث کے متبحر عالم بن چکے تھے۔

امام بخاریؒ کے اساتذہ

امام بخاریؒ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) ہے جن بڑے محدثین سے امام بخاریؒ نے حدیثیں پڑھیں ان میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، علی بن المدینیؒ جیسے حضرات شامل ہیں، اکثر تبع تابعی ہیں۔

امام صاحب کا علم دو استادوں کا مرہون منت ہے ایک اسحاق بن راہویہؒ اور دوسرے علی بن المدینیؒ۔ آپ کے اساتذہ میں بلخ کے مکی بن ابراہیم بھی ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد خاص تھے ان سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثی

احادیث نقل کی ہیں اسی طرح بغداد میں معلّی بن منصور بھی آپ کے استاد ہیں یہ بھی امام ابو حنیفہ ؒ کے شاگرد ہیں اسی طرح محمد بن عبد اللہ انصاری جو کہ صاحبین کے شاگرد ہیں ان سے تین ثلاثیات روایت کی ہیں امام بخاری ؒ نے اپنے زمانے کے ہر محدث سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

درس تدریس

امام بخاری ؒ نے اٹھارہ سال کی عمر میں درس و تدریس شروع فرمادی تھی اور محمد بن یوسف کی ڈیوڑھی میں درس کی نشست بچھائی گئی تھی پھر آپ کا درس اتنا مشہور ہوا کہ دور دور سے لوگ سماع حدیث کے لیے حاضر ہونے لگے عالم اسلام میں آپ کے درس کا ڈنکا بج گیا پھر آپ ؒ جہاں بھی جاتے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سماعت کرتے۔

آپ ؒ جب نیشاپور گئے امام ذہلی ؒ نے جو وہاں کے بڑے محدث تھے اپنے شاگردوں کو استفادہ کی اجازت دے دی ان میں امام مسلم بھی تھے اور پھر اس قدر آپ کا درس مشہور ہوا کہ نیشاپور کے محدثین کی مجلسیں پھیکی پڑ گئیں۔

اور اسی طرح جب آپ بصرہ گئے تو وہاں کی گلیوں میں اعلان ہوا کہ آج کل امام بخاری بصرہ آئے ہوئے ہیں جو لوگ آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں جامع مسجد میں آجائیں لوگ جامع مسجد میں پہنچے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو علماء اور عوام کی بہت بڑی تعداد نے ملاقات اور زیارت کی اور درخواست کی کہ آپ احادیث مبارکہ بھی سنائیں چنانچہ آپ نے درخواست منظور فرمائی اور اگلے دن درس حدیث کا وعدہ فرمایا بصرہ میں باقاعدہ اس کا اعلان ہوا اور ایک بہت بڑی جگہ متعین کی گئی اگلے دن ہزاروں علماء، فقہاء، طلبہ جمع ہوگئے تو امام صاحب نے فرمایا آج میں تمہیں وہ حدیثیں سناؤں گا جن کے راوی بصرہ ہی کے ہیں لیکن تم ان حدیثوں کو نہیں جانتے لوگ بہت حیران ہوئے لوگوں کی نگاہیں امام بخاری ؒ کے چہرے پر جمیں ہوئیں تھیں اور کان آواز سننے کے مشتاق تھے چنانچہ آپ نے وہ حدیثیں بیان کی جن کے راوی بصرہ کے تھے۔

قوت حافظہ

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری ؒ کو بے مثل حافظہ عطا فرمایا تھا چنانچہ طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ ایک ساتھی نے بیان کیا کہ امام بخاری پڑھنے جاتے تو قلم، دوات اور کاغذ نہیں لے جاتے تھے حالانکہ قلم، دوات اور کاغذ اس زمانے میں طالب علموں کا خاصہ تھا جہاں کچھ ملا فوراً نوٹ کیا جب کچھ دن ہوئے تو ہم نے کہا کہ تم ویسے ہی وقت ضائع کرتے پھرتے ہو نہ تو درس میں لکھتے ہو اور نہ قیام گاہ پر جا کر لکھتے ہو اس وقت تک سولہ دن ہو چکے تھے اور ہم پندرہ ہزار حدیثیں سولہ دنوں میں پڑھ چکے تھے۔

امام بخاری نے ایک دن فرمایا کہ اپنی کاپیاں نکالو میں تمہیں زبانی سناتا ہوں سب پڑھا ہوا میرے حافظے میں ہے امام

بخاری نے سب کی سب حدیثیں پڑھ کر سنا دیں امام بخاری نے جب تمام حدیثیں سنائیں تو جماعت کے ساتھی حیران رہ گئے امام بخاری کے ساتھی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کی تصحیح بھی آپ سے کی امام بخاری ؒ کو اللہ تعالی نے عجیب وغریب حافظہ عطا فرمایا تھا آپ ؒ کا حافظہ کرامت معلوم ہوتا تھا ایک واقعہ تو یہ ہے کہ انہیں ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں وہ بھی بچپن کی عمر میں جیسا کہ گزرا۔

اس کی بعد جب آپ ۲۲۱ھ میں ایک مرتبہ بغداد تشریف لے گئے تو بغداد کے محدثین نے ان کا امتحان لینا چاہا اور امتحان کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ دس آدمی مقرر کیے اور ہر ایک کو دس حدیثیں یاد کرائی گئیں جن کی سند اور متن میں خلط ملط کیا گیا جب لوگوں کو پتہ چلا کہ آج علماء بغداد امام بخاری کا امتحان لینا چاہ رہے ہیں تو بڑی محفل جم گئی ہزاروں کی تعداد میں مجمع تھا کہتے ہیں کہ چھتوں پر بھی لوگ چڑھے ہوئے تھے ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا اس حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں حدثنا فلان حدثنا فلان سند بیان کی اور حدیث کوئی اور لگا دی امام بخاری ؒ نے فرمایا لا ادری ، مجھے اس کا علم نہیں عوام الناس نے سمجھا کہ آپ کو علم نہیں جبکہ اہل نظر حقیقت پہچان گئے کہ بخاری کو سب معلوم ہے ایک سو حدیثوں پر "لا ادری" "لا ادری" کہا جب سو حدیثیں ہو گئیں تو امام بخاری ؒ نے پہلا آدمی کھڑا کیا اور کہا آپ نے حدیث اس طرح بیان کی کہ پہلے اس کی سند اور پھر حدیث بیان کی جس طرح اس نے بیان کی تھی پھر فرمایا حدیث دراصل یوں ہے اور اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کر دیا اس طرح سو کی سو حدیثیں صحیح بیان کر دیں علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں تعجب اس پر ہے کہ غلط احادیث بھی ایک ہی دفعہ سن کر اسی ترتیب سے بیان کر دیں۔

تلامذہ

امام بخاری ؒ کے براہ راست شاگردوں کی تعداد نوے ہزار ہے جنہوں نے جامع صحیح کو براہ راست سنا آپ کے شاگردوں میں امام ترمذی، امام مسلم، امام نسائی شامل ہیں جو صحاح ستہ کے اہم رکن ہیں۔

امام مسلم تو آپ پر بہت فدا تھے ایک مرتبہ شدت جذبات سے آپ کی پیشانی کو بوسہ دے کر عرض کیا اے علم حدیث کے بادشاہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لوں اور امام ترمذی ؒ سے امام بخاری ؒ نے فرمایا جتنا میں نے تم سے نفع اٹھایا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو تم نے مجھ سے اٹھایا اس لیے کہ لائق شاگرد سے استاد کو بہت نفع ہوتا ہے۔

امام بخاری ؒ کا تورع

امام بخاری ؒ بہت متورع تھے شبہات سے بہت بچتے تھے ایک دفعہ امام بخاری ؒ کشتی میں سفر کر رہے تھے دریا کا سفر تھا ایک ہزار اشرفیاں ساتھ تھیں لمبے سفر پر جا رہے تھے راستے میں ایک خادم بن گیا اس نے باتوں باتوں میں معلوم کر لیا کہ آپ کے پاس

کتنا پیسہ ہے امام بخاری ؒ نے بتا دیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں سفر لمبا ہے میں نے فلاں فلاں ملکوں کا سفر کرنا ہے۔

ایک دن وہ آدمی سو کر اٹھا تو شور مچانے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفیاں کسی نے نکال لی ہیں وہ سمجھتا تھا کہ یہ درویش معلوم ہوتا ہے مدرسہ کا طالب علم ہے اس کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے والد بہت رقم چھوڑ کر مرے تھے اور بہت امیر آدمی تھے۔

امام بخاری ؒ سمجھ گئے کہ یہ میرے پیسوں کی وجہ سے کر رہا ہے امام بخاری ؒ نے چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی جب تلاشی لی تو کچھ بھی نہ نکلا تو سب لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا امام بخاری ؒ منزل پر اتر گئے تو وہ آدمی دوڑ کر آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں لیکن تلاشی کے بعد تو آپ کے پاس کچھ نہ نکلا امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ وہ سب اشرفیاں میں نے دریا میں ڈال دیں تو وہ بہت حیران ہوا اور پوچھنے لگا کہ اتنے بڑے مال کا آپ نے نقصان کر دیا۔ امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ بے وقوف تجھے کیا معلوم میں پیغمبر علیہ السلام کی حدیثوں کا امین ہوں آئندہ زمانے والے لوگ کہیں گے کہ امام بخاری ؒ پر چوری کا لزام لگا تھا تو پیغمبر علیہ السلام کی حدیثیں ضائع ہو جائیں گی کچھ لوگ سچا کہیں گے اور کچھ جھوٹا کہیں گے کیونکہ جب بات پرانی ہو جاتی ہے تو بعد والوں کو تحقیق کرنا مشکل ہو جاتی ہے میرے پاس یہ پیغمبر علیہ السلام کا مال ہے اور یہ پیسوں والا مال تو کچھ نہیں اللہ تعالیٰ اور دے دے گا۔

امام بخاریؒ کا تقویٰ

تقویٰ، تورع اور غیرت امام بخاری ؒ کے علمی شان کے علاوہ نمایاں اور صاف تھے اپنے نفس پر گہری نظر رکھتے تھے ہر معاملے میں نفسانی خواہش پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک واقعہ آتا ہے کہ امام بخاری ؒ نے اپنی لونڈی سے کہا پانی لے کر آؤ وہ پانی لے کر آئی امام بخاری ؒ حدیثیں لکھ رہے تھے آپ کے جو وراق تھے ابو جعفر (وراق اس طالب علم کو کہتے ہیں جو حوالے تلاش کرتا ہے) وہ بھی موجود تھے لونڈی جب پانی لے کر آئی تو دوات کو پاؤں لگا دوات ایسی گری کہ سیاہی سب اوراق پر پھیل گئی اور کچھ چھینٹے امام بخاری ؒ کے کپڑوں پر بھی پڑے۔

امام بخاری ؒ نے دیکھ کر کہا کہ تمہیں نظر نہیں آتا اس نے آگے سے ترخ کر کہا ہر طرف تو کتابیں ہیں میں کہاں سے گزرتی وراق کہتے ہیں میں نے سوچا کہ امام بخاری ؒ شاید غصے میں کیا کریں گے کیونکہ امام بخاری ؒ بہت سنجیدہ طبیعت انسان تھے امام بخاری ؒ نے کچھ دیر سر جھکایا پھر اس سے فرمایا جاؤ میں نے آزاد کیا اللہ تعالیٰ کے لیے وہ خوشی خوشی دوڑ گئی۔ وراق کہتے ہیں میں نے پوچھا استاد جی یہ غصے کا موقع تھا آپ نے اتنا بڑا احسان کر دیا نہ صرف معاف کر دیا بلکہ آزاد کر دیا امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ مجھ

میں اور نفس میں جنگ چل رہی تھی لیکن میں نے آخرت کو ترجیح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے معاف کر دیں میں نے اس لیے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ آزاد کر دیا اور سینکڑوں احادیث سنائیں۔

ایک اور واقعہ آتا ہے امام بخاری ؒ بڑا کے تیر انداز تھے زندگی بھر صرف دو تیر خطا ہوئے ایک مرتبہ تیر اندازی کرتے ہوئے آپ کا تیر لکڑی کے پل کے ستون پر لگا اور وہ پھٹ گیا آپ نے شاگرد کو پل کے مالک کے پاس بھیجا کہ ستون کی قیمت لے لے اس نے کہا میرا سب کچھ بخاری ؒ پر قربان ہو پل کیا اور ستون کیا امام بخاری ؒ اس کا جواب پا کر بہت خوش ہوئے سینکڑوں درا ہم صدقہ کیا اور بیسیوں رکعت شکرانہ پڑھیں۔

امام بخاری ؒ نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے سنا ہے غیبت حرام ہے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔

شوق عبادت وتعلق مع اللہ

تعلق مع اللہ کا عجیب حال تھا کہ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے تو ایک بھڑ قمیص میں گھس گئی اور اس نے اتنی جگہ پر کاٹا کہ پوری پیٹھ متورم ہو گئی نفلی نماز تھی سلام پھیرا تو شاگرد سے کہا ذرا دیکھنا کیا ہے جب شاگرد نے دیکھا تو بھڑ تھی شاگرد نے کہا حضرت اس نے تو آپ کو بہت کاٹا ہے آپ نے نماز کیوں منقطع نہیں کی آپ ؒ نے فرمایا کہ میں قرآن کی ایک سورت پڑھ رہا تھا مجھے اس کی ایسی لذت محسوس ہو رہی تھی کہ پتا بھی نہ چلا کہ کوئی چیز کاٹ رہی ہے اب سلام پھیرا تو احساس ہوا کہ کوئی چیز کاٹ رہی ہے اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرتے تھے گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔

امام بخاریؒ پر آزمائشوں کا دور

اب تک جو بیان ہوا یہ امام بخاری ؒ کے حالات کا ایک دور ہے اگلا دور آزمائش کا ہے حدیث شریف میں آتا ہے "اَشَدُّ الْبلاء الانبیاء ثُم الامثل فالامثل" سب سے زیادہ سخت آزمائشیں انبیاء علیہم السلام کی جماعت پر آتی ہیں اور اس کے بعد جو جتنا ان کے راستے پر چلتا ہے ان پر آتی ہیں امام بخاری ؒ ۲۵۰ھ میں نیشاپور گئے جہاں کے امام مسلم رہنے والے ہیں بڑی دھوم دھام سے امام بخاری ؒ کا استقبال ہوا وہاں کے مشہور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی ہیں امام ذہلی نے لوگوں سے کہا کہ جو عالم بخارا سے آئے ہیں ان سے جا کر استفادہ کرو امام بخاری ؒ کے پاس لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ امام ذہلی کی مجلس ماند پڑ گئی سوائے دو چار طالب علموں کے اور کوئی نہ رہا جہاں سینکڑوں طالب علم ہوتے تھے اب صرف دو چار رہ گئے باقی سب امام بخاری ؒ کی مجلس میں چلے گئے ان میں امام مسلم اور احمد بن مسلمہ بھی ہیں یہ دونوں بڑے مشہور محدثین میں سے ہیں۔

ایک دن امام ذہلی نے کہا کہ میں امام بخاری ؒ سے ملاقات کرنے کے لیے جارہا ہوں جس نے چلنا ہو میرے ساتھ چلے امام ذہلی نے ابھی تک امام بخاری ؒ سے ملاقات نہ کی تھی چونکہ امام ذہلی وہاں کے رہنے والے تھے لہذا شہر میں ان پر عام اعتقاد تھا امام بخاری ؒ تو نئے تھے وہاں اگرچہ طالب علمی کے زمانے میں گئے تھے لیکن عوام الناس میں اثر امام ذہلی ؒ کا زیادہ تھا امام ذہلی نے ملاقات کے لیے چلنے سے پہلے یہ اعلان کیا کہ کوئی وہاں پر اختلافی مسئلہ پر سوال نہ کرے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ بدعتیوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع مل جائے اس لیے کہ ہر بڑے عالم کے کچھ اپنے تفردات ہوتے ہیں امام ذہلی جب ملاقات کے لیے گئے تو پورا شہر اُمڈ آیا یہاں تک کہ لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھے ہوئے تھے امام بخاری ؒ اور امام ذہلی کی ملاقات ہو رہی تھی دونوں بزرگ گفتگو فرمار ہے تھے ایک آدمی نے کھڑے ہو کر مسئلہ پوچھا ما تقول لفظی بالقرآن، قرآن کے جو الفاظ ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے تو امام بخاری ؒ نے اعراض کیا اس لیے کہ یہ وہ مسئلہ تھا جس کا امام احمد بن حنبل ؒ کے بعد دنیا میں بہت اثر تھا اور اس میں بہت مبالغہ آرائی ہو گئی تھی امام صاحب کی تائید میں لوگ کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے جب بادشاہوں اور ان کے مولویوں کو زوال ہوا تو پھر عوام الناس دوسری طرف بہت زیادہ آگے نکل گئے امام احمد بن حنبل ؒ کی حمایت میں حدود سے تجاوز کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ قرآن پاک کے الفاظ جو کاغذ پر پھیلے ہوئے ہیں وہ بھی غیر مخلوق ہیں۔

قرآن پاک جو کلام نفسی ہے وہ تو غیر مخلوق ہے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے قرآن مخلوق نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے نکلا ہے ان کا کلام ہے لیکن یہ جو نقوش اس کلام پر دلالت کر رہے ہیں اور ہمارے الفاظ یہ مخلوق ہیں۔

جب سائل کا اصرار بڑھا تو امام بخاری ؒ نے بہت اچھا فیصلہ کیا، فرمایا "اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ" (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے) "لٰكِنْ لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ" یعنی قرآن کے الفاظ کا جو میں تلفظ کرتا ہوں "هُوَمِنْ اَفْعَالِنَا" وہ ہمارا فعل ہے "وَاَفْعَالُنَا مَخْلُوْقَةٌ" اور ہمارے افعال مخلوق ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے "وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے افعال کو بھی پیدا کیا والسوال عنہ بدعۃ اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے جب امام بخاری ؒ نے یہ کہا تو ہر طرف شور مچ گیا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ یہ تو قرآن غیر مخلوق ہونے کا قائل نہیں حالانکہ کلام اللہ کلام نفسی وہ غیر مخلوق ہے کلام لفظی یہ مخلوق ہے لیکن کلام نفسی لوح محفوظ میں ہے جہاں سے پیغمبر علیہ السلام پر اترا ہے وہ غیر مخلوق ہے۔

اس بات کی اتنی شہرت ہوئی کہ امام ذہلی نے بھی کہہ دیا کہ جو بخاری کے پاس جائے گا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جب عوام الناس کا دباؤ بڑھا اور اس فتنے سے متاثر ہو کر امام ذہلی نے بھی فتویٰ دے دیا کہ یہ بدعتی ہے اس کا عقیدہ صحیح نہیں وغیرہ وغیرہ اس بات کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ امام بخاری ؒ کی مجلس میں سوائے امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے کوئی نہ رہا بہت سے علماء حق پر بھی سمجھتے تھے لیکن ڈرتے تھے اس لیے کہ پرانے علماء سب محمد بن یحییٰ ذہلی کے شاگرد تھے سب ان کے ساتھ تھے صرف امام

مسلم ؒامام بخاری کے ساتھ لگے رہے امام مسلم نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے جتنی حدیثیں پڑھیں تھیں وہ سب کی سب اونٹ پر لاد کر بھیج دیں کہ مجھے آپ کی مرویات کی ضرورت نہیں لیکن امام بخاری ؒ کو نہیں چھوڑا اور امام بخاری ؒ کو نیشا پور چھوڑنا پڑا۔

بخارا آمد

جب بخارا والوں کو پتا چلا کہ امام بخاری ؒ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے تو انہوں نے آنے کی دعوت دی امام بخاری ؒ جب بخارا واپس آئے تو لوگوں نے استقبال کیا اور آپ پر پیسے نچھاور کیے آپ اس شان سے آئے اور احادیث پڑھانا شروع کیں۔

اب بخارا کے حاکم خالد بن احمد ذہلی کو شوق ہوا کہ میں اور میری اولاد بھی کچھ پڑھ لے اس نے امام بخاری ؒ کو کہا کہ آپ ہمارے دربار میں آکر جامع کبیر (راویوں پر تاریخ کی کتاب ہے) اور بخاری شریف پڑھایا کرو امام بخاری ؒ بہت غیور تھے اس وجہ سے انہوں نے زندگی بڑی تکلیف میں گزاری ہے نرمی اور مصلحت نام کی آپ میں کوئی چیز نہ تھی امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ یہ بالکل نہیں ہو سکتا میں علم کو نہ بیچ سکتا ہوں اور نہ اس کی تذلیل کر سکتا ہوں اگر منظور نہ ہو تو مجھ پر پابندی لگا دو کہ میں حدیثیں بیان نہ کروں چنانچہ سرکاری طور پر امام بخاری ؒ پر حدیثوں کو بیان کرنے کی پابندی لگا دی گئی آپ ؒ بخارا سے ہجرت کر کے اپنے ننھیال "خرتنگ" (ایک جگہ کا نام ہے بخارا اور سمرقند کے درمیان) وہاں چلے گئے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا یہ مہینہ وہاں خرتنگ ہی میں گزارا جب سمرقند والوں کو پتا چلا کہ اس طرح سے امام بخاری ؒ پر وہاں پابندی لگا دی گئی ہے تو انہوں نے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور کہا کہ آپ ہمارے پاس آجائیں امام بخاری ؒ تیار ہو گئے عید الفطر کے بعد جانے کی تیاری کی لیکن آپ ؒ پہلے یہ دعا کر چکے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ۔

اے اللہ! تیری زمین وسعت کے باوجود میرے لیے تنگ ہے مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف اٹھالے سمرقند سے قافلہ والے پہنچے اور کہا کہ وہاں کے تمام باشندے آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں آپ نے چلنے کے قصد سے پاؤں رکاب پر رکھا تو کچھ ضعف محسوس ہوا آپ لیٹ گئے اور اتنا پسینہ آیا کہ آپ تر بتر ہو گئے موت کے وقت پسینہ آنا ایمان پر مرنے کی علامت ہے۔ زمین پر لیٹ گئے اور انتقال فرمایا یہ ہفتہ کا دن عشاء کا وقت اور عید الفطر کی رات تھی پھر اگلے دن ظہر کے بعد جنازہ ہوا اور خرتنگ میں تدفین ہوئی جو سمرقند کے قریب تھا آپ نے شوال ۲۵۶ھ باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی بخارہ والے آئے بہت روئے پیٹے امام بخاری ؒ کا بہت بڑا جنازہ تھا تدفین ہو گئی پھر وہ لوگ جنہوں نے امام بخاری کے خلاف حسد کی بنیاد پر فتنہ کیا تھا قبر پر آکر انہوں نے معافیاں مانگیں۔

عجیب بات ہے کہ اپنے زمانے میں امام بخاریؒ پر کتنے مصائب آئے لیکن بعد میں بخاریؒ کا کتنا بڑا نام ہے آج گر بخاری آجائے تو لوگ ایک جھلک دیکھنے کے لیے سب کچھ قربان کر دیں گے۔

انسان نعمت کے زوال کے بعد قدردان ہوتا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کر دیا تو کئی دن تک قبر سے مشک کی خوشبو آتی رہی مزار سے لوگ مٹی لے جانے لگے تو حکومت نے حفاظت کے لئے پابندی لگا دی۔

امام بخاریؒ کا مزار ثمر قند سے بیس بائیس کلو میٹر دور خرتنگ میں ہے جس کو اب البخاری سٹی کہا جاتا ہے اور جس جگہ قبر مبارک ہے اس جگہ کو مرکز البخاری کہتے ہیں اور بخارا و سمرقند جمہوریہ ازبکستان میں ہیں۔

بعض نے تینوں چیزوں کے لیے تین الفاظ کہے ہیں یعنی آپ کی عمر، سن ولادت اور وفات کو تین الفاظ صدقؒ (۱۹۴) نورؒ (۲۵۶) اور حمید (۶۲) میں ذکر کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل شعر میں مذکور ہیں (تاریخ بن کثیر)

كَانَ الْبُخَارِيُّ حَافِظاً وَمُحَدِّثاً جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيْرِ

مِيلَادُهُ صِدْقٌ وَمُدَّةُ عُمْرِهِ فِيْهَا حَمِيْدٌ وَانْقَضى فِيْ نُوْرٍ

وُلِدَ فِيْ صِدْقٍ، صدق کے حروف ابجد ۱۹۴ ہیں یعنی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی عَاشَ حَمِيْداً حمید کے الفاظ ۶۲ ہیں یہ عمر پائی مَاتَ فِيْ نُوْر، نور کے الفاظ ۲۵۶ ہیں ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

محمد بن آدم محدث ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے ہیں میں نے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں فرمایا کہ محمد بن اسماعیل بخاری آرہا ہے میں اس کے استقبال کے لیے جا رہا ہوں فرماتے ہیں کہ جب وفات کا پتا چلا تو تحقیق کی تو جو وقت خواب کا تھا وہی وقت وفات کا تھا۔

رحمه الله رحمة واسعة واسكنه فی بحبوبة الجنة آمین۔

اسم کتاب صحیح بخاری شریف

جامع بخاری کا پورا نام اَلْجَامِعُ الصَّحِيحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَسُنَنِهٖ وَاَيَّامِهٖ۔

(۱) جامع وہ کتاب ہے جو درج ذیل آٹھ قسم کی احادیث پر مشتمل ہو۔

سِیَرْ، اداب، تفسیر، عقائد، فتن، اشراط، احکام و مناقب

(۲) صحیح کی قید سے ضعاف خارج ہو گئیں۔

(۳) مسند یعنی المرفوع متصل اس قید سے احادیث معلقہ و آثار مرفوعہ خارج ہو گئے تو امام بخاریؒ کا اصل مقصود تو احادیث مرفوعہ متصلہ کا لانا ہے لیکن تائید و متابعت کے لیے کبھی ضمناً احادیث معلقہ اور آثار مرفوعہ بھی تعلیقاً کر کر دیتے ہیں۔

اس طرح احادیث مسندہ کے سیاق اور آثار صحابہ و تابعین کے سیاق میں فرق کر دیا تا کہ مقصود اور غیر مقصود اور اصل و فرع میں امتیاز ہو جائے۔

(۴) **من امور رسول اللہ ﷺ یعنی قولہ وفعلہ وتقریرہ**

یہ مسند کا بیان ہے کیونکہ کبھی مسند کا اطلاق متصل موقوف پر بھی ہوتا ہے تو اس قید سے واضح ہو گیا کہ یہاں متصل مرفوع مراد ہے۔

(۵) **وسننہ یعنی احکامہ الفقہیۃ** آپؐ کے فقہی احکام

(۶) **وایامہ یعنی مغازیہ** (علیہ السلام) آپ ﷺ کے غزوات مراد ہیں۔

صحیح بخاری کی وجہ تالیف

دوسری صدی ہجری میں احادیث کی جو کتابیں لکھی گئیں وہ مسانید اور مصنفات ہیں جیسے مسند امام اعظم ابو حنیفہؒ، مؤطا امام مالکؒ، مسند امام احمد ابن حنبلؒ، مصنف عبد الرزاق، مصنف عبد الرزاق ابی شیبہؒ وغیرہ۔

یہ کتابیں زیادہ تر طویل تھیں اور ان میں ہر طرح کی روایات صحیح حسن ضعیف وغیرہ تھیں ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔

تیسری صدی ہجری شروع ہوئی تو اختصار اور انتخاب کا طریقہ شروع ہوا ایک مرتبہ امام بخاریؒ کے استاد امام اسحاق ابن راہویہؒ کی مجلس میں کسی شخص نے کہا کہ آپ احادیث مبارکہ کی کوئی ایسی کتاب لکھ دیتے جو مختصر بھی ہوتی اور صحیح احادیث پر مشتمل بھی ہوتی تا کہ لوگوں کا استفادہ آسان ہو تا بس یہ بات امام بخاریؒ کے دل میں اتر گئی اور ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ فرمالیا۔

تائید غیبی

امام بخاری ؒ کے اس ارادے کو تائید غیبی کے ذریعے اور پختگی مل گئی کہ آپ ؒ نے خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ ؒ پنکھے کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے چہرے سے مکھیاں اڑا رہے ہیں امام بخاری ؒ نے اس خواب کی تعبیر ایک معبر سے پوچھی انہوں نے کہا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے کذب اور جھوٹ کو دور کریں گے بس اس کے بعد امام بخاری ؒ نے بخاری شریف لکھنے کا کام شروع فرما دیا۔

سن تالیف اور مدت تالیف

امام بخاری ؒ نے بخاری شریف سولہ سال کی مدت میں لکھی ۲۱۷ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی اور ۲۳۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی جب تالیف شروع ہوئی اس وقت امام بخاری ؒ کی عمر تئیس سال تھی۔

امام بخاری ؒ نے بخاری شریف سفر و حضر میں لکھی ابتداء حرم مکہ سے فرمائی پھر عالم اسلام میں جہاں بھی سفر ہوئے اس کی تالیف فرماتے رہے اور تراجم الابواب مدینہ شریف میں ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر لکھے۔

اس طرح اس کتاب میں حرمین شریفین کے انوار و برکات اور عالم اسلام کے مختلف خطوں کا فیضان شامل ہے پھر یہ کتاب امام احمد بن حنبل ؒ، علی بن المدینی اور یحییٰ بن معین پر پیش کی انہوں نے سوائے چار حدیثوں کے سب کو صحیح کہا لیکن اس میں بھی محدثین کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کا فیصلہ درست ہے۔

طریقہ تالیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے احادیث مبارکہ درج فرمائی ہیں کسی بھی حدیث کو منتخب کرنے کیلیے طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے اس حدیث کو اپنی وضع کردہ شرائط پر رکھتے پھر جب وہ اس پر پوری اترتی تو غسل فرماتے خوشبو لگاتے اور دو رکعت صلوٰۃ الاستخارہ پڑھتے پھر جب خوب انشراح قلبی ہو جاتا تو اس حدیث کو درج فرماتے اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ؒ نے گویا کہ براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے احادیث حاصل کی ہیں۔

تعداد روایات

(۱) ایک قول کے مطابق تکرار کے ساتھ سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) روایات اور بغیر تکرار کے چار ہزار (۴۰۰۰) روایات ہیں۔

(۲) دوسرے قول کے مطابق تکرار کے ساتھ آٹھ ہزار نواسی (۸۰۸۹) روایات اور بغیر تکرار کے چار ہزار (۴۰۰۰) روایات ہیں۔

بخاری شریف کی قبولیت

امام بخاری ؒ نے کتاب تصنیف کرنے کے بعد تین عظیم محدثین کو پیش کی اور یہ تینوں ہی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں امام احمد بن حنبل، علی ابن مدینی اور یحییٰ ابن معین انہوں نے سوائے چار حدیثوں کے باقی سب کو صحیح قرار دیا اور تحسین کی لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ ان چار حدیثوں میں بھی بخاری کی رائے راجح ہے۔

یہ کتاب امام بخاری کی زندگی میں ہی اس قدر مقبول ہوئی کہ نوے ہزار انسانوں نے براہ راست امام بخاری سے بخاری شریف سنی۔

ابوزید مروزی جو بڑے محدث اور عالم ہیں فرماتے ہیں کہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان سویا ہوا تھا خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوزید تو کب تک امام شافعی ؒ کی کتاب کا درس دیتا ہے کا میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتے؟ (ابوزید اس وقت امام شافعی کی کتاب کتاب الام کا درس دیتے تھے) میں نے عرض کیا کہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صحیح بخاری۔

بخاری شریف کے علاوہ بھی بخاری نے بہت سی یادگار تصانیف چھوڑیں جن میں **قضایا الصحابة والتابعین، التاریخ الکبیر، الادب المفرد، جزء القرءة خلف الامام، جزء رفع الیدین** وغیرہ۔

بخاری شریف کے راوی

امام بخاری ؒ سے اگرچہ ہزاروں آدمیوں نے سنا تھا لیکن چار شاگردوں سے روایت کا سلسلہ بڑھا جن میں زیادہ مشہور اور جن کا نسخہ سب سے زیادہ متداول ہے وہ محمد بن یوسف فربری ہیں جنہوں نے دوبار امام صاحب سے بخاری کی سماعت کی ہے۔

ایک مرتبہ اپنے وطن فربر میں اور دوسری مرتبہ بخارا جا کر علو سند کی وجہ سے ان کی روایت زیادہ شائع و مشہور ہے۔

شروحات

بخاری شریف کی بے شمار شروحات لکھی گئیں جن میں چند مشہور یہ ہیں۔

۱۔ "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" یہ سراج الدین ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ "ابن الملقن" (المتوفی ۸۰۴ھ) کی ہے۔ یہ شرح ۳۶ جلدوں میں ہے۔

۲۔ "فتح الباری" یہ شیخ الاسلام ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) کی ہے۔

۳۔ "عمدۃ القاری" یہ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) کی ہے۔

۴۔ "ارشاد الساری" یہ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ) کی ہے اور یہ مذکورہ بالا دونوں شروحات کی تلخیص ہے۔

۵۔ "منحۃ الباری شرح صحیح البخاری" یہ شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری الشافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے (المتوفی ۹۲۶ھ)

۶۔ "عون الباری بحل ادلۃ البخاری" یا السید العلامہ محمد صدیق حسن خان القنوجی البخاری ؒ (المتوفی ۱۳۰۸ھ) کی ہے یہ شرح ۱۰ جلدوں میں ہے۔

۷۔ "فیض الباری" یہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ کے افادات ہیں جو ان کے تلمیذ رشید مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی ؒ نے عربی میں جمع کیے ہیں۔

۸۔ "لامع الدراری" یہ حضرت قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کی تقریر ہے جو مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ؒ نے جمع کی ہے۔

۹۔ "الکنز المتواری" یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ کے تلامذہ نے ان کی مختلف تقاریر بخاری کو عربی میں ضبط کیا ہے یہ ۲۵ جلدوں میں ہے۔

۱۰۔ "تحفۃ الباری" یہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کی ہے، بہت بہترین شرح ہے عربی میں ہے بیس جلدوں میں ہے پہلے پہلی دوسری اور بیسویں جلدیں شائع ہوئی تھیں اب ان کے ورثاء تمام جلدیں شائع کر رہے ہیں۔

۱۱۔ "انوار الباری" یہ حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ کی تقریر ہے جو بیس جلدوں میں ہے اردو میں ہے۔

۱۲۔ "فضل الباری" یہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ کی تقریر ہے اردو میں ہے۔

حواشی

بخاری شریف کے دو حاشیے بہت مشہور ہیں (۱) حاشیہ مولانا احمد علی محدث سہارنپور جس کی تکمیل قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے کی۔

(۲) دوسرا امام ابوالحسن نور الدین محمد بن عبد الہادی ٹھٹھوی سندھی ثم المدنی (المتوفی ۱۱۳۸ھ) کا ہے یہ دونوں حاشیے برصغیر میں مطبوعہ بخاری پر چھپے ہوئے ہیں۔

تراجم الابواب

"تراجم الابواب" کیا چیز ہے یہ بڑی اہم بات ہے یہ اتنے اہم ہیں کہ بخاری شریف میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں تراجم الابواب ترجمۃ الباب کی جمع ہے بابؒ کے بعد سے لے کر حدثنا تک جو عبارت ہوتی ہے اس کو ترجمۃ الباب کہتے ہیں اور حدثنا کے بعد جو حدیث ہے اس کو "مابہ الترجمۃ" کہتے ہیں اور اردو میں "عنوان" کہتے ہیں سب سے مشکل تراجم الابواب بخاری شریف کے ہیں اور سب سے آسان ترمذی شریف کے ہیں۔

امام بخاری کا طرز یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں کبھی اپنی عبارت لاتے ہیں تو کبھی قرآن پاک کی آیت لاتے ہیں کبھی حدیث کا ٹکڑا کبھی کسی صحابی کا قول، کبھی تابعی کا، کبھی تبع تابعی کا قول ذکر کرتے ہیں اور کبھی باب بلا ترجمہ ہی لے آتے ہیں اس کی وجہ انشاء اللہ اس کے مقام پر بیان کر دی جائے گی یعنی باب ہوگا اور اس کا ترجمہ یا عنوان ذکر نہیں کرتے۔

شراح ومحدثین نے بخاری شریف کی احادیث کی شرح کا حق تو ادا کر دیا ہے مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدرالدین عینیؒ وغیرہ نے لیکن شراح نے ترجمۃ الباب کا حق ابھی تک ادا نہیں کیا اس لیے اس کے حل کے لیے ہمارے علماء نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں حضرت شیخ الہندؒ نے تراجم الابواب پر ایک رسالہ لکھا ہے شاہ ولی اللہؒ کا تراجم الابواب پر رسالہ کتاب کے شروع میں صفحہ ۳ پر لکھا ہوا ہے اسی طرح شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے تراجم الابواب پر ایک شرح لکھی ہے۔

فقه البخاری فی تراجمہ کا مطلب

محدثین کے ہاں یہ جملہ مشہور ہے "فقه البخاری فی تراجمه" اس کے دو معنیٰ ہیں۔

(۱) امام بخاریؒ کے فقہی مسلک کا تراجم الابواب سے پتا چلتا ہے۔

(۲) امام بخاریؒ کی دقت نظر، باریک بینی، عقل و فہم کی بلندی کا اندازہ ان کے تراجم ابواب سے ہوتا ہے کہ بعض اوقات چھوٹی سی مناسبت سے حدیث بیان کر دیتے ہیں ترجمۃ الباب میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ترجمۃ الباب اور ما به الترجمه کے درمیان مطابقت اور مناسبت کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الوحی

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم الجعفی البخاری رحمہ اللہ

تقریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ

جلیل احمد اخون صاحب دامت برکاتہم

جامع العلوم عید گاہ بہاول نگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی تواتر آلائہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ واولیآئہ اجمعین

باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وقول اللہ عزوجل انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (النساء:۱۶۳)

باب رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول کس طرح ہوا اور خداوند قدوس کا یہ فرمان کہ ہم نے آپ پر وحی کا نزول اسی طرح فرمایا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام پر فرمایا تھا۔

نمبر۔۱۔ حدیث انما الاعمال بالنیات

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحییٰ بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

ترجمہ:

حمیدی نے بیان فرمایا کہ ہم سے سفیان بن یحییٰ بن سعید انصاری نے روایت کرتے ہوئے فرمایا انہوں نے کہا کہ مجھے ابراہیم تیمی نے خبر دی کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی چیز دی جائے گی جو اس کی نیت میں ہے پس جس کی ہجرت حصول دنیا کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہو تو اس کی ہجرت (اپنی نیت کے مطابق) اسی کی طرف ہوگی۔

ابتدا بالتسمیہ کی وجہ

امام بخاری ؒ نے اپنی کتاب کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے لیکن تحمید نہیں لائے جبکہ اس بارے میں دو حدیثیں ہیں ایک حدیث میں آتا ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ فِیْہِ بِبِسْمِ اللہِ فَھُوَ اَبْتَرُ اور ایک روایت میں فَھُوَ اَجْزَمُ ہے۔

ہر جائز کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہے بے برکت ہے یا کوڑھی کی مانند ہے جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے "كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَءْ فِيْهِ بِحَمْدِ اللهِ فَهُوَ اَقْطَعُ. جو بغیر الحمد للہ کے کام شروع ہو وہ ناقص ہے امام بخاریؒ نے تسمیہ والی حدیث پر عمل کیا ہے لیکن تحمید والی حدیث پر عمل نہیں کیا۔

تحمید اور خطبہ ذکر نہ کرنے کی وجوہات

امام بخاریؒ نے تحمید اور خطبہ ذکر نہیں کیا اس کی کئی وجوہات ہیں

(۱) اس میں امام بخاریؒ نے قرآن مجید کی اتباع کی ہے سورہ اقراء میں ہے اقرأ باسم ربك الذی خلق (العلق:۱) اس میں تسمیہ کا بیان ہے تحمید کا نہیں ہے۔

(۲) خطبہ خطاب کے شروع میں ہوتا ہے اور یہ کتاب اہل علم کی طرف ایک خط اور رسالہ ہے خطاب نہیں ہے چنانچہ ایک اعرابی نے آپ ﷺ کی موجودگی میں خطاب کیا اور تحمید و تشہد نہیں کہا تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کل امر ذی بال لم یبدء بحمد اللہ فھو اقطع

(۳) پیغمبر علیہ السلام کی سنت کی اتباع کی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے جتنے بھی خطوط اور رسائل ہیں ان میں بسم اللہ ہے الحمد للہ نہیں ہے امام بخاریؒ نے بھی یہ امت کے لیے حضور اقدس ﷺ کی حدیثوں کا خط لکھا ہے کیونکہ یہ تحریر ہے کوئی خطاب نہیں ہے آپ ﷺ کے خطبوں میں تحمید ہے خطوط میں تحمید نہیں بلکہ تسمیہ ہے صلح حدیبیہ اور دوسرے صلح ناموں اور خطوط کی تحریروں میں تسمیہ ہے تحمید نہیں ہے۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کی اتباع کی ہے جو قرآن مجید میں ہے اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل:۳۰)۔

(۵) بسم اللہ ہو یا الحمد للہ دونوں سے مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے بسم اللہ لے آئے تو اس میں بھی تحمید ہے الرحمن الرحیم میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اس لیے امام بخاریؒ الگ سے تحمید نہیں لائے۔

(۶) یک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ تسمیہ اور حمد زبان سے کہنا اصل ہے تحریر ہو یا نہ ہو ہو سکتا ہے امام بخاریؒ نے زبان سے ادا کر دی ہو جیسے امام احمد بن حنبلؒ حدیثوں میں آپ کے نام کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھتے تھے زبان سے کہہ دیتے تھے۔

(۷) ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اپنے زمانے کے مشائخ کی اقتداء کی ہے کیونکہ ان سے پہلے جو کتابیں لکھی گئیں جیسے مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق یا موطا امام مالک ہے اور امام بخاری کے دور میں لکھی گئیں جیسے

سنن ابی داؤد ان سب میں صرف بسم اللہ سے ابتداء ہے توامام بخاری نے اپنے مشائخ اور ہم عصروں کی کتب کی اتباع کی ہے۔

(۸) حمدوالی جوروایت ہے وہ امام بخاری ؒ کی شرط پر نہیں ہے یا منسوخ ہے۔

(۹) بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے جیسے صاحب حواشی نے بھی لکھا ہے کہ امام بخاری نے لکھا تھا لیکن ناقلین سے نسخہ نقل کرتے ہوئے وہ خطبہ ساقط ہو گیا۔

(۱۰) یہ توجیہ مولانا محمد زکریا ؒ کا لرکاشفہ ہے اور لامع الدراری علی البخاری (تقریر گنگوہی ؒ) میں ہے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ امام بخاری ؒ مسجد نبوی میں بیٹھے ہیں اور علماء کی ایک تعداد بھی وہاں پر موجود ہے اور علماء مجھے فرمارہے ہیں کہ آپ بخاری پڑھائیں (یہ خواب حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا ؒ مسجد نبوی میں ہی دیکھ رہے ہیں) میں نے عرض کیا کہ میں امام بخاری کی موجودگی میں پڑھانے والا کون ہوتا ہوں امام بخاری ؒ نے فرمایا آپ پڑھائیں کوئی بات نہیں تو میں نے ترک خطبہ پر یہ توجیہات بیان کیں (جو ابھی اوپر ذکر کی گئی ہیں) تو امام بخاری ؒ نے سن کر فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی وجہ نہیں ہے جو تم نے بیان کی ہیں اصل میں بات یہ ہے کہ میں نے بخاری شریف کراسات یعنی کاپیوں کی شکل میں سفرو حضر میں لکھی ہے کتابی شکل میں اکٹھا کرنے سے قبل موت آگئی مجھے موقع ہی نہ ملا کہ خطبہ وغیرہ لکھتا (اور خطبے کا اصول بھی یہی ہے کہ پہلے کتاب لکھتے ہیں پھر خطبہ میں براعۃ استہلال ذکر کرتے ہیں تاکہ کتاب کے مضامین کی طرف اشارہ ہو جائے)

لفظ بَابٌ کا اعراب

بابٌ کو تین طرح پڑھا جائے گا

(۱) وقف کے ساتھ بَابْ جیسے چیزیں شمار کرتے ہیں كِتَابْ، قَلَمْ اس وقت اس کا کوئی اعراب نہ ہو گا۔

(۲) تنوین کے ساتھ اس وقت یہ خبر ہو گی ھذا مبتدا محذوف کی ھذا بابٌ۔

(۳) اضافت کے ساتھ یعنی بابٌ مضاف بنے گا جیسے بَابُ كَيْفَ كَانَ ------ الخ تو یہاں كَيْفَ سے پہلے لفظ جَوَابٌ محذوف ہو گا تو عبارت یوں ہو گی بابُ جَوَابِ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ.............. الخ اب بھی یہ ھذا محذوف کی خبر ہے۔

بَدْءٌ کا معنی

بدء مہموز اللام ہو تو اس کا معنی ابتداء ہے یعنی وحی کی ابتدا کیسے ہوئی بعض نسخ میں بَدُوٌّ ناقص واوی ہے جس کا معنی ظہور ہے یعنی وحی کا ظہور کیسے ہوا؟ لیکن مہموز راجح ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ کے نسخے میں کیف کان ابتداء الوحی الخ ہے اس صورت میں یہی توجیہ راجح ہو گی۔

حدیث پڑھنے کا طریقہ

حدیث میں کبھی صرف لفظ "نا" ہو گا تو حدثنا پڑھیں گے اور اگر لفظ "انا" ہو تو اخبرنا پڑھیں گے حدثنا کے بعد جو راوی ہو گا وہ مرفوع ہو گا جیسے "حَدَّثَنَا الحُمَیْدِیُّ اور قَالَ" نکالیں گے اس کے بعد اگر باپ کا نام ساتھ ہو تو ابن پر بھی وہی اعراب ہو گا جو پہلے جیسے لفظ پر ہو گا یحیٰی مرفوع ہو گا تو ابن بھی مرفوع ہو گا جیسے "یحیی بنُ " اور ابن کا الف نہیں لکھا جائے گا البتہ اگر اسمائے متناسقہ یعنی باپ دادا نہ ہوں بلکہ ماں کا نام ہو تو ابن پر الف لکھا جائے گا جیسے مالک ابن بحینہ بحینہ مالک کی ماں کا نام ہے اور ابن کے بعد جو لفظ آئے گا وہ مجرور رہو گا "یحیی ابنُ سَعِیدٍ" مضاف الیہ کی وجہ سے اور ابن کا اعراب وہی ہوتا ہے جو پہلے والے اسم کا ہو پہلے والا لفظ اگر مرفوع ہے تو ابن بھی مرفوع ہو گا پہلے والا اگر منصوب یا مجرور ہے تو پھر ابن بھی منصوب یا مجرور پڑھا جائے گا۔

اَخْبَرَنِیْ بھی اسی طرح ہے محمد ابنُ اِبْرَاهِیْمَ التیمِی تیمی وصف ہے تو اس کا موصوف پہلا اسم ہو گا جیسے محمد بن ابراہیم التیمی تو محمد والا اعراب تیمی کا ہو گا۔

انّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ ابْنَ وَقّاص اللیثی اس میں سمِعَ کا فاعل محمدٌ ہے اور علقمةَ منصوب ہے تو ابن بھی منصوب ہے اور اللیثی علقمہ کے تابع ہو کر منصوب ہو گا یَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَبْنَ الخَطَّابِ

بخاری شریف کا نسخہ

ہر محدث کا نسخہ مختلف شاگردوں سے نقل ہو کر آتا ہے یہ نسخہ جو ہمارے پاس ہے یہ محمد بن یوسف فربری کا ہے یہ امام بخاری کا خاص شاگرد ہے اس نے دو مرتبہ سماعت کی ہے ایک فربر میں جب امام بخاری وہاں گئے تھے دوسری مرتبہ بخارا میں دوبارہ جا کر بخاری پڑھی ہے علوِ سند کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت معتبر ہے اکثر دنیا میں یہی نسخہ رائج ہے ان کے علاوہ تین اور شاگردوں کے نسخے بھی ہیں علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن معقل بن الحجاج نسفی، ابو محمد حماد بن شاکر بن سعریہ نسفی اور ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی بزدوی۔

باب کتاب فصل کا مطلب

باب کہتے ہیں کسی جگہ داخل ہونے کا ذریعہ جیسے باب دار، باب بیت، یہ تو لغت میں ہے یعنی باب کے معنی ہیں جس کے ذریعے مکان میں داخل ہوا جاتا ہے بلغاء اور فقہاء کے نزدیک باب کہتے ہیں مایتوصّل بِهٖ اِلی المقصود باب وہ ہے جس کے ذریعے مقصد تک پہنچتے ہیں لیکن علمی دنیا میں باب طائفةٌ مِن العِلمِ وطائفةٌ مِّنَ المَعَانِي یعنی معانی کا ایک حصہ اس کو باب کہتے ہیں اگر یہی علم کا حصہ مختلف اقسام پر مشتمل ہو تو اس کو کتاب کہتے ہیں جیسے کتاب الطہارت اس میں وضو کا بیان بھی ہے اور غسل کا

بھی پھر غسل فرض سنت اور نفل بھی ہوتا ہے اس طرح وضو میں مستحب وضو، فرض وضو کا بیان ہے اگر انسان سونے سے پہلے وضو کرے تو سنت اور اگر نماز کے لیے کرے تو یہ فرض وضو ہے اگر مختلف انواع پر طائفۃ من العلم مشتمل ہے تو اس کے لیے کتاب لاتے ہیں اور اگر ایک ہی نوع ہے تو اس کے لیے لفظ باب لاتے ہیں۔

اور اگر نوع بھی ایک ہے اور صنف بھی ایک ہے یعنی ایک ہی طرز کی چیزیں ہیں تو اس کے لیے فصل لاتے ہیں اب کتاب، باب اور فصل یہ تین چیزیں ہو گئیں کتاب آتی ہے جس میں مختلف النوع مباحث ہوتی ہیں جیسے کتاب الطہارت، کتاب الصوم اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ اور اگر ایک ہی نوع کی مباحث ہوں تو اس کے لیے باب لاتے ہیں طائفۃٌ من العلم من نوعٍ واحدٍ۔

سوال: امام بخاری "وحی پر لفظ باب لائے ہیں کتاب نہیں لائے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب (۱)

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس کے نیچے جو حدیثیں ہیں وہ ایک ہی نوع وحی کے متعلق ہیں لیکن اصناف الگ الگ ہیں لیکن آگے کتاب الایمان لائے ہیں جس میں جملہ شعب ایمان کی تفصیل ہے اسی طرح کتاب الطہارت لائے کیونکہ اس میں انواع ہی الگ الگ ہیں اس طرح کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم میں بھی انواع الگ الگ ہیں فرض نماز، نفل نماز، نفلی روزے کا بیان، فرض روزے کا بیان واجب روزے کا بیان جیسے نذر کا روزہ وغیرہ۔

اسی طرح کتاب العلم لائے اس لیے کہ علم ضروری کون سا ہے اور زائد کون سا ہے مضر اور مفید کونسا ہے لیکن وحی کے لیے لفظ باب لائے کہ اس میں صرف وحی کا بیان ہے۔

(۲) مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی کی توجیہ

دوسری توجیہ مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی (ہمارے والد صاحب ؒ) نے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے باب الوحی لا کر لفظ باب کا لغوی معنی لیا ہے کہ "باب" معنی دروازہ یعنی امام بخاری بتلانا چاہتے ہیں کہ وحی کے دروازے سے داخل ہوں گے تو جو چیز ملے گی وہ محفوظ اور مستند ہوگی اگر وحی کے دروازے سے داخل نہیں ہوں گے تو وہ غیر مستند غیر معتبر ہوگی اور بدعات میں شمار ہوگی اس لیے امام بخاری ادھر اشارہ کر رہے ہیں۔

بحث باب الوحی سے ابتداء کی وجہ

دوسری بحث یہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے اپنی کتاب کو وحی سے کیوں شروع کیا جبکہ امام مسلم ؒ نے اسناد کی بحث سے ابتدا کی ہے پھر کتاب الایمان لائے۔ امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے کتاب الطہارت سے شروع کیا، امام ابن ماجہ نے الاعتصام بالسنہ

سے شروع کیا ہے کہ سنت کو لازم پکڑ واور امام بخاری ؒ نے باب الوحی سے کیوں شروع کیا اور کتاب الایمان بعد میں لائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری ؒ سب سے پہلے وحی کی عظمت ،صداقت اور اہمیت بتلارہے ہیں کہ وحی کتنی اہم ہے کتنی عظمت والی ہے کتنی سچائی والی ہے کہ اس کی سچائی یقینی ہے اس لیے کہ حصول علم کے وحی کے علاوہ عام طور پر تین طریقے ہیں۔

(۱) "عقل" یہ بھی غلطی کرتی ہے اسی لیے عقلاء میں بھی زبردست اختلاف ہے عقلی مسائل میں فلاسفہ کا بہت اختلاف ہے۔

(۲) "مشاہدات" جیسے آنکھ دیکھتی ہے ہاتھ پکڑتا ہے لیکن یہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً بھینگا ایک چیز کو دو دیکھتا ہے ملیریا والا ایک میٹھی چیز کو کڑوا کہتا ہے ایسا بھی ہے کہ پوری دنیا کے حواس غلطی کر رہے ہیں جیسے زمین گھوم رہی ہے اور چل رہی ہے لیکن کوئی دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ چل رہی ہے بادل چاند کے اوپر سے گزر رہے ہوتے ہیں چاند بھاگتا ہوا نظر آتا ہے آپ گاڑی میں بیٹھے ہیں گاڑی چل رہی ہے تو درخت بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ بھاگتے نہیں ہیں ایک ہی جگہ کھڑے ہیں تو حواس اگر چہ ذریعہ علم ہے اس میں بھی غلطی ہے۔

(۳) تیسرا الہام اور کشف ہے یہ صوفیہ میں ہوتا ہے اس میں بھی غلطی واقع ہوتی ہے۔

امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ وحی ایک ایسی چیز ہے جو علام الغیوب کی طرف سے نازل کردہ ہے اس میں خطا اور غلطی کا احتمال نہیں ہے امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ جب تک وحی کی اہمیت کو نہیں جانو گے اس وقت تک کوئی چیز معتبر نہیں ہے اس لیے امام بخاری ؒ نے وحی کی عظمت، صداقت اور یہ کس طرح نازل ہوئی پیغمبر علیہ السلام پر اس کو بیان کیا اس کے بعد کتاب الایمان لائے کیونکہ نزول وحی کے بعد ایمان فرض ہو جاتا ہے پھر کتاب العلم لائے یعنی علم کی اہمیت بیان کی پھر اس کے بعد اعمال نماز، روزہ وغیرہ کو شروع کیا اس لیے کہ پہلے علم حاصل ہو گا تو پھر عمل کرو گے تو تمہارا عمل صحیح ہو گا ورنہ بدعت بن جائے گا کتنے ہی لوگ عمل خلاف سنت کرتے ہیں انہیں پتا ہی نہیں۔

امام بخاری ؒ نے اپنی کتاب کو وحی سے شروع کیا ہے تا کہ وحی کی عظمت، اہمیت اور صداقت کا پتا چل جائے کہ وحی لانے والا کون ہے بھیجنے والا کون ہے کس پر اور کیسے آئی تھی تا کہ کسی کو شک و شبہ نہ ہو کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے باقی جتنے بھی حصول علم کے ذرائع ہیں ان میں غلطی کا احتمال ہے لیکن وحی میں نہیں ہے کیونکہ بھیجنے والا علام الغیوب ہے جس پر آرہی ہے وہ سید الانبیاء ہیں جو لا رہا ہے وہ علمه شديد القوىٰ ـ ذومرة فاستوىٰ (النجم ۵،۶) بہت طاقتور صادق الامین، روح الامین جبرائیل علیہ السلام ان کا نام ہے اور ستر ہزار فرشتے ان کے ساتھ بطور رصد کے آتے ہیں ورنہ اکیلے جبرائیل ہی کافی تھے لیکن عظمت و اعزاز اور بہت زیادہ حفاظتی حصار میں آرہی ہے اس لیے امام بخاری ؒ نے اپنی کتاب کو باب الوحی سے شروع کیا ہے۔

کَیْفَ

کیف سوالیہ ہے اور یہ سوال ہے کہ وحی کیسے شروع ہوئی اور کبھی کَیْفَ کا لفظ سوال کی بجائے عظمت کے لیے بھی آتا ہے یعنی کس چیز کی بڑائی بیان کرنے کے لیے وہاں سوال نہیں بلکہ کَیْفَ کا مقصد اس چیز کی ہمیت و عظمت کو بیان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی بڑا عالم ہو تو کہا جاتا ہے کیف یطاق کیا اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو یہاں اس کی عظمت بیان کی جا رہی ہے کہ بہت بڑا آدمی ہے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا یہاں پر بھی کَیْفَ کے بارے میں محدثین کے دو نظریے ہیں بعض کہتے ہیں کہ کَیْفَ سوالیہ ہے اور امام بخاری سوال کا جواب دے رہے ہیں تقدیر عبارت یہ ہے باب جواب کیف کان بدء الوحی اور دوسرا امام بخاری کَیْفَ سے عظمت بیان کر رہے ہیں کہ وحی بڑی عظمت والی چیز ہے کہ وحی کی کیسے کیسے ابتداء ہوئی جیسے ہم کہتے ہیں کہ کیسے کیسے میں اس کی شان گنواؤں تو یہاں کَیْفَ سوالیہ نہیں بلکہ عظمت بیان کرنے کے لیے ہے۔

کان بدؤ

اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں بدءٌ ابتداء سے یا بَدُوٌّ ظہور بَدَی یَبْدُو کسی چیز کا ظاہر ہونا و بدا لھم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون (الزمر:۴۷) ایسی چیز ظاہر ہو گئی جس کا ان کو گمان بھی نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ ایسا ہو جائے گا جیسا شیطان کے ساتھ ہوا۔

شیطان سے ایک بزرگ نے کہا کہ تو نے کیسے جرأت کر لی اللہ تعالیٰ کے سامنے تو اس نے یہ آیت پڑھی "وبدا لھم من اللہ... الخ" مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ اتنا بڑا معاملہ ہو جائے گا کیونکہ شیطان کا اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ آنا جانا ہو گیا تھا تو وہ جری اور بے باک ہو گیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "لم یلد ولم یولد (اخلاص:۳)" میں نہ کسی کا باپ نہ کسی کا بیٹا میری کسی سے رشتہ داری نہیں اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے پیغمبر اور فرشتے بھی ڈرتے ہیں جبرائیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا میں نے تجھے کیسا بنایا تجھے رسول بنایا میرا علم تیرے ذریعے منتقل کیا انبیاء و رسل پر عرض کیا اللہ تعالیٰ میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میں آپ کی صفت صمدیت سے ڈرتا ہوں آپ بے نیاز ہیں اور تھر تھرانے لگے فرمایا ہاں ایسا ہی رہنا۔

"بُدُوٌّ" بدا یبدا سے ہے اس کا معنی ہے ظہور کیف کان بدؤ الوحی وحی کا ظہور کیسے ہوا وحی کیسے شروع ہوئی لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی کے نسخہ میں ابتداء الوحی ہے لہذا مہموز اللام کو ترجیح حاصل ہے۔

وحی کا لغوی معنی

وحی کہا جاتا ہے لغت میں "الاشارۃ السریعۃ" تیز ترین اشارہ کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے یا "الاعلامُ فی خفاءٍ" کسی کو خفیہ

اطلاع دینا۔

وحی کا اصطلاحی مفہوم

وحی کا اصطلاحی معنی ہے "ھُوَ کلام اللہ تعالیٰ المنزل علی نبی من الانبیاء "اللہ تعالیٰ کا کلام جو کسی نبی پر نازل ہوا ہو اس کو وحی کہتے ہیں۔

وحی کی اقسام

وحی کی تین قسمیں ہیں "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِن وَرَاء حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (الشوریٰ ۵۱) کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے "وحیاً او مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ او یُرْسِلَ رَسُولً " یہ تین طریقے وحی کے ہیں وحیاً کہ اللہ جل شانہ نبی کے دل میں بات ڈال دے "اومن وراء حجاب" یا پردے کے پیچھے براہ راست کلام فرمائیں جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوتے تھے "او یُرْسِلَ رسُولاً" یا فرشتے کے ذریعے وحی آئے قرآن مجید میں وحی کے یہ تین طریقے بیان کیے گئے ہیں چوتھا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

سیرت ابن ہشام جو سب سے پہلے سیرت کی کتاب لکھی گئی اس کی شرح (الروض الانف) میں علامہ سہیلی نے پیغمبر علیہ السلام کی سیرت بیان کی ہے اور اس میں انہوں نے وحی کی سات صورتیں بیان کی ہیں یہ سات صورتیں ان تین مذکورہ قسموں میں ہی ہیں ان تینوں کی جو صورتیں تھیں وہ سات قسم پر آئی ہیں۔

(۱) فی المنام

نبی علیہ السلام کا خواب وحی ہوتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے فرمایا انی رأیت احد عشر کوکبا (یوسف:۴) اور ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا انی اری فی المنام انی اذبحك (الصفت: ۱۰۲) اس طرح پیغمبر علیہ السلام نے بھی کئی مرتبہ خواب دیکھا۔

(۲) صلصلة الجرس کی صورت میں

گھنٹی کی آواز کی صورت میں فرشتہ وحی لاتا تھا کما فی البخاری احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس۔

(۳) النفخ فی الروع

(دل میں بات ڈال دینا) اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں جیسے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان اللہ نفح فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا۔

(۴) الملك فی صورۃ الرجل

(۴) چوتھی قسم یہ کہ فرشتہ انسانی شکل میں وحی لے کر آئے جیسے دحیہ کلبی کی شکل میں جبرائیل علیہ السلام آتے تھے۔

(۵) جبرئیل علیہ السلام فی صورتہ الاصلی

(۵) پانچویں قسم یہ کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئے جیسے جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے وجود سے افق بھرا ہوا ہے اور چھ سو پر کھولے ہوئے ہیں جن سے ہیرے موتے جھڑ رہے ہیں۔

(٦) من وراء حجاب

(٦) چھٹی قسم یہ ہے کہ پردے کے پیچھے سے اللہ تعالیٰ گفتگو فرمائیں جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ہوتی تھی اور پیغمبر علیہ السلام سے معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے گفتگو کی زیارت ایک مرتبہ ہو گئی پھر اس کے بعد حجاب کے پیچھے سے گفتگو ہوتی رہی۔

(۷) وحی بواسطہ اسرافیل علیہ السلام

(۷) ساتویں قسم یہ کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لائیں جیسے ان دنوں میں جب تین سال کے لیے وحی منقطع ہوئی تو حضرت اسرافیل علیہ السلام تسلی دینے کے لیے آتے تھے آپ ﷺ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کے لیے چلے جاتے تو اسرافیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے کہ آپ فکر نہ کریں اور وحی کا ایک دو لفظ لاتے جس سے آپ ﷺ کو تسلی ہو جاتی۔ اسی طرح ملک الجبال بھی کبھی ظاہر ہوتے اور تسلی دیتے۔

وحی کی دیگر اقسام

وحی کی متلو اور غیر متلو ہونے کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں متلو جس کی تلاوت نمازوں میں کی جاتی ہے قرآن مجید اور غیر متلو احادیث مبارکہ امام بخاری کا مقصود وحی غیر متلو کا بیان ہے یعنی احادیث مبارکہ۔ احناف کے نزدیک وحی کی دو اور قسمیں بھی ہیں۔

(۱) وحی ظاہری (۲) وحی باطنی

یہ تمام مذکورہ اقسام وحی ظاہری کی ہیں وحی باطنی وہ ہے کہ پیغمبر اجتہاد کرتا ہے کوئی اپنی طرف سے فیصلہ کرتا ہے اگر وہ فیصلہ برقرار رہے تو وہ بھی وحی بن جاتا ہے اگر غلطی ہو تو اللہ تعالیٰ منع فرما دیتے ہیں لہذا باطنی وحی میں ابتداً تو غلطی کا احتمال ہے لیکن انتہا میں نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو برقرار رکھا تو یہ وحی کا حکم ہو گا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برقرار نہ ہوا تو یہ وحی نہیں ہو گی۔

وحی اور ایحاء میں فرق

وحی کا لفظ غیر نبی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا مگر ایحاء (باب افعال سے اوحیٰ کا مصدر) کا لفظ غیر نبی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے قرآن پاک میں نحل، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور شیاطین کے لیے ایحاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ وَاَوحیٰ رَبُّكَ اِلَى النحل الخ (النحل:۶۸) ۲۔ واوحیناً اِلیٰ اُمِّ مُوسٰی (القصص:۷) ۳۔ وان الشیٰطین لیُوحُونَ اِلیٰ اولیآئِهِم --------- الخ (الانعام:۱۲۱)

یہاں یہ القاء اور الہام کے معنیٰ میں ہے یعنی دل میں بات ڈالنا اس طرح یوں کہنے سے کہ فلاں نے میری طرف وحی کی ہے تو بوجہ دعویٰ نبوت کافر ہو جائے گا۔

رسول اور ارسال میں فرق

لفظ رسول غیر نبی کے لیے استعمال نہیں ہوتا ارسال غیر نبی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے "انا اَرْسَلْنَا الشیٰطین علی الکافرینَ الخ (مریم:۸۳) اور ہم شیاطین کو کافروں پر مسلط کرتے ہیں تو وہ ان کو ہلاتے جلاتے رہتے ہیں جیسے آج کل کے کفار کو کہا تھو اور افغانستان پر حملہ کرو عراق پر حملہ کرو اس طرح لفظ نبی غیر نبی کے لیے استعمال نہیں ہوتا لیکن انبأ کا لفظ غیر نبی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللهُ ... ... الخ (التحریم:۳)

قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (التحریم:۳)

اِلیٰ رَسُولِ اللہ ﷺ

یہ قید اس لیے ذکر کی ہے کہ یہ اس وحی کا بیان ہے جو نبی علیہ السلام پر آتی ہے نہ کہ عام ہے اس لیے اِلیٰ رسولِ اللہ کا لفظ لائے ہیں۔

آیت کی وجہ انتخاب

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (النساء:۱۶۳)

امام بخاری ترجمۃ الباب میں آیت لائے ہیں پہلا سوال یہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے اس آیت کو کیوں اختیار فرمایا حالانکہ وحی کا تذکرہ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر ہے لیکن خاص طور پر اس کو کیوں اختیار فرمایا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں وحی کی اقسام پر سب سے جامع آیت یہی ہے جس میں بڑے بڑے پیغمبروں کا بیان ہے اس لیے امام بخاری نے اختیار فرمایا ہے کہ یہ جامع آیت ہے اور اس میں حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کا بیان اور اقسام بھی ہیں **وکلم الله موسیٰ تکلیما** (النساء:۱۶۴) اس آیت کو مفسرین نے اَجْمَعُ آیت فی اقسام الوحی لکھا ہے کہ وحی کی اقسام میں جامع آیت یہی ہے کیونکہ وحی کی اقسام کو بیان کرنا تھا اس لیے اس آیت کا اختیار فرمایا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں پیغمبر علیہ السلام کی وحی کو نوحؑ و رباقی انبیاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس تشبیہ کی وجہ کیا ہے؟ حضرت والد صاحب ؒ(مفتی نیاز محمد ؒ) فرماتے تھے کہ اس میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے کہ ہونا یہ چاہیے تھا آدم علیہ السلام سے تشبیہ دیتے کہ پہلے نبی ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں وجہ ترجیح موجود ہے لیکن حضرت نوح علیہ السلام جو درمیان میں ہیں ان سے تشبیہ کیوں دی؟

جواب نمبر ا ہمارے والد صاحب ؒ(مفتی نیاز محمد ؒ) اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے اس لیے شروع کیا کہ دنیا کے موجودہ جو لوگ ہیں ان سب کے باپ نوح علیہ السلام ہیں اسی لیے ان کو ابو ثانی کہتے ہیں کیونکہ دنیا کے لوگ ان کے تین بیٹے حام، سام، اور یافث کی اولاد ہیں ان سے پوری دنیا پھیلی ہے کشتی میں کل اسی (۸۰) جوڑے تھے جن میں سے کسی سے اولاد نہیں پھیلی صرف ان تین بیٹوں سے پھیلی ہے۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کافی مدت پہلے بچے پیدا ہونا بند ہو گئے تھے تا کہ معصوم بچوں پر کوئی عذاب نہ آئے۔

ہم سب ہندوستان سے لے کر چین کی پٹی تک یافث کی اولاد ہیں اور عربوں کی ساری پٹی تا یورپ کے گورے بھی اس میں داخل ہیں یہ حام کی اولاد ہیں اور کالے یہ سب سام کی اولاد ہیں۔

سب نسل انسانی نوح علیہ السلام سے چلی ہے اس لیے ان سے تشبیہ دی ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں جو تھے وہ سب ختم ہو گئے تھے ان میں سے کوئی بچا ہی نہ تھا اس لیے فرمایا" انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح (النساء:۱۶۳)

جواب نمبر ۲ دوسرا جواب ابن حجر عسقلانیؒ اور بدر الدین عینیؒ کا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ وہ پہلے نبی مرسل ہیں نبی مرسل اسے کہتے ہیں جو بشیر اور نذیر دونوں اوصاف رکھتا ہو کہ بشارت بھی ہو اور نذارت بھی ہو جو اپنوں کو بشارت سنائے اور غیروں کو ڈرائے۔

نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو ایک شریعت اور باقاعدہ صحیفے دیے گئے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کو نافذ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی شریعت کی وحی آئی لیکن اتنا فرق ضرور رہے کہ ہم پر احکام شریعت نرم ہیں پہلوں پر سخت تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے نوح اول نبی ارسل الی قومہٖ نوح پہلے نبی ہیں جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔

بشیر و نذیر صفات کا حامل

رسول اس کو کہتے ہیں جو بشیر اور نذیر دونوں ہو اور اس کو کفر کے خلاف آواز بلند کرنے اور جہاد کا فریضہ سونپا جائے سب سے پہلا کفر جس رسول و پیغمبر کے دور میں آیا وہ نوح علیہ السلام ہیں جن کے دور میں لوگوں نے اپنے بزرگوں سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ کے بت بنا کر پوجنا شروع کر دیے تھے جب کہ پہلے انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے دور میں کفر نہیں تھا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام بتاتے تھے اور لوگ عمل کرتے تھے پھر جب پہلی مرتبہ روئے زمین پر کفر پھیلا تو اس کو مٹانے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اسی لیے آپ پہلے رسول ہیں جیسا کہ شفاعت کبریٰ والی حدیث میں آیا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے "اَنْتَ اَوَّلُ الْمُرْسَلِیْنَ" کہ آپ پہلے رسول ہیں ہماری سفارش کیجیے تو آپ کہیں گے نفسی نفسی تو چونکہ نوح علیہ السلام اول رسول ہیں اور آپ علیہ السلام بھی رسول ہیں "قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (المدثر: ۲ تا ۴) اور نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کی قوم کو مخالفت کی وجہ سے عذاب ہوا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی قوم بھی تباہ ہوگی آپ کی مخالفت کی وجہ سے چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ بدر اور احد میں کفار مارے گئے حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں رسولوں سے اور قابیل کی نسل سے چھٹے نمبر پر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول ہیں تو یہ رسالت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب نمبر ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ کفر کو ختم کرنے کے لیے پانچ اولوالعزم پیغمبر آئے جن میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آخر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے دو پیغمبر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں اور دو بیٹے کی حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ باپ لگتے ہیں اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بیٹے ہیں کیونکہ حضرت آسیہؓ کا نکاح قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آسیہ کے منہ بولے بیٹے ہیں اور حضرت مریمؑ کا نکاح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا اس لیے کہ نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں پہلے نبی ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو ان کی وحی سے تشبیہ دی۔

جواب نمبر ۴: ایک اور توجیہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ پوری دنیا کا عالم یہ ایک انسان کی طرح ہے انسان عالم صغیر ہے اور دنیا عالم کبیر ہے انسانیت پر تین مرحلے آتے ہیں پہلا بچپن ہوتا ہے پھر جوانی آتی ہے اور اس کے بعد بڑھاپا آتا ہے اور عالم انسانیت پر بھی تین زمانے آئے ہیں ایک آدم علیہ السلام سے لے کر نوحؑ تک

دوسرا نوحؑ سے لے کر ابراہیمؑ تک اور تیسرا ابراہیمؑ سے لے کر آپ ﷺ تک کا زمانہ۔

انسان جب بچہ ہوتا ہے تو اس کو کھانے پینے رہنے سہنے کے آداب سکھائے جاتے ہیں علمی باتیں نہیں سکھائی جاتیں جب جوان ہوتا ہے تو پھر اس کو تعلیم دی جاتی ہے اس کی بے قاعدگی پر سختی کی جاتی ہے اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی خطاؤں پر بھی اکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک کا زمانہ یہ بچپن کا زمانہ ہے اس میں زیادہ تر جو وحی آتی تھی وہ کھانے پینے، رہن سہن وغیرہ کی وحی ہوتی تھی۔

آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہوں نے ہل چلایا اور کھیتی کاٹی ہے تھوڑا بہت ذکر اذکار تھا کہ ایک آدھ نماز پڑھ لیا کرو جیسے بچے کو کہتے ہیں کہ بیٹا کلمہ پڑھو وغیرہ۔

نوح علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ شباب کا زمانہ ہے اس زمانے میں بڑی سختی کی گئی ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا چنانچہ قوم عاد کو دیکھو قوم ثمود کو دیکھو اللہ جل شانہ نے کیسے تباہ برباد کر دیا دورانِ شباب کوئی خطا کرے تو کوئی بھی معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا اور حضرت نوحؑ کے زمانے سے شریعت کا نزول ہوا احکام نازل ہوئے شریعت کا لوگوں کو پابند کر دیا گیا نماز روزہ دیگر عبادات فرض ہوئیں نافرمانی پر تباہ کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آج تک کا زمانہ بڑھاپے کا زمانہ ہے اس میں جو وحی آئی وہ بھی شریعت کی تھی لیکن احکام نرم رکھے گئے اور زیادہ تر معافی دی گئی اسی دور میں بڑے بڑے فلاسفر پیدا ہوئے کیونکہ بوڑھے کی عقل زیادہ کام کرتی ہے اگرچہ عمل میں کمزور ہوتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام کی وحی سے تشبیہ دی کیونکہ یہاں سے شریعت شروع ہو رہی

سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی داڑھی میں سفید بال آیا اس سے پہلے کوئی بوڑھا نہیں ہوتا تھا سفید بال آتے ہی نہیں تھے جب آئینہ دیکھا تو گھبرا گئے **یارب ماھذا** اے میرے رب یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ھذا وقار المؤمن** یہ وقار ہے عرض کیا **اللھمّ زدنی وقاراً** اے اللہ میرے وقار میں اضافہ کر دے چنانچہ ساری داڑھی اسی وقت سفید ہو گئی۔

اس لیے ظاہری بڑھاپا حضرت ابراہیمؑ کے بعد شروع ہوا ہے اس سے پہلے سب جوان رہتے تھے دو سو۔ چار سو۔ پانچ سو سال کی لمبی لمبی عمریں ہوتیں لیکن اس کے باوجود بھی بال سیاہ رہتے۔

جواب نمبر ۵: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک کے ساتھ تشبیہ دینا سب کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جیسے سیاہ بالوں کو شدت سیاہی میں کوے کے ساتھ تشبیہ دینا کہ اس میں کوئلہ یارات کی نفی نہیں ہوتی بلکہ بالوں کی سیاہی کو ہم کوئلہ یارات کی سیاہی سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس طرح دراصل اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ وحی جو آپ کے پاس آئی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی

طریقے پر ہے جس پر پہلے انبیاء کو آئی اور نہ ہی یہ کسی اور معنیٰ الہام وغیرہ میں ہے یہ وحی رسالت ہے وحی الہام مراد نہیں۔

مزید وضاحت

لفظ وحی "اوحی یوحی" کا اسم مصدر ہے اور ان دونوں کے استعمال میں بڑا فرق ہے وحی کا لفظ غیر نبی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا صرف نبی کے لیے آئے گا اور اوحی یوحی ایحاء کا لفظ غیر نبی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جیسے "واوحی ربك الی النحل" اللہ تعالیٰ نے الہام ڈالا ہے شہد کی مکھی کی طرف "واوحینا الی ام موسی" ہم نے موسیٰؑ کی ماں کے دل میں بات ڈالی کہ اس کو دودھ پلا۔

وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (الانعام:۱۲۱) اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں تو اوحی یوحی ایحاء کا لفظ غیر نبی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح لفظ رسول اور رسالت یہ غیر نبی کے لیے استعمال نہیں ہوتے لیکن ارسل یرسل ارسالا یہ غیر نبی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔

جیسے اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم:۸۳) سورہ مریم میں ہے کہ شیطانوں کو کافروں پر مسلط کر دیا ارسل مسلط کے معنیٰ میں ہے لیکن رسول اور رسالت کا لفظ غیر نبی کے لیے نہیں آئے گا اسی طرح نبأ ینبئ یہ غیر نبی کے لیے آتا ہے جیسے قد نَبَّأَنَا اللهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ (التوبۃ:۹۴) اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبریں بتادی ہیں من انبأك ھذا آپ کو کس نے بتایا نبأنی العلیم الخبیر (التحریم:۳) تو یہاں پر لفظ کما اوحینا اس لیے لائے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ صرف الہام ہوتا تھا وحی رسالت نہیں آتی تھی اس لیے کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ فرمایا کہ جس طرح نوحؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر وحی آتی تھی ایسے ہی پیغمبر علیہ السلام پر وحی آتی ہے اس لیے ان کی طرف آنے والی وحی کوئی نئی نہیں ہے ما کنت بدعامن الرسل میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اس لیے تشبیہ دی تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ الہام ہوتا ہے اور یہاں وحی اور معنوں میں ہے اس احتمال کو ختم کرنے کے لیے تشبیہ دی ہے۔

اس لیے قرآن پاک میں فرمایا کہ وما ینطق عن الھوٰی۔ ان ھو الاوحی یوحی (النجم:۳،۴) اس میں وحی کے ساتھ یوحی بھی لگادیا تاکہ احتمال کو ختم کر دیا کہ وحی الہام وغیرہ کے معنوں میں یہاں نہیں ہے۔

آیت مبارکہ کا ترجمۃ الباب بدءالوحی سے تعلق

انا اوحینا... الخ کی آیت کا ترجمۃ الباب سے تعلق یہ ہے کہ جس طرح پہلے نبیوں پر وحی کی ابتداء ہوئی ویسے آپ پر بھی ابتداء ہوئی جیسے ان پر مختلف اقسام آتی تھیں اس طرح آپ پر آئی ہیں لہذا کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ کفار ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو جھٹلانا

شروع کر دیں جس طرح یہود یوں نے کہا تھا کہ موسیٰ پر اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی آپ پر بھی اکٹھی کیوں نازل نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ احتمال ختم کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کسی قسم پر وحی بھیج دے سب کی طرف اکٹھی کتابیں تھوڑی آئی ہیں نوح علیہ السلام، آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے تمام پیغمبروں پر مختلف طریقوں سے وحی آئی ہے لہذا یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی ہے یہ بھی انہی اقسام کے اندر بند ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ رسالت و پیغمبری کے لیے وحی کافی ہے دفعتاً کتاب کا نازل ہونا شرط نہیں۔

احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری ؒ اس باب میں چھ روایات لائے ہیں جن میں صرف تیسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بدء الوحی کا بیان ہے پہلی روایت انما الاعمال بالنیات کی دوسری صلصلة الجرس کی چوتھی سورۃ القیامہ کی آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ (القیامۃ:۱۶) کی تفسیر پانچویں رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کے دور کی اور چھٹی روایت حدیث ہرقل ہے تو بظاہر ایک ہی حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔ اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں بدؤ الوحی مقصود نہیں صرف وحی کا بیان مقصود ہے کہ وحی کیسے نازل ہوئی نہ کیف مقصود ہے نہ بدؤ یہ امام بخاری ؒ ضمناً لائے ہیں امی عائشہ صدیقہ ؓ کی روایت ابتداء وحی کے بارے میں ہے اور کیف تنبیہ کے لیے ہے اصل میں باب الوحی ہے لہذا ان چھ روایات میں کسی نہ کسی طرح پر وحی کا بیان ہے۔

(۲) علامہ سندھیؒ کا قول

(۲) دوسرا قول علامہ ابو الحسن نور الدین سندھی ؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں باب کیف کان بدؤ الوحی میں بدؤ الوحی میں اضافت بیانیہ ہے مضاف اور مضاف الیہ ایک دوسرے کا بیان ہوتے ہیں عبارت یہ ہوگی کیف کان بدؤ امر النبوۃ والدین الذی ھو الوحی کہ ابتداء نبوت اور دین کس طرح ہوئی ہے جو کہ وحی ہے یعنی وحی کے آنے سے ہوئی ہے تو وہ اس میں پوری تفصیل بیان کی جائے گی صرف وحی کی ابتداء مراد نہیں جیسے آپ سے کوئی پوچھے تم مولوی کیسے بنے تو آپ اس میں پورے آٹھ سال کی سرگزشت سنائیں گے لہذا اس کیف کان بدؤ الوحی میں یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان رسالت ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی ہے کہ وحی سے ہوئی ہے اور ان چھ روایات میں کہیں نہ کہیں وحی کا بیان ضرور ہے۔

(۳) حضرت گنگوہیؒ کا فرمان

(۳) حضرت گنگوہیؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ بخاری شریف کی روایات میں ترجمۃ الباب کے ساتھ ایک ایک روایت کو منطبق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجموعہ کا تعلق ہے یا نہیں لہٰذا ان چھ روایتوں میں وحی کا بیان ہے تو یہ مجموعہ کیف کان بدؤ الوحی سے متعلق ہے اور اس ایک روایت میں بدء الوحی کا بیان ہے لہٰذا مجموعہ کے ایک ایک جز کا متعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ کیف کان بدؤ الوحی میں امام بخاریؒ بدؤ الوحی سے مراد صرف وحی کی ابتداء بتانا نہیں چاہتے بلکہ وحی اور اس کے متعلقات و مبادی بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وحی کے متعلقات اور مبادی کیا ہیں کہ وحی کس وقت اتری زمان وحی کا مبداء کیا ہے اور مکان وحی کا مبداء کیا ہے پہلی وحی کون لے کر آیا اور کس کے پاس آئی کبھی موحی اور کبھی موحی الیہ یعنی وحی اور اس کے جتنے متعلقات ہیں سب کے مبادی کا بیان امام بخاریؒ کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ہر روایت میں کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ہے کہیں مکہ کا ذکر ہے، کہیں رمضان کا ذکر، کہیں غار حرا کا ذکر، کہیں جبرائیلؑ کا اور کہیں پیغمبر علیہ السلام کے اوصاف کا ذکر ہے۔

(۵) حضرت مولانا مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانیؒ کا جواب

والد گرامی حضرت مولانا مفتی نیاز محمد ختنیؒ نے اس کا بڑا منظم اور مرتب جواب دیا ہے اور یہ جواب حضرت شیخ الہندؒ کے جواب کے ساتھ بہت مماثلت رکھتا ہے لیکن حضرت والد صاحبؒ نے شیخ الہند کا جواب نہیں دیکھا تھا حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر میں نے خود تیار کی ہے فرماتے تھے کہ الوحی "یہ اسم مصدر ہے اور اس کا مصدر ایحاءً" اوحی یوحی ایحاء" سے ہے اور کبھی مصدر ایحاءً اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے تو معنی ہوگا ایحاءً بمعنی موحی وحی بھیجنے والا اس وقت موحی دو ہیں ایک حقیقی اور ایک مجازی حقیقی اللہ تعالیٰ اور مجازی جبرائیل علیہ السلام ہیں اور کبھی مصدر اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے چنانچہ ایحاء بمعنی موحی الیہ اور مصدر کبھی ظرف زمان کے معنی میں ایحاء بمعنی زمان وحی جو کہ رمضان ہے اور کبھی مصدر بمعنی ظرف مکان ہوتا ہے ایحاء بمعنی مکان وحی جو مکہ شریف ہے ان چھ روایات میں نفس وحی کا بیان بھی ہے موحی مجازی جبرائیل علیہ السلام کا ذکر بھی ہے موحی الیہ پیغمبر علیہ السلام کے اوصاف کا بیان بھی ہے کما فی حدیث عمر بن الخطاب وعباس وحدیث ھرقل وغیرہ اور زمان وحی رمضان المبارک اور مکان وحی مکہ شریف و غار حراء کا ذکر بھی ہے اس طرح سب روایات ترجمۃ الباب سے مطابق اور متعلق ہو جاتی ہیں۔ وللہ در القائل

انما الاعمال حدیث کی ترجمۃ الباب کی آیت سے مناسبت

اخلاص اور صدق نیت کی وحی تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف آئی کما قال اللہ تعالیٰ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینۃ:۵)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری ؒباب الوحی کی پہلی روایت انما الاعمال بالنیات لائے ہیں اس کی ترجمۃ الباب سے کیا مطابقت ہے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں پہلے ذکر کردہ جواب بھی جاری ہو سکتے ہیں چند مخصوص جوابات ہیں۔

جواب نمبر۱

اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس روایت کو امام بخاری ؒبطور نصیحت اساتذہ اور طلباء کی نیتوں کی تصحیح کے لیے لائے ہیں کہ سب اپنی نیتیں خالص کر لیں۔

جواب نمبر ۲

حضرت عمر ؓنے اس روایت کو منبر پر بیان کیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو بھی خطبہ میں بیان کرتے سنا تھا جیسا کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے خطبہ میں فرمائی اس لیے نبی علیہ السلام اور حضرت عمر ؓکی اتباع کرتے ہوئے یہ حدیث امام بخاری ؒبطور خطبہ لائے ہیں کہ یہ روایت خطبہ علی المنبر میں ذکر ہو سکتی ہے تو خطبہ فی الدفاتر میں بھی ذکر ہو سکتی ہے۔

لیکن دونوں جوابات پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس روایت کو پھر باب کیف...الخ سے پہلے لانا چاہیے تھا۔

جواب نمبر ۳

اخلاص اور صدق نیت مبادی نبوت اور مبادی وحی میں سے ہے کما قال اللہ تعالیٰ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (یوسف:۲۴) لہذا اس کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ہو گئی کیونکہ نبی میں انتہائی درجے کا اخلاص ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صدق اور اخلاص ہو تو وحی آجائے بلکہ نبی میں اعلیٰ درجے کا صدق و اخلاص موجود ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ لو کان بعدی نبی لکان عمر لیکن اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے نبوت وہبی چیز ہے کسبی نہیں لہذا اللہ تعالیٰ جس کو نبوت عطا فرماتے ہیں اس میں اعلیٰ درجہ کا صدق و اخلاص

ہوتا ہے لیکن صدق نیت اور اخلاص کا کسی میں موجود ہونا یہ سبب نبوت نہیں کیونکہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں یہ عہدہ ہے جو شاہ دیتا ہے یہ ڈگری نہیں جو محنت سے حاصل کی جاتی ہے جیسے بادشاہ وزارت کا قلمدان کسی کو اپنے انتخاب سے دیتا ہے۔

جیسے قرآن پاک میں ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ خشیت علماء میں ہوتی ہے یعنی جس میں خشیت ہوگی اس کا عالم ہونا ضروری نہیں مگر جو عالم ہوگا اس میں خشیت ضرور ہوگی ورنہ وہ عالم ہونے کا مصداق نہیں۔

جواب نمبر ۴

پیغمبر علیہ السلام پر جب وحی کی ابتداء ہوئی تو آپ ﷺ مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف غار میں آ گئے یعنی ہجرت کی اور چھ ماہ تک غار حرا میں عبادت کرتے رہے مطلب یہ ہے کہ ہجرت صرف وطن چھوڑنا ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کو چھوڑنا بھی ہجرت ہے مگر یہ باطنی ہجرت ہے اسی مناسبت سے امام بخاری ؒ ہجرت کی روایت لائے ہیں کہ وحی کا مبداء ہی ہجرت ہے غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ابن المنیر نے فرمایا کان مقدمة النبوة فی حق النبی ﷺ الھجرة الی اللہ تعالی بالخلوة فی غار حراء فناسب الافتتاح لحدیث الھجرة۔

جواب نمبر ۵

اخلاص بھی اللہ تعالیٰ کا راز ہے جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں ہر ایک کو نہیں ملتا جیسے وحی ہر ایک کی طرف نہیں ہوتی اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے حدیث قدسی ہے "اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ مِنْ سِرِّیْ اَوْدَعْتُہ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُہ" اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں اس کے دل میں رکھتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی نیاز محمد صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص ایٹم بم ہے اس کے ساتھ بندہ اکیلا ساری دنیا سے ٹکرا سکتا ہے اس مناسبت سے اخلاص کی روایت لائے ہیں کہ وحی بھی من جانب اللہ ہوتی ہے

یہ اس روایت کی ترجمۃ الباب (کیف کان بدؤ الوحی) کے ساتھ مناسبت تھی۔

حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ

ابو زید عبد اللہ بن زبیر ان کا نام ہے اَفْقَہُ قُرَیْش قریش میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں حُمیدی ؒ امام بخاری ؒ کے استاذ ہیں امام شافعی ؒ کے شاگرد ہیں قریشی اور مکی ہیں حمیدی دادا یا قبیلہ کے نام سے کہا جاتا ہے ان کے دادا کا نام حُمَیْد تھا ایک اور حُمَیْدِی ہیں جو بہت مشہور ہیں ان کا نام محمد بن نصر ہے چوتھی صدی کے ہیں انہوں نے مسلم اور بخاری کو جمع فرمایا ہے الجمع بین

الصحیحین لکھی ہے لیکن یہ وہ حمیدی نہیں ہیں جو امام بخاری ؒ کے استاذ ہیں کیونکہ یہ بہت بعد میں آئے ہیں۔

حُمَیْدِی کی روایت سے شروع کرنے کی تین وجوہات ہیں:

(۱) قریشی ہونے کی وجہ سے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا قَدِّمُوا قُرَیشاً۔

(۲) مکی ہیں اور وحی کی ابتداء بھی مکہ سے ہوئی اس مناسبت سے ابتداء کی۔

(۳) حمیدی کے نام میں مادہ حمد ہے اس لیے نیک فالی کے لیے پہلی روایت حُمَیْدِی کی لائے اور آخری روایت بھی ایسے نام سے لائے جس میں مادہ حمد ہے یعنی احمد بن اشکاب کیونکہ امام بخاری ؒ کے سامنے یہ آیت ہے "وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ"

شروع اور آخر میں ایسے نام لائے جس میں حمد اور تعریف ہے تاکہ اس کتاب کی ابتداء وانتہاء محمود ہو اور دوسری روایت امام مالک ؒ کی لائے جو مدنی ہیں پہلے مکی کی روایت پھر مدنی کی۔

دوسرے راوی سفیان بن عیینہ ہیں امام مالک ؒ کے ساتھی ہیں اور امام شافعی ؒ کے استاذ ہیں سفیان نام کے دو محدث ہیں ایک سفیان ثوری ؒ اور دوسرے سفیان بن عیینہ ؒ یہ دونوں مکی ہیں سفیان بن عیینہ نے چار سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا سات سال کی عمر میں احادیث یاد کیں ستر (۷۰) حج کیے جب آخری حج فرمایا تو مزدلفہ میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے ہمیشہ یہاں دعا کی اللھم لا تجعله آخر العھد لیکن اب مجھے شرم آتی ہے چنانچہ اسی سال انتقال فرماگئے اکیانوے (۹۱) سال کی عمر میں وفات ہوئی تابعی ہیں۔

تیسرے راوی یحییٰ بن سعید انصاری ہیں یہ بھی تابعی ہیں چوتھے راوی ابراہیم تیمی ؒ ہیں یہ بھی تابعی ہیں پانچویں راوی حضرت علقمہ بن وقاص لیثی ہیں یہ بھی تابعی ہیں حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کے شاگرد ہیں یہ بہت مبارک روایت ہے جس میں چار راوی تابعی ہیں اس لحاظ سے یہ منفرد اور عجیب روایت ہے۔

یہ پہلی روایت امام بخاری ؒ کی غریب ہے حضرت عمر ؓ سے سوائے علقمہ ؒ کے کسی نے روایت نہیں کی اور علقمہ ؒ سے سوائے محمد بن ابراہیم تیمی ؒ کے کسی نے روایت نہیں کی اور ابراہیم تیمی ؒ سے یحییٰ بن سعید انصاری ؒ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی البتہ یحییٰ بن سعید انصاری ؒ سے آگے تقریباً سات سو راوی ہوگئے۔

عَلَى الْمِنْبَرِ

منبر نبر سے ہے نَبَرَ یَنْبُرُ یعنی ابھری ہوئی چیز ۶ یا ۷ ہجری میں آپ علیہ السلام کے لیے منبر بنایا گیا تھا اس سے پہلے خطبے کے

دوران حضرت عمرؓ نے پیغمبر علیہ السلام کا کلام سنا کیونکہ کتاب الحیل میں امام بخاری "یاایھا الناس کالفظ لائے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے خطبہ میں یہ بات ارشاد فرمائی

سَمِعۡتُ کَلَامَ رَسُوۡلِ اللهِ ﷺ...الخ

(۱) یک روایت میں جو یہاں مذکور ہے انما الاعمال بالنیات کے الفاظ مذکور ہیں۔

(۲) دوسری میں انّما کے بغیر اَلۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے لفظ ہیں۔

(۳) تیسری میں نیت کا لفظ مفرد ہے الاعمال بالنِّیَّۃِ۔

(۴) دونوں مفرد ہیں العمل بِالنِّیَّۃِ۔

جہاں جمع لائے (نِیَّاتْ) وہاں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایک عمل میں کئی نیتیں جمع ہو سکتی ہیں جیسے دو رکعت نفل میں شکر، توبہ حاجت، تہجد وغیرہ کی نیت کرنا جہاں مفرد لائے ہیں تو اشارہ ہو گیا کہ نیت کا محل ایک ہے وہ دل ہے لہذا مفرد لائے چنانچہ یہ بھی ٹھیک ہے اکثر روایات میں بالنیۃ مفرد ہے لیکن یہاں جمع ہے جمع بمقابلہ جمع ہو تو تقسیم ہو جاتا ہے یعنی ہر عمل کے لیے نیت ہے انما العمل بالنیۃ جیسے س لڑوس کو تقسیم کر دو تو ہر ایک کو ایک ایک آئے گا الاعمال بالنیات یعنی ہر عمل کے لیے نیت ہے۔

بالنیّات جار مجرور کا تعلق کس سے ہے تو امام شافعیؒ کے ہاں تَصِحُّ مقدر ہو گا تو عبارت یوں گی "اَلۡاَعۡمَالُ تَصِحُّ بِالنِّیَّاتِ" لہذا طہارت کے لیے اور فرض غسل اور وضو کے لیے نیت شرط ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں یثاب کے متعلق ہو گا اور عبارت یوں ہو گی "اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ یثاب بِالنِّیَّاتِ" لہذا عبادات غیر مقصودہ جیسے وضو غسل وغیرہ کے لیے نیت شرط نہیں ہو گی گر کر لیں گے تو ثواب بھی ملے گا اور عمل بھی ہو جائے گا گر نہیں کریں گے تو عمل پر ثواب تو نہیں ملے گا البتہ عمل ہو جائے گا جیسے وضو لیکن ان دونوں سے بہتر تُعۡتَبَرُ ہے تو عبارت ہو گی انّما الاعۡمَال تُعۡتَبَرُ بالنّیّاتِ یعنی عمل کا اعتبار نیت پر ہو گا نیت صالح اور درست ہو گی تو عمل بھی صالح اور درست ہو گا لیکن اگر نیت فاسد ہو گی تو عمل بھی فاسد ہو گا نیت نَوٰی یَنۡوِی سے مشتق ہے نوٰی گٹھلی کو بھی کہتے ہیں نیت عمل کے بمنزلہ گٹھلی کے ہے لغوی معنیٰ ہے اَلۡقَصۡدُ والارادۃ قصد و ارادہ کرنا اصطلاح شریعت میں قصۡدُ التَّقَرُّب اِلی الله تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ارادہ کرنا۔

اعمال کی چار قسمیں

(۱) عبادات

ان میں نیت فرض ہے اور دو طرح کی ہوتی ہے (۱) تَمْيِيْزُ الْعِبَادَةِ عَنِ الْعِبَادَةِ یعنی ایک عبادت کو دوسری سے تمیز اور فرق کرنے کے لیے جیسے عصر کی نماز کی نیت کہ عصر کو مغرب یا عشاء سے ممتاز کرنے کے لیے اسی طرح مغرب کی نیت دوسرے فرق کرنے کے لیے (۲) تَمْيِيْزُ الْعِبَادَةِ عَنِ الْعَادَةِ عبادت کو عادت سے فرق کرنے کے لیے جس آدمی کو سارا دن کھانے کی عادت نہیں اس کی عادت سے تمیز روزہ کی نیت کرے گی کہ یہ سارا دن جو بھوکا پیاسا رہنا ہے یہ عادت نہیں بلکہ روزہ کی عبادت ہے۔

(۲) طاعات

جو عبادات کا وسیلہ ہیں جیسے وضو کرنا غسل کرنا اس میں نیت کریں گے تو اجر ملے گا ورنہ کچھ نہیں ہاں البتہ عمل ادا ہو جائے گا مثلاً وضو کے چاروں اعضاء دھوئے تھے یا غسل کیا تھا اور دونوں صورتوں میں وضو یا غسل کی نیت نہیں کی اب اس وضو پر اجر تو نہیں ملے گا ہاں اگر نماز پڑھنا چاہے تو نماز ہو جائے گی۔

(۳) مباحات

جیسے کھانا پینا، سونا وغیرہ اگر ان میں خیر کی نیت کرے گا تو اجر و ثواب ملے گا اور اگر شر کی نیت کرے گا تو گناہ اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کرے گا تو کچھ بھی نہیں ملے گا خوشبو لگانا کپڑے پہننا کھانا پینا، وغیرہ میں اگر نیت صحیح ہے تو ثواب ورنہ گناہ اور اگر کچھ نہیں تو نہ ثواب نہ گناہ۔

(۴) معاصی

معاصی اور گناہوں میں خیر کی نیت معتبر نہیں ہوتی بلکہ خیر کی نیت کو کفر قرار دیا گیا ہے مثلاً ڈاکہ مارنا تا کہ غریبوں میں روپیہ تقسیم کروں یا مسجد وغیرہ کو دینا یا جہاد میں خرچ کرنا یہ نیت معتبر نہیں ہو گی۔

ابن رجب حنبلیؒ کی تحقیق

ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں ہم جو نیکیاں کرتے ہیں وہ دو طرح کی ہیں ایک وہ ہے جو پوری ادا کرنے پر نیکی شمار ہوتی ہے

جیسے نماز ہے آپ جب شروع کریں گے اور چار رکعت پڑھیں گے تو چار رکعت ایک نماز ہے اس کے لیے ایک دفعہ اگر اچھی نیت کر لی پھر دل میں غیر اللہ کا خیال آ گیا جیسے کوئی آ گیا اور دیکھ لیا اور آپ اچھی طرح ادا کرنے لگ گئے اس سے آپ کی اس نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ شروع میں جو نیت کی تھی اس پر مدار ہو گا اسی طرح روزہ ہے صبح کو اگر نیت صحیح کر لی اور دن بھر نیت میں کچھ گڑبڑ ہوئی تب بھی اللہ جل جلالہ کے لیے شمار ہو گا یہ بہت اہم تفصیل ہے جو ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے ان کے علاوہ اور کسی نے نہیں لکھی۔

دوسری وہ نیکیاں ہیں جو الگ الگ ہیں جیسے قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہر آیت کی تلاوت ایک مستقل نیکی ہے لہٰذا یہاں اگر جہاں بھی نیت میں خرابی آئی تو وہاں پر ہی عمل خراب ہو جائے گا اب اگر اس نے تلاوت شروع کی کوئی آ گیا دیکھ کر خوب قاری صاحب بن کر پڑھنے لگے تو کچھ نہیں ملے گا اسی طرح ذکر ہے لا الہ الا اللہ ہر کلمہ علیحدہ ہے اب کوئی آ گیا اس کو دیکھ کر زور زور سے تسبیح کے دانے ڈالنے لگ گیا تو یہ نیت خراب ہو گئی نیت کے ساتھ عمل بھی خراب ہو جائے گا

وانما لامری مانوی (ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے)

سوال: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور إنما لامرئٍ مَّانوى دونوں کا ایک ہی مطلب ہے پھر دوسرا جملہ کیوں لائے اس سے تو تکرار لازم آتا ہے؟

جواب نمبر ا۔ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید کے لیے لائے ہیں تا کہ اس کی اہمیت بیان ہو سکے۔

جواب نمبر ۲۔ بعض نے کہا کہ پہلا جملہ کہ عمل کا صلاح و فساد نیت پر ہے بتاتا ہے اور دوسرا جملہ ثواب و عقاب کو بتاتا ہے اچھی نیت پر ثواب اور بری پر عقاب ہے دونوں میں فرق ہو گیا کوئی تکرار نہیں تو پہلا جملہ قانون اور ضابطہ کا بیان ہے اور دوسرا جملہ ثمرہ اور نتیجہ کا بیان ہے۔

فمن كانت هجرته الى دنيا جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو يصيبها کہ اس کو حاصل کر لے او الى امرأةٍ ينكحها یا کسی عورت کی طرف ہو بایں طور کہ اس سے نکاح کرے فهجرته الى ما هاجر اليه تو اس کی ہجرت اس طرف ہو گی جس طرف اس نے ہجرت کی دُنْیَا "دُنُوٌّ" سے ہے تو بمعنی قریب ہے اگر دنی سے ہے تو ذلیل کے معنی میں ہے فرمایا جو دنیا کی طرف ہجرت کرے یا عورت کی طرف کرے تو پہلا تاجر ہے اور دوسرا خاطِب ہے یعنی خطبہ نکاح دینے والا تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہو گی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے نہیں عورت کو کیوں ذکر کیا؟ یعنی عورت کو دنیا سے الگ کیوں ذکر کیا؟

اس لیے کہ عورت دنیا میں سب سے بڑا فتنہ ہے شیطان نے اللہ جل جلالہ سے کہا یا اللہ اگر مقابلہ ہے تو ہتھیار بھی دے دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے ہتھیار دیئے تو شیطان کہنے لگا اللہ میاں مزہ نہیں آیا انسان کو قابو کرنا مشکل ہے پھر آخر میں عورت دکھائی گئی شیطان خوشی سے مست ہو کر ناچنے لگا تو صوفی اسی طرح برباد ہوتے ہیں کہ عورتیں آئیں گی برقع اتار کر بیٹھ جائیں گی پیر صاحب پاؤں دبوار ہے ہیں اور معانقہ کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا "مَارَأَیْتُ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ" (کہ میں نے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں دیکھا)

ایک مرتبہ جب میں مروٹ گیا تو وہاں ایک نقلی پیر آیا ہوا تھا وہ عورتوں سے پاؤں دبوار ہا تھا اور تصویریں بھی بنوا رہا تھا مسجد میں جب میں اندر داخل ہوا تو سب کیمرہ والوں کو باہر نکال دیا اس کے بعد پیر صاحب کا بیان شروع ہوا اس نے اتنے جھوٹ بولے کہ اتنے میں نے زندگی میں کبھی نہ سنے تھے اس کے بعد میری باری آئی تو میں نے خوب کھینچا سنت اور تقویٰ پر بیان کیا ماشاء اللہ لوگ سمجھ گئے ان لوگوں نے اس کو نکال دیا اور کہا کہ عورتوں کو دیکھنا حرام ہے اور تو بغل گیر ہو رہا ہے اس کے بعد وہ کبھی نہیں آیا۔

عرض کر رہا تھا کہ عورت سب سے بڑا فتنہ ہے اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے عورت کو الگ ذکر کیا کہ لہٰذا تم بھی عورتوں سے بچو اور عورتوں کو بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ دوسری وجہ اس حدیث کا سبب ورود عورت کا قصہ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اختصار فی الحدیث کی وجہ

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ نے یہاں حصہ مختصر کیوں ذکر کیا جبکہ دوسری جگہ مکمل لائے ہیں؟

ا۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام حمیدی ؒ سے امام بخاری نے اس طرح مختصر سنی اور مختصر بیان کر دی بعد میں مکمل سنی تو مکمل بیان کر دی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اختصار فی الحدیث کا جواز بتلانا مقصود ہے کہ وہ جائز ہے کہ دوسرا ٹکڑا کاٹ کر اتنا بھی آپ خطبے میں پڑھ سکتے ہیں باقی پڑھنا ضروری نہیں جتنی ضرورت ہے اتنا پڑھ سکتے ہیں اور حدیث مختصر کرنا جائز ہے یہاں یہ بیان کر رہے ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری ؒ اپنے آپ کو تزکیہ سے بچا رہے ہیں کہ فمن کانت ھجرته الی الله ورسوله یہ کہ بخاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے کتاب لکھ رہا ہے کسی کے دل میں بات آجاتی کہ بخاری دعویٰ کر رہا ہے کہ میں اللہ اور رسول کے لیے کتاب لکھ رہا ہوں اس میں امام بخاری بہت محتاط ہیں کہ میری طرف تزکیہ کی نسبت نہ ہو۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز میں اگر اچھی نیت نہ کر سکو تو بری نیت بھی نہ کرو اس سے بچو ورنہ بری نیت کی وجہ سے پھنس جاؤ گے اس لیے قیامت میں اگر برابر ہو گئے تو پھر بھی بچت ہے اور وہ اعراف پر چلے جائیں گے اعراف پر وہی ہوں گے ایک قول کے مطابق جن کی نیکیاں برابر ہوں گی اعراف یہ ایک دیوار ہے جنت اور جہنم کے درمیان اس پر ہوں گے اور جب جہنمیوں کو دیکھیں گے تو توبہ کریں گے اور جب جنتیوں کو دیکھیں گے تو تمنا کریں گے بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں بھیج دیں گے اس لیے امام بخاری ؒ فرما رہے ہیں کہ اگر اچھی نیت نہ کر سکو تو بری بھی نہ کرو اس لیے امام بخاری وہ حصہ لائے جس میں قباحت کا بیان ہے۔

حدیث کا سبب وُرُودْ

اُم قیس نامی ایک عورت سے ایک شخص شادی کا خواہش مند تھا اس نے یہ شرط لگائی کہ ہجرت کر کے آجاؤ تو تم سے شادی کرلوں گی چنانچہ انہوں نے ہجرت کی "یَقُوْلُ عَبْدُ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ کُنَّا نُسَمِّیْہِ مُھَاجِرَ اُمِّ قَیْسٍ " حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں مہاجر ام قیس کہہ کر پکارتے تھے یہاں نام قصداً ذکر نہیں کیا تا کہ ان کی تذلیل نہ ہو۔ اس نے ہجرت کی اور اس میں نیت اس عورت سے نکاح کی بھی کرلی تھی جب پیغمبر علیہ السلام نے یہ سنا تو بہت ناراض ہوئے اس لیے عورت کو الگ ذکر کیا۔ یاد رکھیں اس صحابی ؓ نے ہجرت تو اللہ و رسول ﷺ کے لیے کی تھی لیکن اس کے ساتھ اس عورت سے نکاح کی نیت بھی کرلی تھی اس پر آپ ﷺ نے سخت تنبیہ فرمائی کیونکہ یہ بات ان کی شان صحابیت کے خلاف تھی۔

نمبر۔۲۔حدیث صلصلة الجرس

حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالك عن ھشام ابن عروة عن ابیه عن عائشة ام المؤمنین رضی اللہ عنھا ان الحارث بن ھشام سأل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یا رسول اللہ کیف یأتیك الوحی؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احیانا یأتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علیّ فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول قالت عائشة ولقد رأیته یتنزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصد عرقاً۔

ترجمہ:

عبد اللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ امام مالک نے ہشام بن عروہ سے یہ روایت بیان کی کہ انہوں نے عروہ سے بطریق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا

فرمایایا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے ؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ انداز وحی میرے اوپر سب سے زیادہ شاق گزرتا ہے اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو میں اسے محفوظ کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کے کلمات محفوظ کرلیتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ کو سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح جاری ہوتا تھا کہ جیسے فصد لگائی گئی ہو۔

وضاحت

یہ باب الوحی کی دوسری روایت ہے یہ حارث ابن ھشام کی روایت ہے جو ابو جہل کے بھائی ہیں حارث ابن ہشام مسلمان ہو گئے تھے یہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے اکابر صحابہ ؓ میں سے ہیں ان سے امی عائشہ ؓ نے یہ روایت لی ہے یہ امام مالک کی روایت ہے اور یہ مدنی ہیں پہلی روایت مکی استاذ سے لائے اور دوسری روایت مدنی استاذ سے لائے ہیں کیونکہ وحی پہلے مکہ میں شروع ہوئی پھر مدینہ میں۔

ام المومنین کی وجہ تسمیہ

یہ قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے "وازواجه امهاتهم" (الاحزاب:٦) کہ نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اب اختلاف اس بات میں ہے کہ صرف مردوں کی مائیں ہیں یا عورتوں کی بھی ہیں مختار مذہب تو یہ ہے کہ "ازواج مطہرات" سب کی مائیں ہیں یہ جمہور کا مذہب ہے جیسے قرآن پاک کی آیت "يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا" میں مومنات بھی داخل ہیں اسی طرح مذکورہ آیت میں بھی عورتیں داخل ہوں گی اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مومنات کی ماں ہونا ثابت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مومنین کی ہیں مومنات کی نہیں ہیں ان کی دلیل اماں عائشہ ؓ کی روایت ہے کہ ایک صحابیہ ؓ نے کہا یا امُّ تو آپ ؓ نے فرمایا "لَسْتُ لَكِ بِاُمٍّ اَنَا اُمُّ رِجَالِكُم" یعنی میں تمہاری ماں نہیں ہوں بلکہ تمہارے مردوں کی ماں ہوں اور مردوں کی مائیں احترام اور حرمت میں بنایا گیا ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کے بعد ازواج النبی ﷺ ہمیشہ کے لیے تمام مردوں پر احترام کی وجہ سے حرام ہیں جیسے ماں کا احترام کیا جاتا ہے ان کا بھی کیا جائے گا۔ نکاح تو حرام ہو گا لیکن پردے کا حکم قائم رہے گا کیونکہ قرآن مجید نے کہا ہے "فاسئلو هن من ورآء حجاب" اور نکاح کی حرمت اس آیت سے بھی ثابت ہے وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (الاحزاب:٥٣) دوسرا آپ ﷺ قبر شریف میں حیات ہیں قال ابو حنیفة کان الناس لعائشة حرما لیکن یہ حرمت ازواج مطہرات کی اولاد میں جاری نہیں ہو گی۔

اس روایت کا حکم

یہ روایت اگر حارث ابن ہشام سے سنی ہے تو یہ مرسل روایت ہے اور مرسل روایت وہ ہوتی ہے جس میں صحابی کا واسطہ حذف کر دیا جائے اور یہاں اماں عائشہ ؓ نے حارث بن ہشام ؓ کو گرا دیا ہے اور مراسیل صحابہ ؓ بالاتفاق قبول ہیں۔

یا یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے مدینہ شریف میں یہ روایت اماں عائشہ ؓ کو سنائی کہ مجھ سے حارث ابن ہشام نے پوچھا تو میں نے اس کو یہ جواب دیا تھا تو پھر یہ متصل روایت ہو جائے گی۔

آپ سے جو سوال کیا گیا اس میں وحی کی وہ اقسام مراد ہیں جو اکثری ہیں جبکہ باقی صورتیں وہ ہیں جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کو وحی آتی تھی مثلاً پردے کے پیچھے سے بات کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے دل میں القاء اور الہام یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اسی طرح حالت نیند میں غار حراء سے قبل چھ ماہ میں وحی آئی۔

صلصلة الجرس

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس وحی صلصلة الجرس یعنی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے احیاناً کا معنی ہے اوقاتاً یعنی بسا اوقات صلصلة الجرس سے مراد صوت متدارکہ مسلسلہ ہے ایسی مسلسل آواز کہ جس کی ابتداء اور انتہاء کا پتا نہ چلے جیسے لوہا وغیرہ کسی اور چیز پر مسلسل مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

وحی کا گھنٹی کی آواز کی طرح ہونا یہ پہلا طریقہ ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آکر وحی کرتا ہے ویسے تو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی سات طریقوں سے آتی تھی لیکن عموماً وحی کے یہی دو طریقے ہیں کیونکہ خواب میں آپ ﷺ پر وحی کم آئی ہے زیادہ تر وحی بیداری کی حالت میں آئی ہے کیونکہ خواب میں جو وحی آئی ہے وہ نبوت ملنے سے پہلے آئی ہے اس لیے سچے خواب کو تباشیرِ نبوت کہتے ہیں۔

صلصلة الجرس سے مراد

تو پہلی قسم صلصلة الجرس تھی جیسے فرشتوں کو جب وحی ہوتی ہے تو جس طرح پہاڑ پر زنجیر گھسیٹی جائے تو آواز پیدا ہوتی ہے فرشتے اس سے بے ہوش ہو جاتے ہیں کَسِلْسِلَةٍ عَلٰی صَفْوَانٍ کے الفاظ حدیث میں آتے ہیں یہ آواز کس چیز کی ہوتی تھی تو اس میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی آواز ہوتی تھی اسی کی طرف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا رجحان ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی آواز ہوتی تھی پس ثابت ہوا کہ اللہ پاک کی ذات صوت رکھتی ہے جو فرشتہ لے کر آتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث ہے کہ فرشتوں کو جب اللہ تعالیٰ کا حکم ملتا ہے آواز آتی ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں جب ہوش آتا ہے تو کہتے ہیں "مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا الْحَقَّ" ہر ایک کو حکم یاد ہو جاتا ہے اسی طرح پیغمبر علیہ السلام پر جب وحی آتی تھی تو آپ کو کچھ ہوش نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے بعد سب یاد ہو تا تھا۔

(۲) جبرائیل علیہ السلام کی آواز ہوتی تھی۔

(۳) فرشتوں کے پروں کی آواز ہوتی تھی کیونکہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ایک ایک آیت میں ستر ستر ہزار فرشتے ساتھ ہوتے تھے اور خود جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔

(۴) حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں کے آنے کی آواز ہوتی تھی جیسے ریل گاڑی کے آنے کی آواز ہوتی ہے اور چار پانچ میل پہلے سے اس کی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے یہ اس لیے آتی تھی تا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام مَلأ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

نوٹ: جرس کی آواز سے تشبیہ صرف سمجھانے اور تقریب الی الفهم کی وجہ سے دی ورنہ حقیقت حال اللہ و رسول ﷺ جانتے ہیں۔

احادیث میں وحی کی تشبیہ تین طرح آتی ہے: ۱۔ صلصلة الجرس، آواز پیغمبر علیہ السلام کو آتی تھی ۲۔ کسلسلة علی صفوان، یہ فرشتوں کو آتی تھی ۳۔ کدوی النحل، شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ یہ پیغمبر علیہ السلام کے قریب کے لوگ سنتے تھے۔

تینوں تشبیہات میں یہ قدر مشترک ہے کہ آواز میں تسلسل اور اتصال ہوتا تھا یہ بساطت کی طرف اشارہ ہے کہ کلام الٰہی بسیط ہوتا تھا نہ کہ مرکب۔

اشکال

جرس یعنی گھنٹی کی آواز کو پیغمبر علیہ السلام نے پسند نہیں فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس قافلے کے ساتھ نہیں رہتے جس میں جانوروں کے گلے میں گھنٹیاں بندھی ہوتی ہیں اور خود اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے تو پھر آپ ﷺ نے اس گھنٹی کے ساتھ وحی کی آواز کو کیوں تشبیہ دی ہے حالانکہ وحی تو محمود ہے اور گھنٹی مذموم تو محمود کی تشبیہ مذموم کے ساتھ دینا درست نہیں ہے۔

جواب

یہاں تشبیہ "مِنْ كُلِّ الْوُجُوْه" نہیں ہے کہ ہر جزء مراد ہو بلکہ بعض چیزوں کے اعتبار سے ہے جب بھی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو وہ کلی طور پر نہیں دی جاتی بلکہ بعض چیزوں میں دی جاتی ہے جیسے کسی آدمی کو کہیں کہ برف کی طرح سفید ہے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے وہ برف کی طرح ٹھنڈا بھی ہو یا کہہ دیں کہ فلاں شیر ہے تو شیر کے ساتھ اس کی تشبیہ شجاعت میں ہے اس بات میں نہیں ہوتی کہ شیر کے منہ سے بدبو آتی ہے تشبیہ اس کی شجاعت کیوجہ سے اسی طرح گھنٹی سے جو تشبیہ دی ہے یہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ مذموم ہے حرام ہے بلکہ جس طرح گھنٹی کی آواز میں تسلسل ہوتا ہے اور اس کی ابتداء اور انتہاء کا پتا نہیں چلتا اسی طرح اس قسم کی وحی میں ابتداء اور انتہاء کا پتا نہیں چلتا۔

اس صوت متدارک میں بھی فرشتہ ہوتا تھا اور فرشتہ اپنی اصل حالت میں آنے کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام کو نظر نہیں آتا تھا اس صورت میں بس گھنٹی کی سی آواز آتی تھی اور پیغمبر علیہ السلام پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی بس آپ ﷺ اس عالم سے منقطع ہو جاتے تھے جب ہوش آتا تھا تو سب وحی یاد ہوتی تھی تو صوت متدارک ہونے میں تشبیہ ہے مذمت کے اعتبار سے نہیں ہے جس طرح پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام سانپ کی طرح مکہ اور مدینہ میں سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنی بمی میں سمٹ جاتا ہے سانپ کی بل کو بمی کہتے ہیں یعنی وہاں اسلام ہوگا اور پوری دنیا میں کفر ہوگا حالانکہ سانپ موذی ہے اور اسلام بہت بہترین ہے یہ تشبیہ موذی کی وجہ سے نہیں دی بلکہ سانپ تمام جانوروں میں ایسا جانور ہے کہ جو اپنے دشمن کو دیکھ کر بہت تیزی کے ساتھ اپنی بمی کی طرف پہنچتا ہے کوئی اتنی تیزی سے نہیں پہنچتا جتنا سانپ پہنچتا ہے تو یہ تیزی میں تشبیہ دی ہے کہ جس طرح سانپ اپنے مرکز میں سمٹ جاتا ہے اس طرح اسلام اپنے مراکز مکہ و مدینہ میں سمٹ جائے گا آخر میں مکہ و مدینہ ختم ہو جائیں گے اور قیامت آجائے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مکہ شریف اجڑ جائے گا ایک کالا حبشی خانہ کعبہ کی ایک ایک اینٹ اُکھاڑ دے گا اور دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو چرواہے آئیں گے یہ سن کر کہ مدینہ شریف میں بڑی فراوانی ہے رحمتیں ہیں تو یہ سن کر آئیں گے بڑا طویل سفر کر کے جب مدینہ پہنچیں گے تو مدینہ کی گلیوں میں جنگلی جانور پھر رہے ہوں گے دیکھیں گے تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے کہ یہاں رونقیں کہاں گئیں۔

وَهُوَ اَشَدُّ عَلَيَّ

آپ ﷺ نے فرمایا یہ وحی مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے افادہ اور استفادہ کے لیے (فائدہ دینے اور لینے کے لیے) دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہوتا ہے یا تو نبی اوضاع ملکوتی اور صفات ملکوتی میں چلا جائے یا فرشتہ انسان بن جائے اور بشری صفات میں چلا جائے تو یہ تبدیلی بہت مشکل ہے کہ آپ ﷺ جب اوضاع ملکوتی میں جاتے تھے تو بہت مشکل ہوتی تھی اسی طرح آدمی کی شکل میں فرشتہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ اس کو مشکل ہوتی ہو بہر حال یہ اللہ پاک جانتے ہیں۔

اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "وَھُوَ اَشَدُّ عَلَیَّ" کہ وحی مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کو بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات سے متصف ہونا پڑتا تھا کیونکہ متکلم اور سامع میں جس وقت تک برابری نہیں ہوگی تو بات نہیں سمجھیں گے فرشتہ جو آسمانوں سے آتا تھا اس میں ملکوتی صفات ہیں اور پیغمبر علیہ السلام بشر ہیں اب آپ بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات میں جاتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے باطن میں ملکوتی صفات رکھی تھیں تو جب ملکوتی صفات میں جاتے تھے تو لازمی بات ہے جب آدمی اپنی طبیعت سے نکل کر دوسری طبیعت میں جائے گا تو اسے مشقت ہوگی تو جب فرشتہ ایسی وحی لاتا تھا تو اس وحی کو لینے کے لیے پیغمبر کو ملکوتی صفت میں جانا پڑتا تھا اور اس کا طریقہ کیا ہوتا تھا اس کو میں اور آپ نہیں جانتے پیغمبر علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔

فَيُفْصِمُ عَنِّي

يَفْصِمُ کے پڑھنے کے تین طریقے ہیں (۱) باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے مضارع معروف کا صیغہ (۲) باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے مضارع مجہول کا صیغہ (۳) باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ

پھر وہ وحی مجھ سے جدا ہو جاتی جب وہ وحی مجھ سے جدا ہوتی وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ اور میں یاد کر چکا ہوتا تھا جو فرشتے نے کہا یعنی پہلے سے وہ وحی میرے سینے میں محفوظ ہو جاتی تھی۔

اِبْنِ مُنَيِّر جو بہت بڑا شارح ہے بخاری کا اس نے شرح بخاری میں عجیب بات لکھی ہے کہ پیغمبر پر اس وحی کا بہت بوجھ ہوتا تھا جس میں وعید کا مضمون ہوتا جس میں ڈرایا گیا ہوتا اللہ جل جلالہ کا عذاب بتایا گیا ہوتا اس کے ذریعے آپ کی صفت نذیر کو مضبوط کیا جاتا تھا اس سے آپ کی ذات میں رعب پیدا ہو جاتا تھا اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اس لیے خاص طور پر اس وحی میں جس میں وعیدوں کا بیان ہوتا تھا اس میں عظمت الٰہی کی وجہ سے آپ میں سختی آجاتی تھی اللہ تعالیٰ نے صفت نذیر رکھی تھی اس میں اضافہ ہو جاتا تھا پھر آپ کسی کی پرواہ ڈرانے میں نہیں کرتے تھے دوسری قسم کی وحی میں بشارت کا مضمون ہوتا جس سے آپ کی صفت بشیر میں اضافہ کیا جاتا تھا اور اس کو قوی کیا جاتا تھا یہ بات کسی محدث نے نہیں لکھی۔

واحیانا یتمثل لی الملك رجلا

اَحْيَانًا اَوْقَاتًا یعنی کبھی کبھی میرے سامنے فرشتہ آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر آتا ہے انسانی شکل بنا کر آتا ہے عام طور پر دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے یہ وحی کا دوسرا طریقہ ہے کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا ہے حقیقت میں وہ فرشتہ ہی رہتا ہے کیونکہ اس میں فرشتوں کی تمام صفات باقی رہتی ہیں مثلاً وہ کھانے پینے وغیرہ کا محتاج نہیں ہوتا اس پر دلیل یہ آیت ہے قال

سلام قوم منکرون جس میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس بچے کی بشارت دینے والے اور قوم لوط کو عذاب دینے والے فرشتے آئے تھے اور انہوں نے پیش کیے گئے پکے ہوئے بچھڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا مَلَكٌ اُلُوكَةٌ سے ہے یعنی رِسَالَةٌ خبر پہنچانا مَلِكٌ بادشاہ کو کہتے ہیں۔

فَيُكَلِّمُنِي وہ مجھ سے بات کرتا فَاَعِی مَا يقول یعنی وہ فرشتہ مجھ سے بات کرتا ہے تو میں وہ یاد کر لیتا ہوں اور عام طور پر یہ بشارت کی وحی ہوتی تھی اس میں آپ کو تکلیف نہیں ہوتی تھی ممکن ہے فرشتے کو تکلیف ہوتی ہو یہاں پر لفظ اعی لائے ہیں اور یہ مضارع ہے کیونکہ جب فرشتہ انسانی شکل میں آتا تو اس وقت وحی یاد نہیں ہوتی تھی بلکہ بعد میں یاد کرتے تھے پہلے سنتے تھے پھر یاد ہوتا تھا یہاں مضارع کا صیغہ اعی لائے اور وہاں وعیت ماضی لائے وہاں پہلے سے یاد ہو چکی ہوتی اور یہاں بعد میں یاد ہوتی تھی۔

قَالَتْ عَائِشَةُ ؓ وَلَقَدْ رَأَيْتُه اماں عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا ینزل علیه الوحی آپ ﷺ پر وحی اترتی تھی فی الیوم الشدید البرد ایسے دن میں کہ شدید سردی ہوتی مدینہ شریف میں۔

فیفصم عنه وانّ جبینه لیتفصّدُ عَرَقاً جب آپ ﷺ سے وحی جدا ہوتی تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ ایسے گر رہا ہوتا جیسے آپ ﷺ کی خون کی رگ کاٹ دی گئی ہو جس طرح خون کی رگ کاٹ دی جائے تو مسلسل خون نکلے گا اس طرح آپ سے پسینہ گرا کرتا تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ فرماتے ہیں ایک طرف تو اتنی گرمی ہوتی تھی کہ پسینہ بہتا تھا اور دوسری طرف اتنی سردی لگ رہی ہوتی کہ آپ ﷺ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فرما رہے ہوتے تو الکوکب الدّرّی میں حضرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ عین نزول وحی کی حالت تھی کہ آپ کو پسینہ آتا تھا اور بعد میں آپ علیہ السلام کو اس پسینہ کے اثر سے سردی لگتی تھی جیسے بخار والے کو پسینہ آجاتا ہے اور بعد میں اس کو سردی لگتی ہے جبکہ دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائی حالت تھی وحی کی کہ آپ پر رعب طاری ہو جاتا اور آپ علیہ السلام زملونی زملونی فرمایا کرتے پھر چادر اوڑھانے سے اس سے آپ علیہ السلام کا خوف کم ہو جاتا تھا۔ یہ حالت ابتداء میں ہوتی تھی جب آپ علیہ السلام عادی نہیں تھے لیکن آپ ﷺ جب عادی ہو گئے تو بہت کم ایسے حالت ہوتی تھی پھر لمبی لمبی سورتیں اترتی تھیں آپ ﷺ اونٹنی پر جا رہے ہوتے لیکن ابتداء میں مکہ میں ایک دو آیت اترتیں اور آپ ﷺ پسینے میں غرق ہو جایا کرتے تھے۔

سوال

حضرت عمرؓ کی روایت میں نسمع دوی النَّحلِ ہے یعنی ہم وحی کی آواز ایسے سنتے تھے جیسے مکھی کی بھنبھناہٹ جبکہ ہم نے پڑھا کہ وحی کی آواز صلصلة الجرس یعنی گھنٹی کی آواز کے مشابہ ہوتی تھی تو اس میں تو تعارض ہے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے لیے گھنٹی کی آواز اور حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کے لیے مکھی کی آواز یعنی شخصیت اور سامعین کا فرق ہے کہ اگر سامع کی شخصیت نبی علیہ السلام کی ہو تو گھنٹی کی آواز سنائی دیتی تھی اور صحابہؓ کی شخصیت کو مکھی کی آواز سنائی دیتی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے اِنِّی لَاَ سمَعُ صَلَاصِلَ وَیَنْزِلُ عَلَیَّ وَحیٌ وَاِنِّی کُلُّ مَرَّةٍ ظَنَنْتُ اَنِّی اَقْبَضُ یعنی میں گھنٹیوں کی آوازیں سنتا ہوں اور مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور میں ہر مرتبہ یہی خیال کرتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔

کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی ران کے اوپر آنحضرت ﷺ کی ران مبارک تھی اسی حالت میں ایک چھوٹی سی تین لفظی آیت "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" نازل ہوئی زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میری ران ٹوٹ رہی ہے اور کیوں نہ ہو ارشاد فرما رہے ہیں "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لرایته خَاشِعاً مُتَصدعامن خشیة الله (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

وحی کی شدت آپ ﷺ نے چوبیس ہزار مرتبہ برداشت کی ہے چوبیس ہزار مرتبہ جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس وحی لے کر آئے ہیں حضرت نوحؑ کے پاس پچاس مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اڑتالیس مرتبہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے پاس دس مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چار سو مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بارہ مرتبہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دس مرتبہ وحی لے کر آئے ہیں۔

حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق

یہ دوسری حدیث جو اماں عائشہؓ سے مروی ہے جس میں کیفیات وحی کا سوال کیا گیا ہے اس کا ترجمۃ الباب سے کیا تعلق ہے؟

تعلق نمبر ۱۔ حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا وحی کی دو قسمیں ہیں یعنی ابتداء سے ہی وحی دو قسموں کے ساتھ آتی تھی یعنی جب شروع ہوئی تو انہی دو قسموں کے ساتھ شروع ہوئی جو حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں بتائی گئیں کبھی گھنٹی کی آواز آتی اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا تو باب کیف کان بدء الوحی الخ کے ساتھ تعلق ثابت ہو گیا۔

نمبر ۲۔ دوسرا تعلق یہ ہے کہ اس حدیث میں موحی مجازی یعنی جبرائیل علیہ السلام کا بیان ہے کہ وہ انسانی شکل میں آتے تھے یا نظر نہیں آتے تھے اور مُوحیٰ اِلَیۡہِ آپ ﷺ کی کیفیات کا بھی بیان ہے لہذا اس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ثابت ہو گئی۔

نمبر ۳۔ آپ کا وحی آنے پر پسینے میں بھیگ جانا سردی لگنا اور بوجھ محسوس کرنا یہ بدء الوحی کی حالت تھی بعد میں آپ کو جب وحی کا تحمل ہو گیا تو پھر آپ کی یہ کیفیت نہیں ہوتی تھی حتی کہ مدینہ طیبہ میں طوال مفصل نازل ہوتیں اور آپ اونٹنی پر محو سفر ہوتے یہ ترجمۃ الباب کے ساتھ تین واضح تعلقات ہیں۔

نمبر ۔۳۔ حدیث غار حراء

حدثنا یحیٰ بن بکیر قال اخبرنا اللیث عن عقیل عن بن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یریٰ رؤیا الا جآءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلآء وکان یخلو بغار حرآء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الیٰ اھلہ ویتزود لذلک ثم یرجع الیٰ خدیجۃ فیتزود لمثلہا حتیٰ جآءہ الحق وھو فی غار حرآء فجآئہ الملک فقال اقرأ فقال فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتیٰ بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔ اقرأ وربک الاکرم فرجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فؤادہ فدخل علیٰ خدیجۃ بن خویلد فقال زملونی فزملوہ حتیٰ ذھب عنہ الروع فقال لخدیجۃ واخبرھا الخبر لقد خشیت علیٰ نفسی فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقرئ الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق فانطلقت بہ خدیجۃ حتیٰ اتت بہ ورقۃ بن نوفل بن اسد عن عبدالعزیٰ بن عم خدیجۃ وکان امرأ تنصّر فی الجاھلیۃ وکان یکتب الکتاب العبرانیۃ ما شآء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ خدیجۃ یا ابن عم اسمع من ابن اخیک فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی ما ذا تریٰ فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رایٰ فقال لہ ورقۃ ھذا الناموس الذی نزل اللہ علیٰ موسیٰ یا لیتنی فیہا جزعا یا لیتنی اکون حیا اذا یخرجک قومک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم أوَ مخرجيّ هم قال نعم لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودي وان يدركني يومك انصرك نصرا مؤزّرا ثم لم ينشب ورقة ان توفي وفتر الوحي.

قال ابن شهاب واخبرني ابو سلمة بن عبد الرحمن ان جابر بن عبدالله الانصاري قال وهو يحدث عن فترة الوحي فقال في حديثه بينا انا امشي اذ سمعت صوتا من السمآء فرفعت بصري فاذا الملك الذي جآءني بحرآء جالس على كرسي بين السمآء والارض فرعبت منه فرجعت فقلت زملوني زملوني فانزل الله تعالى يا ايها المدثر ـ قم فانذر ـ وربك فكبر ـ وثيابك فطهر ـ والرجز فاهجر ـ فحمي الوحي وتتابع تابعه عبدالله بن يوسف وابو صالح وتابعه هلال بن رداد عن الزهري وقال يونس ومعمر بوادره.

ترجمہ:

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی کہ لیث بن عقیل (بن خالد) سے اور انہوں نے ابن شہاب زہری سے بروایت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ پہلی وہ چیز جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی رویائے صالحہ تھے جنہیں آپ خواب میں دیکھتے تھے چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آتا پھر خلوت گزینی آپ کے نزدیک محبوب کردی گئی اور آپ غار حراء میں خلوت گزینی فرماتے اور اپنے اہل کی طرف اشتیاق سے پہلے کئی کئی رات تک اس میں عبادت فرماتے تھے اور اس کے لیے سامان خورد ونوش ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لاتے اور اتنی ہی راتوں کے لیے پھر سامان مہیا فرماتے یہاں تک کہ حق آ گیا جبکہ آپ غار حراء میں تھے چنانچہ فرشتہ پہنچا اور اس نے کہا اقراء (پڑھیے) آپ نے فرمایا میں نے فرشتہ سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء (پڑھیے) میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء (پڑھیے) میں نے اس سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبوچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربك الذي خلق ـ خلق الانسان من علق ـ اقراء وربك الاكرم اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے یہ آیات لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کمبل اُڑھا دو مجھے کمبل اُڑھا دو انہوں نے آپ کو کمبل اُڑھا دیا یہاں تک

کہ آپ کا خوف ختم ہو گیا پھر آپ نے یہ کیفیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان فرمائی اور پورے واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا خدا کی قسم خداوند قدوس کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا بلاشبہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں ور نا توانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں آپ گمنام لوگوں کو کماتے ہیں ور آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں۔

پھر حضرت خدیجہ آپ کو ساتھ لے کر چلیں اور ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو اسد بن عبد العزیٰ کے بیٹے اور خدیجۃ الکبریٰ کے چچازاد بھائی تھے اور یہ ورقہ ایسے آدمی تھے جو جاہلیت کے زمانے میں دین اختیار کر چکے تھے اور عبرانی خط کے کاتب تھے اور وہ انجیل میں سے عبرانی زبان میں جو خداوند قدوس کو منظور ہوتا لکھا کرتے تھے وہ بہت عمر رسیدہ آدمی تھے جن کی بصارت بھی جاتی رہی تھی۔ ان سے خدیجہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو چنانچہ ورقہ نے آپ سے کہا میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ تمام واقعات سنا دیئے۔ جس کا مشاہدہ فرمایا تھا ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی رازداں ہیں جو خداوند قدوس کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لاتے تھے کاش! کہ میں تمہاری پیغمبری کے زمانے میں نوجوان طاقتور ہوتا کاش! کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ (میری قوم کے) لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں کبھی کوئی شخص اس قسم کی دعوت لے کر نہیں آیا جس طرح کی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو آپ کی مضبوط مدد کروں گا پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی بھی موقوف ہو گئی۔

ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ وحی کے موقوف ہو جانے کے ایام کی حدیث بیان فرما رہے تھے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اچانک وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی بچھائے بیٹھا ہے میں اس سے خوفزدہ ہو کر واپس ہوا اور میں نے کہا کہ مجھے کمبل اُڑھا دو مجھے کمبل اُڑھا دو پھر باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی **یا ایھا المدثر۔ قم فانذر۔ وربك فكبر۔ وثيابك فطهر۔ والرجز فاهجر** (المدثر ۱ تا ۵) اے کملی والے! کھڑے ہو جایئے اور لوگوں کو خوف دلایئے اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور بتوں سے علیحدہ رہیے جیسا کہ اب تک علیحدہ ہے ہو اس کے بعد وحی پے درپے آنے لگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبید اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے یحییٰ بن بکیر کی متابعت کی ہے اور عقیل کی متابعت

ہلال بن رداد نے زہری سے کی ہے اور یونس و معمر کی روایت میں یرجف بوادرہ آیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ (العلق: ۱تا۳)

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ۔ ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ۔

حدیث کا حکم

اگر یہ روایت کسی صحابی سے حضرت عائشہ ؓ نے سنی ہے تو مرسل ہے اور اگر آپ سے براہِ راست سنی ہے تو متصل ہے۔

غار حرا

کان یخلو بغار حراء خانہ کعبہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر منیٰ کی جانب جب منیٰ جائیں تو دائیں جانب جبل النور ہے اس پر غار حرا ہے

یہ حدیث ترجمۃ الباب کے ساتھ بالکل واضح مناسبت رکھتی ہے کیونکہ اس میں بدء الوحی کا بیان ہے۔

الرؤیا الصالحۃ فی النوم اس قسم کی وحی کی ابتداء آپ پر ماہِ ربیع الاول سے ہوئی اور یہ خواب چھ ماہ تک آتے رہے پھر رمضان المبارک میں غار حرا سے دوسری قسم وحی کی شروع ہوئی یا یہ خواب بمنزلہ مقدمہ کے تھے نبوت کے لیے قال البعض الرؤیا الصالحہ۔ مرانما لامدخل فیہا للشیطان کما ورد الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان بعض نے کہا الصالحہ سچا اور نفع بخش اور صادقہ سچے لیکن ضرر رساں بھی ہو سکتے ہیں۔

تعریف النبوۃ والرسالۃ

قال الراغب النبوۃ سفارۃ العبد بین اللہ وبین خلقہ محققین کے ہاں تعریف یہ ہے سفارۃ بین اللہ وبین ذوی الالباب لازاحۃ عللھم فیما یحتاجون من مصالح الدارین۔

حبب الیہ الخلاء

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خلوت کی محبت ڈال دی گئی اور مخلوق سے منقطع ہونے کا جذبہ پیدا ہوا۔ حضرات صوفیہ اسی وجہ سے فرماتے ہیں کہ جب آدمی پر ذکر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس پر خلوت کی محبت غالب آجاتی ہے۔

ایک اہم سوال

ایک اہم سوال ہے کہ آپ علیہ السلام نے غار حرا ہی کو کیوں اختیار فرمایا؟ حالانکہ غاریں تو اور بھی تھیں تو اس کی تین وجہیں اور

جوابات ہیں۔

جواب نمبر ا

علامہ سہیلی نے الروض الانف میں نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام پہلے ثبیر پہاڑ پر تشریف لے گئے تھے یہ منیٰ میں واقع ہے اس پہاڑ سے آواز آئی اِهبِطْ عَنِّي اِنِّي أَخَافُ اَنْ تُقْتَلَ علی ظهری فَأُعَذَّبَ آپ مجھ سے اتر کر چلے جائیں کہیں آپ مجھ پر قتل کر دیئے گئے تو مجھے اللہ پاک کی طرف سے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اس پہاڑ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبی ہونا معلوم تھا اور ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑوں، شجر و حجر سے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ کی آوازیں سنتے تھے لہذا اس پہاڑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اتر جائیں کہ حفاظت نہ کرنے پر مجھے عذاب نہ ہو جائے کہ حفاظت کیوں نہیں کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار حرا کی طرف سے آواز آئی اِلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ یہ عاشق تھا اس نے انجام پر نظر نہ کی۔

جو آغاز میں فکر انجام ہے
تیرا عشق شاید ابھی خام ہے

جواب نمبر ۲

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبد المطلب اس زمانے میں وہاں جایا کرتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے۔

جواب نمبر ۳

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہاں سے خانہ کعبہ نظر آتا تھا اگرچہ آج عمارات کی وجہ سے نظر نہیں آتا لہذا آپ علیہ السلام غار حرا میں جو عبادت فرماتے تھے اس سے تین فائدے حاصل ہو جاتے تھے (ا) ذکر (۲) فکر (۳) نظر الی الکعبہ۔

خانہ کعبہ کو جو دیکھے تو اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں یہ دنیا کا واحد مکان ہے جس کو دیکھنے پر نیکیاں ملتی ہیں کہ روزانہ ایک سو دس رحمتیں اور نیکیاں نازل ہوتی رہتی ہیں ساٹھ طواف کرنے والے کے لیے چالیس حطیم میں نماز پڑھنے والے کے لیے اور دس دیکھنے والے کے لیے۔

يَتَحَنَّثُ

حِنْثٌ سے ہے بمعنی گناہ اور باب تفعل میں سلب ماخذ کا معنی ہے یعنی گناہ چھوڑنا تو مراد ہوگا عبادت امام بخاری ؒ نے ابن شہاب زہری ؒ سے بھی یہی معنی نقل کیا ہے وَهُوَ التَّعَبُّدُ۔

ذَوَاتُ الْعَدَدِ

آپ علیہ السلام غار حرا میں زیادہ سے زیادہ ایک ماہ اور کبھی پندرہ دن کبھی دس دن ٹھہرے اسی طرح چھ ماہ گزارے لیالی کہا یعنی راتیں اَلْاَیَّامُ یعنی دن نہیں کہا کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ علیہ السلام دن کو عبادت کرتے تھے اور رات کو گھر آجاتے تھے بلکہ آپ علیہ السلام رات کو بھی وہیں رہتے تھے نبی علیہ السلام کی عجیب شان ہے یہ آج سے چودہ سو سال پہلے مکہ سے تین میل دور جب وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا تھا اب بھی وہاں رات کو کوئی نہیں ہوتا آپ علیہ السلام وہاں اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتے تھے۔

سوال

آپ علیہ السلام وہاں کون سی عبادت کرتے تھے؟

جواب نمبر ۱

غور وفکر کرتے اور اللہ پاک کے نام کا ذکر کرتے اور خانہ کعبہ کی زیارت کرتے

جواب نمبر ۲

ملت ابراہیمی کی جو چیزیں شرک سے پاک تھیں اور باقی تھیں وہ عبادت کرتے تھے اس لیے ایک روایت میں یَتَحَنَّفُ یعنی دین حنیف دین ابراہیمی کی عبادت کرتے تھے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یَتَحَنَّفُ ہی تھا مگر عرب لوگ فاء کو ثاء سے بدل دیتے ہیں تو یَتَحَنَّثُ ہو گیا بعض نے موسیٰ علیہ السلام اور بعض نے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کا بھی کہا ہے۔

جواب نمبر ۳

چونکہ نبی نبوت سے پہلے ولی ہوتا ہے اس لیے اللہ پاک الہام فرما دیتے تھے اور آپ ﷺ اس کے مطابق عبادت اور ذکر کرتے تھے وجوہات اور جوابات بہت سے ہیں مگر راجح یہ تین ہی ہیں جو شان پیغمبری کے مطابق بھی ہیں۔

وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ

اس خلوت کے لیے زاد یعنی توشہ لے کر جاتے تھے اور اللہ جل جلالہ پر تَوَكُّل (بھروسہ) کرتے تھے توکل کے معنی ہیں اسباب کا اختیار کرنا اور نظر اللہ جل جلالہ پر رکھنا اسباب کے بغیر تَوَكُّل ادنیٰ درجہ ہے کہ جب اسباب نہ ہوں گے تو نظر اللہ پاک پر ہی ہو گی لیکن اگر اسباب ہوں اور توکل اللہ پاک پر کرے نظر خدا پر رکھے یہ توکل کا اعلیٰ درجہ ہے یہی توکل سنت ہے آپ علیہ السلام

حضرت خدیجہ ؓ کے پاس آجاتے اور اپنے لیے دس پندرہ دن یا کچھ دنوں کا توشہ ساتھ لے کر جاتے۔

حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ

یہاں تک کہ وحی آگئی یہ سترہ رمضان المبارک کی شب تھی اور شب قدر تھی ایک روایت میں ۲۴ رمضان المبارک کی شب تھی بعد میں شب قدر آخری عشرہ میں منتقل ہو گئی صحف ابراہیم یکم رمضان المبارک کی شب، تورات ۶ رمضان کی شب، انجیل ۱۳ رمضان کی شب، زبور ۱۸ رمضان کو نازل ہوئیں۔

جبرائیل علیہ السلام صاحب وحی

آپ علیہ السلام غار حرا میں تھے کہ انسانی شکل میں فرشتہ آیا جبرائیل علیہ السلام وحی لائے ان کے خمیر میں علم شامل کیا گیا ہے فرشتے ویسے تو نور سے بنے ہوئے ہیں لیکن وحی چونکہ خالصتاً علمی معاملہ ہے اس لیے ان کے خمیر میں علم شامل کیا گیا ہے ان کے خمیر کو علم کے دودھ کے ساتھ گوندھا گیا ہے تاکہ وحی لانے کا فریضہ انجام دے سکیں اور انبیاء علیہم السلام کے خمیر میں بھی یہی چیز شامل ہوتی ہے اسی لیے نبی سے بڑا کوئی عالم نہیں ہوتا۔

اقراء

اِقْرَأْ پڑھو تو یہاں امر تلقینی ہے تکلیفی امر نہیں ہے جیسے بچے کو کہتے ہیں پڑھو مکلف نہیں بنا رہے ہوتے۔

ما انا بقارئ کا معنیٰ

نبی علیہ السلام نے فرمایا مَا أَنَا بِقَارِئٍ اگر تو کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جیسا کہ عبید بن عمیر لیثی ؒ کی مرسل روایت محمد بن اسحاق سے ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب سیرۃ ابن ہشام میں نقل کی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے کوئی لکھی ہوئی چیز ایک ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی پیش کی تو فرمایا مَا أَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اُمّی ہوں اس لیے بعض نے فرمایا کہ الٓمٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ میں اشارہ اسی لکھی ہوئی چیز کی طرف ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے حریر اور دیباج کے کپڑے میں پیش کی تھی تو یہاں کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہے گی جو ذٰلِكَ کے اشارہ بعیدہ میں کرنا پڑتی ہیں۔

اور اگر وہ لکھی ہوئی چیز نہیں ہے اور زبانی پڑھا رہے ہیں جیسا کہ جمہور علماء اسی طرف گئے ہیں تو پھر اُمّی ہونا اور مَا أَنَا بِقَارِئٍ کہنا صحیح نہیں کیونکہ تلقین سے ان پڑھ بھی چند الفاظ پڑھ سکتا ہے اور ایسی شخصیت کا کہنا جو عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہیں کہ مَا أَنَا بِقَارِئٍ سمجھ میں نہیں آتا اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت میں پڑھ نہیں سکتا کیونکہ ماحول کی وحشت فرشتے کا آنا، رات

کا وقت اور قرآن کریم کے الفاظ کا وزن یہ ساری چیزیں جمع ہو گئیں تو نبی علیہ الصلاۃ و السلام کی زبان مبارک کیا الفاظ اٹھاتی نہیں تھی تو یہ ہیبت اور وزن و ثقل وحی کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے فرمایا مَا أَنَا بِقَارِی جیسے ایک بولنے والے آدمی کو مجمع میں کھڑا کر دیں تو زبان گنگ ہو جاتی ہے کیوں؟ ماحول کی وہشت کی وجہ سے۔

فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ

الجھد کا اعراب

جھد بفتح جیم بھی ہے اور بضم الجیم بھی ہے اور اعراب رفع ہو تو بلغ کا فاعل ہو گا اور نصب ہو تو بلغ کا مفعول ہو گا اور فاعل جبرئیل علیہ السلام یا غط ہو گا جھد کا معنی طاقت، مشقت اور غایت ہے

معنی یہ ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے لیا اور سینے سے لگا کر دبایا یہاں تک کہ میری طاقت انتہا کو پہنچ گئی یہ ترجمہ اس وقت ہو گا جب جَهْدُ (طاقت) بَلَغَ کا فاعل ہو اور اگر جَهْدُ بَلَغَ کا مفعول ہو تو بَلَغَ کا فاعل غَطّ ہو گا یعنی دبانا مجھے انتہا کو پہنچ گیا اور اگر جبرئیل علیہ السلام فاعل ہیں تو معنی ہے جبرئیل علیہ اسلام کی طاقت دبانے میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

اعتراض

اس معنی پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ فرشتے میں تو بہت طاقت ہوتی ہے تو وہ آپ علیہ السلام نے کیسے برداشت کر لی؟ حالانکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستی الٹا کر ماری ان کی طاقت کیسے انتہا کو پہنچی؟

جواب نمبر ۱

جب کوئی جنس دوسری جنس میں تبدیل ہو جائے تو اس کی طاقت اسی جنس کی طرح ہو جاتی ہے مثلاً جن اگر سانپ کی شکل اختیار کر لے تو اس کی طاقت سانپ جیسی ہوتی ہے ایک ضرب سے مر جاتا ہے لیکن جن اگر اپنی اصل شکل میں آجائے تو سامنے ٹھہرنا بھی مشکل ہے اس لیے اس فرشتے کی طاقت انسان والی ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۲

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طاقت برداشت کرنا آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

تین دفعہ دبانے کی حکمت

(۱) تَخَلِّيْ عَنِ الدُّنْيَا کہ دل دنیا سے خالی ہو جائے کیونکہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ ؓ کے مال سے تجارت کرتے تھے۔

(۲) لِيَتَفَرَّغَ لِمَا يُوحىٰ إِلَيْهِ یعنی جو کچھ وحی ہونے والی ہے اس کے لیے دل خالی ہو جائے۔

(۳) لِلْمُوَانَسَةِ تاکہ اُنس ہو جائے اس لیے تیسری مرتبہ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ نہیں فرمایا جیسے کسی کو گلے لگا کر شاباش دیتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحقیق

حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ نے فرمایا کہ صوفیاء کرام کی تحقیقات کی نظر میں شیخ جو تاثیر اپنے مرید کو منتقل کرتا ہے ان کی چار اقسام ہیں۔

۱) تاثیر انعکاسی

یہ بالکل کمزور تاثیر ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے خوشبو لگائی ہو تو جب تک آپ اس کی مجلس میں بیٹھے رہیں گے خوشبو آتی رہے گی تو جب تک کوئی شیخ کی مجلس میں ہے تو سب ٹھیک ہے جونہی مجلس سے اٹھے گا تو اثر ختم ہو جائے گا۔

۲) تاثیر اِلقائی

یہ تاثیر انعکاسی سے اونچی ہے کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القاء کرتا ہے اور اپنے باطنی نور اور روحانی قوت اور تقویٰ کی طاقت سے اسے تقویت پہنچاتا ہے اس کی مثال چراغ جیسی ہے آپ اپنے چراغ کو دوسرے کے جلتے ہوئے چراغ سے روشن کریں یہ روشن چراغ گھر تک لے جاسکتے ہیں لیکن سخت حفاظت کی ضرورت ہے اگر تیز ہوا چلی تو یہ بجھ جائے گا اسی طرح شیخ اپنے قلب کے انوارات سے مرید کے قلب کو روشن کر دیتا ہے اب مرید کا کام ہے کہ گناہوں کی ہوا سے اس کی حفاظت کرے ورنہ یہ نور بجھ جائے گا۔

۳) تاثیر اصلاحی

یہ تاثیر القائی سے زیادہ قوی ہے اس میں مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں کی مدد سے صاف کر لیتا ہے اور جب شیخ اس پر توجہ ڈالتا ہے تو مرید اپنے شیخ کے انوارات کو قبول کر لیتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی محنت کر کے نہر کھودتا ہے اس کو صاف کرنے کے بعد اس کو دریا سے ملا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں پانی آجاتا ہے اب اس میں کوئی مٹی یا کوئی اور چیز آئے گی تو پانی کے بہاؤ سے وہ چیز بہہ جائے گی لیکن اگر اس نہر میں کوئی شگاف پڑ جائے تو پانی ضائع ہو جائے گا یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی مرید کو اپنے پیر اور شیخ کے بارے میں بدگمانی ہو جائے تو اس کا سارا فیض ضائع ہو جائے گا۔

۴) تاثیراتحادی

اس تاثیر میں مرید اور شیخ دونوں کی روحیں فیض اور انوارات میں یکساں ہوجاتی ہیں گویا کہ مرید اور شیخ کا باطن ایک جیسا ہوجاتا ہے جیسے حضرت خواجہ باقی اللہ ؒ نقشبندی کے طباخ نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا دیجئے حضرت نے انکار کیا اس نے اصرار کیا تو حضرت اسے ایک کمرے میں لے گئے اور اس کو سینے سے لگا کر خوب دبایا جب چھوڑا تو اس کا باطن تاثیر اتحادی حاصل کر چکا تھا مگر اس کا ثقل اس سے برداشت نہ ہوسکا اور چند دن بے ہوشی میں گزار کر چل بسا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پہلی مرتبہ دبایا تو تاثیر القائی حاصل ہوئی پھر دبایا تو تاثیر اصلاحی پھر دبایا تو تاثیر اتحادی حاصل ہوئی اس کے بعد وحی کا تحمل کیا یہ ابتدائی حالت تھی وحی سے پہلے جبرائل علیہ السلام کے برابر آگئے بعد کے کیا کہنے۔ بعد میں آپ علیہ السلام اس قدر آگے نکل چکے تھے کہ ۹ نبوی میں معراج کی رات جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے ساتھ مقام قدس میں جانے سے معذرت کر لی تھی اور عرض کیا کہ ایک قدم بھی بڑھا تو پر جل جائیں گے بعد میں کس قدر بلندی حاصل ہوئی ہوگی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آپ ﷺ کو تاثیر انعکاسی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ ﷺ کا باطن پہلے سے بہت صاف تھا واللہ اعلم۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ پانچ آیات کی تفسیر و تشریح

اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ان آیات میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دلائی گئی ہے۔

نزول قرآن میں اولیت

سب سے پہلے قرآن پاک کی کونسی آیات نازل ہوئیں؟ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہی پانچ آیات نازل ہوئی ہیں جبکہ دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ سورۃ فاتحہ نازل ہوئی اور تیسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ مدثر نازل ہوئی۔

ان تینوں حدیثوں کے درمیان علماء کرام نے یہ تطبیق دی ہے کہ سب سے پہلے یہی پانچ آیات نازل ہوئی ہیں اس کے بعد پوری سورۃ جو نازل ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے اور تین سال تک وحی منقطع ہوجانے کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوئی ہے۔

اِقْرَاء باسم ربك الذى خلق پڑھ اپنے رب کے نام سے یہ کیوں کہا؟ "نام سے" اس لیے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات اور صفات کی حقیقت تک انسان نہیں پہنچ سکتا ذات اور صفات تک اللہ جل جلالہ کے اسماء پہنچاتے ہیں اس لیے بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر کام سے پہلے پڑھا جاتا ہے کہ دنیا میں جو نظام چل رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے چل رہا ہے ذات تو ذات ہے نام کا اتنا اثر ہے پوری کائنات میں اللہ جل جلالہ کا نام چلتا ہے اور نام ہی سے سب کے کام بنتے ہیں یہاں نام کہا ذات نہیں کہا اس لیے کہ ذات کی حقیقت تک ہم نہیں پہنچ سکتے لیکن اس کی ذات اور صفات پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ میرا اور آپ کا سہارا ہیں۔

ربّك

رب وہ ذات ہے جو تدریجاً کسی شئ کو درجہ کمال تک پہنچائے اس لیے یہ لفظ مطلقاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولا جاتا ہے کیونکہ کمال تربیت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لفظ رب کہہ کر چالیس سال تک جس شان سے آپ کی رب نے تربیت کی اس طرف اشارہ ہے اور تسلی دی ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ۔ خلق کے مفعول کو ذکر نہیں کیا کہ کس کو پیدا کیا کہ سب کا سی نے پیدا کیا خلق کے معنی ہیں عدم سے وجود میں لانا تو جو ذات عدم سے وجود میں لاسکتی ہے وہ اُمی کو قاری بھی بنا سکتی ہے۔

خلق الانسان من علق

عَلَق اللہ جل جلالہ نے انسان کو پیدا کیا خون کی پھٹی سے علق اس لیے کہا کہ منی میں اختلاف ہے کہ پاک ہے یا نہیں لیکن خون کے اندر کسی کا اختلاف نہیں سب کے ہاں نجس ہے اگر اللہ پاک صلحاء اولیاء اور انبیاء کو اس علق سے پیدا فرما سکتے ہیں تو آپ کو قاری بنانا کون سا مشکل کام ہے یہ تسلی ہے اور ان دونوں آیات میں اللہ پاک نے صلاحیت بیان کی ہے کہ ہم عدم سے وجود اور نجس سے پاکیزہ چیزیں پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح آپ کے اندر بھی قاری بننے کی صلاحیت رکھی ہے۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ

یہاں تک تو آپ ﷺ کی استعداد کا بیان ہے کہ آپ علیہ السلام میں صلاحیت بہت ہے اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہیں جو ناچیز کو چیز کر دیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام تو پھر بھی صلاحیت والے ہیں چالیس سال عمر ہے فصیح اللسان ہیں آپ ﷺ کے اندر جل جلالہ نے بڑی صلاحیتیں رکھی ہیں یہاں تک تو آپ علیہ السلام کی استعداد کا بیان ہے۔

اقراء وربك الاکرم پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے یہاں اللہ پاک نے اپنی جود و سخا کو بیان کیا ہے کیونکہ افادہ و استفادہ کے لیے استاد بھی کریمانہ شان رکھتا ہو اور اپنا علم دینا چاہتا ہو اور شاگرد بھی باصلاحیت اور لینے کے لیے تیار ہو یہاں اللہ پاک استاد ہیں اور نبی کریم ﷺ شاگرد ہیں تو پہلے بتایا کہ آپ میں صلاحیت ہے اور اس میں بیان فرمایا کہ ہم بھی دینے کے لیے تیار ہیں اور ایسا علم دیں گے کہ اولین و آخرین آپ علیہ السلام کے علم کے محتاج ہو جائیں گے اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا لَوْ کَانَ مُوسٰی حَیاً ما وسعه الا اتباعی اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری شریعت کی اتباع کرنی پڑتی اللہ جل شانہ نے یہاں اپنی شان کو بیان فرمایا ہے کہ ہم بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ آپ کا رب بڑا کریم ہے کریم کہتے ہیں جو غیر مستحق کو بھی نواز دے مستحقوں کو کیسے نہیں نوازے گا۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

اللہ پاک تو وہ ذات ہے جو قلم جیسی بے جان چیز سے علم سکھا دیتے ہیں آپ تو بہت استعداد والے ہیں آپ خیر البشر ہیں آپ کیوں نہ سیکھ پائیں گے اس آیت کے ذریعے اشکال اس کا حل بھی ہو گیا کہ جبرائیل علیہ السلام کی مثال اللہ جل جلالہ اور آپ علیہ السلام کے درمیان قلم کی طرح ہے قلم نہ کاتب سے افضل ہوتا ہے نہ مکتوب سے افضل ہوتا ہے کیونکہ **علم بالقلم** کہہ کر اشارہ کیا کہ جبرائیل علیہ السلام کا درمیان میں واسطہ بمنزل قلم کے ہے اس آیت میں علم کو قلم سے محفوظ کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں علم کسبی کا بیان ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا انسان ماں کے پیٹ سے جاہل پیدا ہوتا ہے کتنا کچھ سیکھ جاتا ہے اللہ جل جلالہ کے لیے آپ کو سکھانا کچھ مشکل نہیں اس آیت میں علم لدنی کی طرف اشارہ ہے جو بلا کسب و اسباب حاصل ہوتا ہے۔

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

پیغمبر علیہ السلام یہ آیات لے کر گھر آئے ''ھا'' ضمیر کا مرجع یہ پانچ آیات ہیں یعنی حضور ﷺ ان پانچ آیات کو لے کر واپس آئے **یرجف فوادہ** آپ کا دل پھڑک رہا تھا دھک دھک کر رہا تھا واقعات کی دہشت اور وحی کے ثقل سے مضطرب تھا اور کپکپاہٹ طاری تھی **فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد** آپ ﷺ اپنی اہلیہ خدیجہ ؓ کے پاس آئے یہ سب سے محبوب بیوی تھیں ان کی موجودگی میں آپ ﷺ نے کسی سے شادی نہیں کی ان کے انتقال کے بعد شادی کی ہے خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ ؓ ہی ہیں آپ ﷺ کی عمر نکاح کے وقت پچیس سال اور ان کی عمر چالیس سال تھی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے بڑی پڑھی لکھی خاتون تھیں آگے ذکر آرہا ہے کہ ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بڑے عالم تھے اور خاندان میں اگر کوئی عالم ہو تو دین کی بات چلتی رہتی ہے اور اپنے خاندان کو دینی معلومات دینا لوگوں کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے حضرت خدیجہ ؓ کے غلام نے جو آثار خیر آپ ﷺ پر دیکھے کہ بادل آپ ﷺ پر سایہ کرتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام کی آوازیں آتی ہیں بحیرہ راہب کا واقعہ بتایا تو آپ ﷺ کے بارے میں ان معلومات سے آپ ؓ سمجھ گئیں کہ آپ کی کوئی بڑی شان ظاہر ہونے والی ہے۔

پس منظر میں اگر یہ بات ہو تو بات سمجھنا آسان ہو جاتی ہے کہ اللہ پاک کی سنت مبارکہ ہے کہ جب کوئی انقلاب لانا ہوتا ہے تو جو لوگ سعید ہوتے ہیں ان کے دلوں میں پہلے سے تیقظ اور بیداری پیدا فرما دیتے ہیں کہ کوئی آنے والا ہے آپ علیہ السلام کی آمد

سے پہلے بھی یہی معاملہ تھا لہذا آپ کے آنے سے پہلے نیک لوگوں کے دلوں میں تیقظ اور بیداری پیدا ہو گئی تھی حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ سے جو نکاح فرمایا اس میں اس بات کا بھی دخل تھا جس کی طرف محدثین نے اشارہ کیا ہے۔

فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو جب کوئی خوف ہو تو وہ کسی چیز کے اوڑھنے اور لپٹنے سے دور ہو جاتا ہے جیسے بچہ خوف کے وقت ماں سے لپٹتا ہے۔

آپ ﷺ نے زملونی فرمایا ہے حالانکہ زَمِّلِیْنِیْ کہنا چاہیے تھا تو جواب یہ ہے کہ ایسے وقت میں انسان لغت اور فصاحت و بلاغت کا خیال نہیں کرتا بعض نے کہا ہے کہ گھر میں اور افراد بھی تھے ان کو مخاطب کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ایسے وقت میں الفاظ کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔

فَزَمَّلُوْہ چادر اوڑھا دی گئی حتیٰ ذھب عنہ الروع یہاں تک کہ ڈر دور ہو گیا رَوْعٌ یہ ایک خاص خوف ہے جو رعب کے ساتھ ہو نہ کہ عام خوف مراد ہے مثلاً بچھو، سانپ وغیرہ کا خوف رَوْعٌ نہیں ہوتا بلکہ خوفِ مجرد ہوتا ہے اور وحی کے ثقل نے آپ علیہ السلام پر رعب طاری کر دیا تھا یہی رَوْعٌ ہے جس سے آپ ﷺ کا قلب مضطرب ہو گیا تھا۔

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کا معنیٰ

فَقَالَ لخدیجۃ واخبرھا الخبر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کو سارا قصہ بیان فرمایا اور فرمایا لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ یہ بہت اہم بات ہے اس کے دو ترجمے ہیں پہلی بات تو سیدھی سادی ہے جو امام نووی ؒ نے فرمائی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں وہ یہ ہے کہ اس کو ماضی کے معنیٰ میں رکھا جائے علامہ سندھی ؒ نے بھی حاشیے میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میں اپنی جان پر ڈر گیا تھا وحی کے بوجھ کی وجہ سے فرشتے کے آنے اور دبانے کی وجہ سے جان نکل جانے کا خوف ہو گیا تھا اور اس سے کوئی غلط استدلال نہیں کر سکتے یہ ماضی کی حکایت بیان کر رہے ہیں مستقبل کی بات نہیں ہے۔

دوسرا معنیٰ مستقبل کا ہے کہ میں اپنی جان پر ڈرتا ہوں علامہ قسطلانی ؒ، ابن حجر عسقلانی ؒ اور عینی ؒ نے یہی معنیٰ مراد لیا ہے بعض لوگوں نے اس سے بڑا غلط مفہوم نکالا ہے شبلی نعمانی ؒ جنہوں نے سیرت کی کتاب لکھی ہے اسی بات کو لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرشتے اور نبوت کو نہیں پہچانا اور پیغمبر ﷺ کو اپنی نبوت کا یقین نہ ہوا جب تک کہ ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کو یقین دہانی نہ کرا دی أَیْقَنَ تب آپ کو یقین آیا اسی لیے شبلی نعمانی ؒ کی سیرت قابل مطالعہ نہیں ہے انہوں نے بہت غلطیاں کی ہیں اور اس پر ہمارے بزرگوں نے خوب کھلم کھلا رد بھی کیا ہے شیعہ نے بھی اس پر لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو یقین نہیں تھا اس لیے وہ آپ ﷺ کی نبوت کے

بارے میں عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس وقت کسی نبی پر نبوت آئی اور وحی آئی ہے تو اس کو اسی وقت ایسے یقین ہو جاتا ہے اپنی نبوت کا جیسے سورج نکل آئے تو ضروری بدیہی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے کے وحی لانے کے بعد تین باتوں کا علمِ ضروری نبی کو حاصل ہو جاتا ہے ایک اپنی نبوت کا دوسرا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تیسرا اس کا معنی و مفہوم کیا ہے۔

اشکال

اگر نبی ﷺ کو اپنی نبوت کا بدیہی و علم ضروری اور یقین حاصل ہو گیا تھا تو اس جملے لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِي کہ میں اپنی جان پر ڈرتا ہوں کا کیا مطلب ہے؟ کہ آپ ﷺ کو کس چیز کا ڈر ہے حالانکہ جب نبوت کا یقین ہو گیا تھا تو پھر تو ڈرنے کی بات ہی نہیں رہی پھر یہ کیوں کہا؟

جواب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا در اصل اعباء نبوت یعنی نبوت کے بوجھ اور ذمہ داریوں کا ڈر تھا کہ جب وحی آئی اور آپ پر نبوت کا بوجھ پڑا تو آپ نے فرمایا "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِي" کہ میں اس بوجھ اور ذمہ داریوں کو کیسے اٹھاؤں گا وحی کے ثقل سے مجھے مرض لاحق ہو جائے گا یا میری جان چلی جائے گی پھر یہ نبوت جیسی نعمت، تبلیغ کی ذمہ داری اور اعزاز سے محروم ہو جاؤں گا "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِي" حقیقتاً اس احساس کا بیان ہے کہ میں ثقل نبوت کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ اپنی ذمہ داریاں نبھا سکوں یا نہ۔ اس بات کو اگر حضرت خدیجہؓ کی تسلی سے ملائیں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے بہت ہی عقلمند خاتون تھیں آپؓ نے عقلی دلیل پیش کی اور آپ ﷺ کے خوف کی نفی کر کے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اتنے اچھے اخلاق اور اوصاف کے مالک ہیں اللہ پاک آپ ﷺ کو ضائع نہیں فرمائیں گے یہ احساس بتاتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو یقین تھا کہ مجھے نبوت مل گئی ہے اور اسی لیے اس کا ثقل اور بوجھ نا اٹھانے کا ڈر پیدا ہو رہا ہے اور حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو تسلی دے رہی ہیں جس طرح کسی آدمی کو کوئی بڑی نعمت حاصل ہو پھر اس کو ڈر ہو کہ میں اس کو کیسے محفوظ رکھ سکوں گا تو اس خوف کا طاری ہونا دلیل ہے اس کے تیقُّن کی۔ قرآن پاک میں بھی ہے کہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کیونکہ خشیت علامت علم ہے آپ علیہ السلام کو یقین ہوا تھا اسی لیے خشیت فرمایا ہے حضرت خدیجہؓ کی تسلی اس سے منسلک ہو جاتی ہے اگر شک والا معنیٰ لیں گے کہ آپ کو نبوت میں شک تھا تو نبی علیہ السلام اور حضرت خدیجہؓ کے قول میں ربط اور جوڑ کیسے پیدا ہو گا آپ علیہ السلام کو علم ہو گیا تھا کہ میں نبی بنا دیا گیا ہوں اور اس کی ذمہ داری میں بوجھ اور ثقل کی وجہ سے کوتاہی کا ڈر تھا اور اسی ڈر پر حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو تسلی دے رہی ہیں لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا۔

خوف کی حکمت

پیغمبر علیہ السلام پر جو خوف و خشیت کی کیفیت طاری تھی دراصل اس میں ایک بہت بڑی حکمت تھی حضرت خدیجہؓ اور ورقہ بن نوفل کو اس سے فوراً یقین ہو گیا تھا کیونکہ جب کوئی خاص دہشتناک واقعہ پیش آتا ہے تو بندہ پر ایک خاص گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے اور اگلے کو یقین کروانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اگر کوئی ہنس ہنس کر بتائے گا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ یوں ہو گیا تھا تو دوسرا آدمی کہے گا کہ بات بنا رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسیوں سے خوف محسوس کیا تھا رنگ بھی پیلا پڑ گیا اور گھبراہٹ سی طاری ہو گئی کہ اتنے سارے سانپ تو میں کیا کروں گا تو جادوگروں نے کہا کہ یہ جادوگر نہیں ہے کیونکہ اگر یہ جادوگر ہوتا تو پہچان لیتا کہ دو نمبر کام ہے اصلی سانپ نہیں ہیں اور یہ بات بھی جادوگروں کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔

اب نبی کریم ﷺ کا خوفزدہ ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے کے یقین کا ذریعہ بن گیا علامہ رازیؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ پر ڈر کی حالت آئی اور وہ بھی چالیس سال کی عمر میں جب کہ آپ بہت بہادر اور جرأت مند ہیں تو یہ خوف کی حالت بنی اسرائیل کے علماء کے لیے یقین کا ذریعہ بن گئی۔

ایک اور جواب

اگر ہم بالفرض مان لیں کہ آپ علیہ السلام نے ابتداء میں فرشتہ کو نہیں پہچانا تو تب بھی آپ علیہ السلام کی نبوت اور اس منصب کے خلاف نہیں بلکہ آپ ﷺ پر جو گھبراہٹ طاری ہوئی اس سے بھی آپ ﷺ کی نبوت پر حرف نہیں آتا۔

حضرت ابراہیمؑ پر دن رات فرشتے آتے تھے جب آدمی کی شکل میں آئے تو نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً آپ علیہ السلام ان کو پہچان نہ سکے اور ان سے خوف محسوس کیا فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ (ہود:۷۰) تو کیا نبوت میں فرق آ گیا؟ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام نے بھی فرشتوں کو نہ پہچانا اور کہا إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ تم بالکل اجنبی لوگ ہو یہ ایک ہی واقعہ ہے کہ یہی فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تھے اور یہی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے بعض نے عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے نہیں ڈرے تھے بلکہ غیر اختیاری طور پر ان کا رعب پڑ گیا تھا اس عذاب کے کوڑے کا جو وہ ساتھ لے کر جا رہے تھے آپ کی صفت أَوَّاهٌ حَلِيمٌ آئی ہے اور حلیم وہ آدمی ہوتا ہے جس کو کسی کے غصے سے گھبراہٹ طاری ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تو فرمایا وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ یعنی پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تو کیا ڈر کر پیٹھ پھیر کر بھاگنے سے ان کی نبوت میں فرق آ گیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط

علیہ السلام کا نہ پہچاننا ان کے منصب نبوت کے خلاف نہیں تو بالفرض والمحال اگر آپ علیہ السلام نے ابتداء میں فرشتے کو نہیں پہچانا تو یہ آپ ﷺ کے منصب نبوت کے خلاف نہیں حتیٰ کہ بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی نہ پہچاننا ثابت ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل حدیث جبرائیل ہے جو کتاب الایمان میں ہے جس میں ایمان، اسلام، احسان اور قیامت وغیرہ کا سوال ہے تو کیا آپ علیہ السلام نہ پہچاننے سے نبی نہ رہے؟ "فافھم"

ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی حکمت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس کیوں لائیں حالانکہ آپ علیہ السلام کو یقین ہو گیا تھا کہ میں نبی بنا دیا گیا ہوں تو جواب یہ ہے حضرت خدیجہ ؓ اپنی تسلی کروانا چاہتی تھیں اس لئے لے گئیں تھیں کہ چچازاد بھائی عالم ہیں ان سے تسلی ہو جائے گی اور مجھے یقین ہو جائے گا یا اپنی خواہش سے لے گئی تھیں ورنہ کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہو مجھے لے چلو اور منع اس لیے نہیں کیا کہ آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کو یقین ہو جائے گا فَاَیْقِنَ کا فاعل ورقہ بن نوفل ہیں کہ ان کو یقین آ گیا۔

حضرت خدیجہ ؓ کا استدلال آپ علیہ السلام کی نبوت پر عقلی تھا ورقہ بن نوفل کا استدلال نقلی تھا اور آگے ہرقل کی روایت آ رہی ہے اس کا استدلال عقلی اور نقلی دونوں ہے۔

فقالت خدیجة کلّا واللہ ما یخزیك اللہ ابداً

حضرت خدیجہ ؓ کا استدلال

حضرت خدیجہ ؓ کتنی ذہین عورت تھیں کہ عقلی دلائل پیش کیا اس بات پر کہ اللہ پاک آپ سے ضرور کام لیں گے آپ بالکل فکر نہ کریں کہتے ہیں کہ اس سے حضرت خدیجہ ؓ کی ذہانت و عقل معلوم ہوتی ہے۔

حضرت خدیجہ ؓ آپ علیہ السلام کو تسلی دے رہی ہیں کہ اللہ پاک آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گا ایک روایت میں "حا" کے ساتھ مَا یُحْزِنُكَ آتا ہے جس کا معنی ہے اللہ پاک کبھی بھی آپ ﷺ کو محروم نہیں کریں گے کیونکہ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ اس لیے آپ صلہ رحمی کرتے ہیں چونکہ آپ میں اوصاف حمیدہ ہیں اور جس آدمی میں اچھے اوصاف ہوتے ہیں اللہ پاک اس کو کبھی ضائع نہیں کرتے یہ استدلال اس بات پر دلیل ہے کہ جو اپنے اندر اچھے اوصاف پیدا کرلے تو اللہ پاک اس کو خیر کے کاموں میں استعمال فرما لیتے ہیں آپ علیہ السلام کا پہلا وصف صلہ رحمی بیان کیا کہ انسان غیر سے تو حسن سلوک آسانی سے کر لیتا ہے لیکن عزیز و اقارب سے صلہ رحمی مشکل کام ہے کیونکہ ان کی طرف سے بہت سے کام ایسے پیش آتے ہیں جو آدمی کی طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں تو جب آپ

علیہ السلام ان سے صلہ رحمی کرتے ہیں تو غیروں سے بطریق اولی حسن سلوک کرتے ہوں گے۔

آپ ﷺ کی پرورش آپ ﷺ کے چچا کے گھر میں ہوئی تھی چنانچہ غیروں نے تو کیا جھٹلانا تھا سب سے پہلے اپنوں نے جھٹلایا اس کے باوجود صلہ رحمی کرنا آپ ﷺ کے کمال اخلاق کی دلیل ہے۔

وَتَحْمِلُ الْكَلَّ آپ ﷺ بوجھ اٹھاتے ہیں اَلْكَلَّ سے مراد اپاہج، بوڑھے بیمار اور نا کارہ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ان کے خرچ کی ذمہ داری لی ہوئی ہے کوئی بیوہ کوئی یتیم ہو آپ ﷺ ان کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہیں اسی طرح معنوی اور حسی دونوں میں سے کوئی ذمہ داری ہو آپ ﷺ اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں جیسے ذمہ داری کی مثال جو بیت اللہ کی تعمیر پر حجر اسود رکھوانے کے جھگڑے میں آپ نے ذمہ داری اٹھائی۔

وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ اور آپ علیہ السلام معدوم کو کسب کرتے ہیں معدوم کا معنیٰ وہ مال جو موجود نہیں اس کو کسب کرنے کا فن بھی آپ ﷺ جانتے ہیں اللہ پاک نے آپ ﷺ کو تجارت کرنے میں بڑی مہارت دی تھی مال کمانا اور خرچ کرنا دونوں کی صلاحیت رکھتے تھے اس لیے کہتے ہیں پیغمبر ﷺ تجارت میں بھی بڑے نصیبوں والے تھے جس چیز میں ایک مرتبہ ہاتھ ڈال دیتے برکتوں کا دروازہ کھل جاتا کَانَ مَحْظُوْظَ التِّجَارَةِ کہ آپ ﷺ تجارت میں بہت نصیب والے تھے لیکن نبوت ملنے کے بعد تجارت یا کوئی اور کام نہیں کیا اس لیے کہ اب سرکاری کام ذمہ لگ گیا تھا۔

اور بعض نے معنیٰ کیا ہے وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ کہ آپ ﷺ اپنے غیر کو معدوم کا کسب کراتے تھے یعنی جو آدمی غریب و مسکین ہوتے تھے ان کو آپ ﷺ مال دیا کرتے تھے ان پر مال خرچ کرتے تھے تو عبارت ہوگی وَتَكْسِبُ غَيْرَكَ المعدومَ اور بعض نے فرمایا کہ آپ ﷺ غریب کو صاحب کسب بنا دیا کرتے تھے وہ آدمی جس کے پاس ذریعہ معاش نہ ہوتا تو اسے کام کاج میں لگا دیتے تھے جیسے ایک صحابی آیا کہ اللہ کے نام پر کچھ دیں آپ ﷺ نے اس کا ٹاٹ اور پیالہ بیچ کر کلہاڑی اور رسی لے دی اور فرمایا کہ لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔

وَتَقْرِی الضیف اور آپ ﷺ مہمان نوازی کرتے ہیں یہ بہت اونچے اوصاف میں سے ہے۔

وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ نَوَائِبُ نَائِبَةٌ کی جمع ہے اور نائبۃ آفت سماوی کو کہتے ہیں یعنی آسمانی آفتیں اَلْحَقُّ اس لیے کہا کہ بعض نائبۃ حادثات اور واقعات صحیح ہوتے ہیں اور بعض شر ہوتے ہیں آپ ﷺ شر میں حصہ نہیں لیتے تھے وجوہ خیر میں حصہ لیتے تھے اگر کوئی آسمانی آفت آتی تھی تو آپ ﷺ تعاون کرتے تھے مثلاً کسی بے گناہ پر کوئی ڈنڈیا چٹی پڑ گئی تو اس میں آپ تعاون کرتے تھے کوئی وبا پھیل گئی یا مسافر غریب تھا تو زاد راہ دے دیا یا حاجیوں کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو اس طرح کی آفتوں میں آپ ﷺ تعاون کرتے تھے جو صحیح و رحق قرار دیئے جاتے ہیں لیکن اگر قوم آپس میں جنگ کر رہی ہے یا ظلم کرنے میں ایک

دوسرے کا تعاون کر رہے ہیں تو اس میں آپ نے کبھی حصہ نہیں لیا بلکہ صلح کروا دیتے تھے آپ علیہ السلام نوائب حق تو خیر میں مدد کرتے تھے شر میں نہیں۔

فانطلقت به خديجة (حضرت خدیجہ ؓ آپ کو لے گئیں) کسی روایت میں بھی نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے کہا ہو کہ مجھے کسی بڑے کے پاس لے جاؤ کہ میں تسلی کر لوں میرے ساتھ کیا ہو گیا۔ خدیجہ ؓ خود لے گئیں کہ ورقہ بن نوفل میرا چچازاد بھائی ہے اور عالم ہے ہم اس کے پاس چلتے ہیں اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے یہ کیا ہے خود آپ چاہ رہے تھے کہ لوگوں کو آپ کی نبوت پر یقین آئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا دیا کیونکہ پہلی وحی کے آتے ہی نبی کو اپنی نبوت کا یقین ہونا ضروری ہے۔

نبی کو علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اپنی تسلی کے لیے نہیں کہ مجھے تسلی ہو جائے کہ میں نبی بنا دیا گیا ہوں حضرت خدیجہ ؓ اپنی تسلی کے لیے لے گئیں آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے لے چلو۔

حتى اتت به ورقه بن نوفل بن اسد بن عبد العزى ابن عم خديجة حضرت خدیجہ ؓ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں خویلد اور نوفل دونوں بھائی ہیں حضرت خدیجہ ؓ خویلد کی بیٹی ہیں اور ورقہ نوفل کے بیٹے ہیں اور یہ دونوں اسد کے بیٹے ہیں۔

وَكَانَ امرأ تَنَصَّرَ فى الجاهلية

اور ورقہ بن نوفل ایسے آدمی تھے جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے یہ اور عمرو بن نفیل جو حضرت زید ؓ کے والد ہیں دونوں حق کی تلاش میں نکلے تھے ورقہ کو تو عیسائی پادری مل گیا اس لئے وہ عیسائی بن گئے اور عمرو بن نفیل یہ واپس آ گئے انہیں کہیں حق نظر نہیں آیا اور آ کر خانہ کعبہ کو چمٹ گئے اور کہنے لگے اے اللہ میں مذہب ابراہیم پر ہوں نہ وہ بتوں کو پوجتے تھے نہ حرام کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی روکتے تھے اور آخر دم تک اسی پر قائم رہے حضرت عمر ؓ کی بہن کے سسر ہیں جو لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے ان سے خرید کر یہ پال لیتے تھے حتی کہ سو سو بچیاں گھر میں ہوتی تھیں جب بچیاں جوان ہو جاتیں تو یہ ان کے والدین سے کہتے کہ اگر تم اپنی بچیوں کو واپس لینا چاہتے ہو تو لے لو اگر وہ آمادہ ہو جاتے تو ٹھیک ورنہ وہ اسی طرح ان کی کفالت کرتے رہتے اور ان کی شادیاں کر دیتے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں توحید پر تقریریں کرتے تھے اور ورقہ عیسائی ہو گئے تھے۔

كان يكتب الكتاب العبرانى فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب

آپ عبرانی زبان میں لکھتے تھے عبرانی عبور سے نکلا ہے عبرانی وہ زبان ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دریائے فرات عبور کرتے ہوئے ملی تورات عبرانی زبان میں ہے اور انجیل سُریانی زبان میں ہے شام کو سوریا کہتے ہیں اسی کی نسبت سے

سریانی ہے کہ یہ اہل شام کی زبان ہے اور قرآن پاک عربی میں ہے بعض فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام پر وحی عربی میں نازل ہوئی تھی مگر وہ اپنی زبان میں بیان کرتے تھے حضرت ورقہ نے کبھی عربی میں کبھی سریانی میں جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا نسخے لکھے یعنی تراجم کے ساتھ ایک زبان سے دوسری زبان میں تورات وانجیل منتقل کر دیا کرتے تھے۔

زبانی یاد کرنا تو صرف قرآن کریم کا خاصہ ہے یعنی پہلی کتابوں کی حفاظت لسانی یعنی یاد کرنا نہیں تھی بلکہ ان کی حفاظت کتابت کے ساتھ تھی اور لکھنے میں اگر غلطی ہو جاتی تو وہ آگے سے آگے منتقل ہوتی چلی جاتی تھی اس لیے سب کتابیں محرّف یعنی تحریف شدہ ہو گئیں

وَكَانَ شيخاً كبيراً قَدْ عَمِيَ حضرت ورقہ بڑی عمر کے آدمی تھے جو بعد میں نابینا ہو گئے تھے **فقالت له خديجة يا ابن عم** حضرت خدیجہ ؓ نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے **اسمع من ابن اخيك** اپنے بھتیجے سے سنو ایک طرف حضرت خدیجہ ؓ ان کو چچا زاد بھائی کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف فرمایا اپنے بھتیجے سے سنیں یہ بات اشکال کا سبب بنتی ہے تو جواب یہ ہے کہ ورقہ نے آپ ﷺ کو بھتیجا عمر کے فرق کی وجہ سے کہا تھا کہ آپ ﷺ کی عمر کم تھی اور حضرت خدیجہ ؓ نے ان کو چچا زاد بھائی کہا جو اس حدیث میں منقول ہے جبکہ مسلم کی روایت میں اے میرے چچا بھی منقول ہے تو یہ اس وجہ سے کہا کہ عرب میں بڑی عمر والے کو اسی طرح بھی پکار لیتے ہیں اور چھوٹی عمر والے کو بھتیجا بھی کہہ دیتے ہیں۔

فقال ورقه يا ابن اخي ماذا ترىٰ ورقہ نے کہا بھتیجے تو نے کیا دیکھا **فاخبره رسول الله ﷺ خبر ما رأى** آپ ﷺ نے خبر دی جو کچھ دیکھا تھا ورقہ بن نوفل تورات اور انجیل کے عالم تھے انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی نشانیاں پڑھیں تھیں اس نے کہا **فقال له ورقة هذا الناموس الذى نزل الله على موسىٰ** ورقہ بن نوفل نے سن کر عرض کیا کہ یہ تو وہ راز داں ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اللہ پاک نے نازل کیا تھا ناموس اس لیے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ناموس ہیں یعنی صاحب سرّ اور راز داں خیر کا راز داں ناموس ہے اور شر کا راز داں جاسوس ہے بعض نے کہا کہ دونوں مطلقاً راز داں کے معنیٰ میں استعمال ہو جاتے ہیں چاہے راز داں خیر کا ہو یا شر کا فرمایا یہ وہی (جبرائیل علیہ السلام) ہیں جو نبیوں کے راز داں ہیں اور وحی لاتے ہیں۔

اشکال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا نام لیا حضرت عیسیٰؑ کا نام کیوں نہ لیا حالانکہ ورقہ بن نوفل خود عیسائی تھے اور وہی مذہب حق تھا اس وقت؟

جواب نمبر ا

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا نہ یہودیوں اور نہ عیسائیوں کو لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی یہودی تکذیب کرتے تھے اس لیے ان کا نام نہیں لیا۔

جواب نمبر ۲

دوسرا جواب یہ ہے کہ ورقہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام اس لیے لیا کہ آپ کی نبوت کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے مماثلت تھی اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات کار نبوت اور موسیٰ علیہ السلام کے آپس میں ملتے جلتے ہیں اس لیے جتنا ذکران کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینے میں آیا ہے اتنا کسی اور پیغمبر کا نہیں آیا چنانچہ جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں دیں تو اللہ پاک نے فرمایا 'یا ایھا الذین آمنوا لَا تَکُوْنُوا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْ مُوْسیٰ فَبَرَّاَہُ اللہ مِمَّا قَالُوْا الخ' (الاحزاب:۶۹) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ کی شان نبوت سب سے زیادہ ملتی جلتی ہے اسی لیے فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلاً شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلیٰ فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلاً (المزمل ۱۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے بہت مشابہت ہے تمام نبیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سب سے بڑی امت موسیٰؑ کی ہے سب سے دیر تک جو مذہب رہا ہے وہ بھی موسیٰؑ کا ہے اس کے بعد اسلام آیا جو اس مذہب پر چھا گیا اس لیے سب سے زیادہ ہمارا دشمن یہودی ہے عیسائی دشمن نہیں ہیں وہ یہودیوں کے ہاتھوں استعمال ہو رہے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے بعد تائب ہو جائیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے اور یہود قتل کر دیے جائیں گے۔

تورات اپنے زمانے کی جامع کتاب ہے بنسبت انجیل کے کہ انجیل میں صرف وعظ و نصیحت کی باتیں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو سب سے جامع کتاب قرآن پاک نازل کی گئی۔

یالیتنی فیھا جذعًا اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا یالیتنی اکون حیاً کاش میں اس وقت زندہ ہوتا اذ یخرجك قومك جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکالے گی یہ اس لیے کہا کیونکہ وہ تورات اور انجیل میں پڑھ چکے تھے

فَقَالَ رسول اللہ ﷺ اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ہر گھر میں مجھے صادق الامین کہا جاتا ہے اتنی محبتیں مجھ سے کرتے ہیں پھر بھی نکالیں گے قَالَ نَعَمْ کہا ہاں لم یأت رَجُلٌ قَطُّ نہیں کوئی آدمی لے کر آیا بمثل ما جئت بہ ایسی چیز جو تو لے کر آیا ہے الا عودی مگر اس کے ساتھ دشمنی کی گئی ہے آپ بات کریں گے دشمنی ہو گی وان یدرکنی یومك اگر مجھے وہ دن مل گیا جس دن آپ کو عام دعوت کا حکم ہو گا لوگ آپ کے مخالف ہوں گے اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا میں آپ

کی بڑی مضبوط مدد کروں گا یعنی تقریری دلائل کے ساتھ اور تورات وانجیل کی پیشگوئیوں کے ساتھ ثم لم ینشب ورقة ان توفی پھر ورقہ نہیں ٹھہرے فوت ہو گئے

ورقہ بن نوفل کے ایمان کا قصہ

پیغمبر علیہ السلام نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید لباس میں ملبوس ہیں اور یہ جنتیوں کی علامت ہے اس لیے کہ وہ ایمان لا چکے تھے ان کو صحابہ میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ صحابیت رسالت کے بعد ہوتی ہے اور آپ علیہ السلام تین سال کے بعد رسول بنے نبوت تو مل گئی لیکن رسول اس آیت "يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ" (المدثر: ۱، ۲) کے نازل ہونے کے بعد بنے ہیں۔

ورقہ ایمان تو لے آئے تھے اور ان کا ایمان معتبر بھی ہے اور خود خواب والی بشارت بڑی بشارت ہے لیکن صحابہ میں شمار نہیں کیا گیا گرچہ بعض محدثین نے صحابہ میں شمار کیا ہے صحابہ کے حالات لکھتے وقت ان کو پہلا صحابی لکھا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن وہ صحابی نہیں ناجی ضرور ہیں یہ ان کے اسلام اور ایمان کی علامت ہے لیکن دعوت کے بعد جو صحابہ بنے ان میں صدیق اکبر ؓ اول نمبر پر ہیں یہی راہب کا قصہ ہے کیونکہ وہ ایمان لے آئے تھے اور اس قسم کی بشارتیں ان کے ساتھ بھی ہیں۔

وفترُ الوَحیُ اور وحی منقطع ہو گئی "فتر" "فُتُور" سے ہے یعنی سست ہو جانا فترۃ الوحی وحی کا مدت خاص کے لیے منقطع ہو جانا یعنی وحی کا دو چار دن کے لیے نہیں خاص مدت کے لیے رُک جانا کیونکہ وحی کا آنا اسی طرح ہوتا تھا کہ کبھی دو دن بعد، تین دن بعد یا کچھ زیادہ دن بعد لمبی مدت کے لیے منقطع ہونے کو فترہ وحی کہا جاتا ہے۔

پہلی مرتبہ وحی کے بعد انقطاع کے بارے میں مختلف اقوال ہیں چھ ماہ، دو سال، اڑھائی سال اور تین سال آخری قول راجح ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سال تک وحی نہ آئی۔

فترۃ الوحی کے مقاصد

(۱) پہلی وحی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رعب دبدبہ اور جسمانی تکلیف ہوئی تھی اور ان کا قلب پر ایک خاص اثر ہوا تھا گر مسلسل وحی آ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فوت ہو جانے یا بیمار پڑ جانے کا خدشہ تھا پہلی وحی کے بعد جو انقطاع کرایا گیا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آرام کرانا مقصود تھا۔

(۲) دوسرا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں وحی کا شوق پیدا ہو کیونکہ وحی کی لذت بہت عجیب ہے یہ تو انبیاء علیہم السلام ہی جانتے ہیں دنیا کی لذتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا اشتیاق ہو جاتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑوں پر چڑھ

جاتے تھے کہ میں اپنے آپ کو گراتا ہوں اب وحی کیوں نہیں آرہی حضرت جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے اِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ حقًّا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور حضرت میکائیلؑ بھی تسلی دینے کے لیے آتے تھے تب جا کر آپ علیہ السلام کا جوش ٹھنڈا ہوتا تھا ورنہ آپ علیہ السلام اپنے آپ کو گرانے خود کشی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے اس وقت خود کشی کے بارے میں شریعت کا حکم نہیں آیا تھا اور دوسرا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ایسا نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلانگ لگائی ہو بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کو تسلی دینے کے لیے آتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوش ٹھنڈا ہو وہ کہتے تھے اِنك رسول الله حقاً حضرت اسرافیل علیہ السلام آتے تھے اس لیے کہ وہ روحوں کے پھونکنے پر متعین ہیں اور قرآن مجید بھی روح ہے تو ان کو پیغمبر علیہ السلام کی روح میں استعداد پیدا کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا تا کہ روح (رُوْحٌ مِّنْ اَمْرِنَا) قرآن کا تحمل آسان ہو جائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کی تربیت حضرت اسرافیلؑ اپنے طریقے سے کرتے رہے جب شدت شوق ہو تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے چنانچہ اس فترۃ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال ۲۴ ہزار مرتبہ وحی کا تحمل کیا

(۳) تیسرا مقصد یہ تھا کہ فراق (کچھ دوری) اختیار کی جائے کیونکہ فراق کا غم بھی تربیت کا ایک حصہ ہے غم فراق سے بھی روحانی تربیت ہوتی ہے بسا اوقات ایک انسان جو سو فیصد اعمال کا پابند ہے اللہ جل شانہ اس سے ایسی خطا کرا کر حجاب میں کر دیتے ہیں جس سے وہ ختم ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں پھر فضل مولیٰ کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے اپنے اعمال پر سے نظر ختم ہو جاتی ہے اب وہ روتا پیٹتا ہے کہ اللہ پاک نہ سنبھالے تو میں کچھ بھی نہیں ہوں اس لیے بسا اوقات ناقصین اور کاملین کے اعمال ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن دونوں کی سوچ الگ الگ ہوتی ہے ایک کو اس کام کا غم ہو گا دوسرا خوشی سے کر رہا ہے مع دغدغة الفراق محدثین نے اس کو لکھا ہے کہ دوری کا غم کرانا مقصد تھا مختصر المعانی میں شعر ہے۔

سَاَطْلُبُ بعد الدار عنكم لتقربوا

میں تم سے دوری اس لیے طلب کرتا ہوں تا کہ قریب ہو جاؤ دوری قربت کا ذریعہ بنتی ہے میرے شیخ عارف باللہ حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رکوع کے بعد فوراً سجدہ نہیں رکھا کیونکہ رکوع بھی ایک طرح کا سجدہ ہے اب دور ہو جاؤ قومہ کرو اس دوری کے بعد اتنے قریب ہو جاؤ کہ پاؤں میں آ گرو۔

ان تین وجوہات کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فترۃ وحی کرائی گئی ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کیلئے دوسرا اشتیاق پیدا کرنے کے لیے اور تیسرا یہ کہ غم فراق برداشت کریں۔

نزول وحی بعد فترۃ الوحی

قال ابن شہاب واخبرنی ابو سلمہ...

بعض لوگوں نے فرمایا کہ امام بخاری ؒ نے تعلیق ذکر کی ہے تعلیق کہتے ہیں کہ درمیان سے سند چھوڑ دی جائے اور اوپر کے راوی کو ذکر کر دیا جائے دلیل ان کی یہ ہے کہ امام بخاری ؒ اور امام زہری ؒ کی ملاقات نہیں ہوئی امام زہری ؒ تابعی ہیں اور امام بخاری ؒ ان سے سو سال بعد کے ہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے یہ تعلیق نہیں ہے بلکہ تحویل سند ہے اور تحویل میں کبھی نیچے ایک سند اور اوپر کئی اسناد ہوتی ہیں اور کبھی نیچے سے کئی سندیں اور اوپر سے ایک سند ہوتی ہے لہذا امام بخاری ؒ نے حضرت عائشہ ؓ کی جو روایت ذکر کی ہے حدثنا یحییٰ ابنُ بُکَیرٍ قَالَ اَخبَرَنَا اللَّیثُ عَن عُقَیلٍ عَنِ ابنِ شِھَابٍ الخ ابن شہاب ان کو امام زہری کہتے ہیں بہت بڑے تابعین میں سے ہیں تو حضرت امام زہری ؒ کے دو استاد ہیں ایک عروہ عن عائشہ ؓ اور دوسرے اَبُو سَلِمَۃَ عَن جَابِرِ بنِ عَبدِاللہِ الاَنصَارِیِ ؓ سند یحییٰ بن بکیر ؒ سے ابن شہاب تک ہے اور ابن شہاب زہری ؒ یہاں مدارِ سند ہیں یہاں سے دو سندیں بن گئیں ایک حضرت عائشہ ؓ کی روایت اور دوسری حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کی روایت جو آگے آ رہی ہے چنانچہ ابن شہاب زہری ؒ سے تحویل سند ہوئی ہے حضرت امام بخاری ؒ نے تحویل سے پہلی سند اپنے متن میں ذکر کر دی ہے اس لیے یہ تعلیق نہیں بلکہ اتّصالِ سند ہے اور تحویل سند ہے گویا کہ ابن شہاب زہری ؒ سے دو سندیں بن گئیں۔

قال ابن شہاب واخبرنی ابوسلمۃ بن عبدالرحمن ان جابر بن عبداللہ الانصاری اب جابر بن عبد اللہ کی روایت سے آخری ٹکڑا لا رہے ہیں امی عائشہ ؓ کی حدیث ختم ہو چکی ہے امی عائشہ ؓ کی حدیث میں یہ آخری ٹکڑا نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کی روایت اب ذکر کر رہے ہیں حضرت جابر ؓ کی روایت بالکل حضرت عائشہ ؓ کی طرح ہے لیکن جابر ؓ کی روایت میں یہ ٹکڑا زیادہ ہے اس لیے اس کو الگ ذکر کر رہے ہیں۔

قال وھو یحدث عن فترۃ الوحی وہ اب فترۃ وحی کے متعلق بتا رہے ہیں **ھُو** ضمیر کا مرجع کون ہے عام محدثین نے جابر بن عبد اللہ کو بنایا ہے کہ جابر بن عبد اللہ جب حدیث بیان کر رہے تھے تو انہوں نے یہ بات بتائی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام کے الفاظ ہیں حضرت جابر ؓ صحابی کہہ رہے ہیں **وھو** سرکار دو عالم ﷺ حدیث خود بیان فرما رہے ہیں فترۃ وحی کے بارے میں لہذا یہاں **ھو** کا فاعل اور مرجع پیغمبر ﷺ ہیں اور **قال** کا فاعل جابر بن عبد اللہ ہیں۔

عن فترۃ الوحی پیغمبر ﷺ فترۃ وحی کے بارے میں فرما رہے تھے **فقال فی حدیثہ** پیغمبر ﷺ نے اپنی گفتگو میں فرمایا **بینا انا امشی** اس فترۃ وحی کے بعد جو اڑھائی یا تین سال کی مدت تھی آپ ﷺ غار حرا میں خلوت فرماتے تھے بے چین ہو

جایا کرتے تھے کیونکہ وہیں سے تو وحی ملی تھی جب آپ ﷺ غار حرا سے اتر کر آ رہے تھے تو جبرائیلؑ دوبارہ آئے اِذْ سَمِعْتُ صَوتاً مِّنَ السَّمَآءِ کہ میں نے آواز سنی آسمان کی طرف سے زور سے آواز آئی حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھا کیونکہ وہاں غار حرا میں تو سناٹا چھایا ہوا تھا وہاں تو آبادی نہ تھی کون ہے؟ فرفعت بصری جب میں نے اپنی نگاہ کو بلند کیا فاذا الملك الذی جآءنی بحرآء وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بین السَّمَآءِ والارض آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے جبرائیلؑ اپنی اصل شکل میں آئے ہوئے تھے چھ سو پروں کے ساتھ جن میں ہیرے جواہرات اور موتی جڑے تھے اور کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اتنے بڑے تھے کہ پورا آسمان بھرا ہوا تھا پیغمبر ﷺ نے جبرائیلؑ کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ تو اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ غارِ حرا میں اور دوسری مرتبہ واقعہ معراج میں جو سورۃ النجم میں موجود ہے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ... الخ (النجم:۱)۔ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فرمایا پھر مجھ پر رعب طاری ہو گیا اللہ کی اتنی بڑی مخلوق پھر وہی تھا جو اس دن اصلی شکل میں آئے تھے۔

فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ دوسری روایت میں دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ ہے اور یہ زیادہ انسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَنْزَلَ اللہُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے چادر اوڑھنے والے قُمْ کھڑا ہو جا فَاَنْذِرْ ڈرا انذار اور خوف دلانے میں فرق ہے خوف مطلقاً ڈرانے کو کہتے ہیں اور اِنْذار اس سے مراد انجام بد سے ڈرانا اس سے ہر ایک نہیں ڈرتا صرف وہی ڈرتا ہے جس کی عقل درست و صحیح ہو۔

قُمْ فَاَنْذِرْ سب سے پہلے نذیر ہونے کا ذکر کیا ہے بشیر ہونے کا نہیں کیونکہ اس وقت سبھی کفار تھے اس لیے ان کے لیے اِنْذارْ ہے اور بشیر تو مسلمانوں کے لیے ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ دوسری وجہ عاقبت بد سے ڈرانا یہ عقلمند کے لیے ہے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی اور عظمتوں کو بیان کرو کَبِّرْ کا معنی تکبیر کا نعرہ لگانا نہیں ہے رَبَّكَ فَكَبِّرْ ''ای عَظِّمْ'' اس میں دونوں چیزیں ہیں یعنی خود بھی تعظیم کرے اور دوسروں کو بھی تعظیم کا سبق دے کسی کا ڈر دل میں اس وقت ہوتا ہے جب اس کی عظمت دل میں ہو گی لیکن جب عظمت دل میں نہ ہو گی تو پھر ڈر بھی نہ ہو گا پہلے انذار کو ذکر کیا تو اس کے ساتھ ہی اس چیز کو ذکر کیا جس سے اس کے ساتھ فائدہ حاصل ہو گا اور وہ چیز اس کے لیے مفید ثابت ہو گی وہ اللہ جل شانہ کی عظمت ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے جیسے پہلے پاک رکھتے ہو ایسے ہی پاک رکھو پاک کرو نہیں کہا اس لیے کہ کپڑے تو پہلے بھی پاک ہی تھے پہلے کوئی (نعوذ باللہ) ناپاک نہیں تھے بلکہ پاک تھے فرمایا پیغمبر جس طرح آپ اپنے کپڑوں کو پہلے پاک اور پاکیزہ رکھتے ہیں اسی طرح پاک رکھیں۔

بعض نے ثیاب سے مراد نفس لیا ہے کہ نفس کو رذائل اخلاق سے پاک رکھیے ان کے نزدیک ثیاب سے مراد یہی ہے جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے فُلان طاهر الثياب ہے یعنی ہر اعتبار سے اچھے اخلاق والا ہے جیسے ہم محاورے میں کہتے ہیں فلاں

شخص پاک دامن ہے اسی طرح یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے دامن میں ناپاکی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی عادات واخلاق اچھے ہیں پہلے انذار کا حکم دیا اس کے بعد تعظیم کا پھر ظاہری اور باطنی پاکیزگی کا کیونکہ طاہر ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مورد ہوتا ہے اسی طرح کپڑے کی طہارت کا حکم دیا ہے تو باطن کی طہارت تو بدرجہ اولی واجب ہوگی یہاں ثیاب کا مدلول نفس نہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کپڑے کی طہارت کا حکم ہے تو نفس کا بطریق اولی حکم ہوگا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ بتوں کو چھوڑے رکھیں جیسے پہلے چھوڑے رکھا ہے ویسے اب بھی چھوڑے رکھیں بعض نے بتلایا کہ پہلے فطرتِ سلیمہ کی بناء پر چھوڑے رکھا حکم الٰہی کی وجہ سے چھوڑے رکھیں بعض نے رجز سے مراد گندگی لیا ہے۔

الفاظ بیعت

اسی طرح بیعت کے وقت جب شیخ بیعت لیتا ہے کہ نماز پڑھیں گے روزہ رکھیں گے بعض کہتے ہیں نماز، روزہ پہلے بھی کرتے ہیں اب کہلوانے کی کیا ضرورت ہے مراد یہ ہے کہ کر رہے ہیں آئندہ بھی کریں گے زنا نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے مراد یہ ہے کہ پہلے بھی نہیں کرتے اب بھی نہیں کریں گے یہ پیغمبر ﷺ سے کہلوایا جارہا ہے بس ہمارا تصوف بلا دلیل نہیں ہے

ہماری آہ بے سبب تو نہیں
ہمارے زخم سیاق و سباق رکھتے ہیں

فَحَمِيَ الْوَحْيُ وحی گرم ہوگئی جب چیز چلنے لگتی ہے کثرت سے آنے لگتی ہے تو اس وقت بولا جاتا ہے کہ گرم ہوگئی مثلاً کہا جاتا ہے آج کل بازار گرم ہے کیا مطلب ہے یعنی خوب چل رہا ہے۔

تَتَابَعَ یعنی آپ ﷺ پر وحی پے در پے آنے لگی اور مسلسل وحی آئی تتابع کہتے ہیں تتابع المطر (موسلا دھا بارش) ایسی مسلسل وحی آرہی ہے کہ صبح وحی، شام وحی، دوپہر وحی یعنی مسلسل وحی آرہی ہے بعد میں کبھی آپ ﷺ پر وحی کا انقطاع نہیں ہوئی۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات

حضرت جابرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ مدثر کی آیات پہلے نازل ہوئیں لیکن حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اقراء کی پانچ آیات پہلے نازل ہوئیں عبید بن عمیر لیثیؒ کی مرسل روایت سے سورہ فاتحہ کا نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور تینوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے أَوَّلُ الْوَحْيِ تو سب سے پہلے آپ ﷺ پر سورۃ علق کی پانچ آیات نازل ہوئیں جب آپ ﷺ نے فرمایا مَا ذَا أَقْرَءُ تو پھر اس کے فوراً بعد سورہ فاتحہ نازل ہوئی اور اسلام کے ہر زمانے میں نماز پڑھی جاتی رہی اور ہر نماز میں فاتحہ ہوتی تھی اور کوئی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں پڑھی گئی اور تین سال وحی بھی نہیں آئی تو پتا چلا کہ فاتحہ نازل ہوگئی تھی لہذا سورہ فاتحہ، سورۃ

"علق" کی پانچ آیات اور سورۃ مدثر کے درمیان نازل ہوئی تیسری بات یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ اجمال اور خلاصہ ہے پورے قرآن پاک کے لیے اور اجمال تفصیل سے پہلے ہوتا ہے اسی طرح اساس اور خلاصہ پہلے آتا ہے جیسے بیج پہلے شجر بعد میں بنیاد پہلے عمارت بعد میں فصاحت و بلاغت میں بھی اجمال پہلے تفصیل بعد میں تفصیل کے بعد اجمال بھی مستحسن ہے مگر اجمال کے بعد تفصیل زیادہ افضل ہے عقل کا تقاضہ بھی ہے کہ پہلے اجمال ہو پھر تفصیل ہو چنانچہ محدثین نے بھی بیان کیا ہے کہ اقراء کی آیتوں کے فوراً بعد جو مَقْرُوءٌ ہے وہ سورۃ فاتحہ ہے فترۃ وحی کے بعد سورۃ مدثر نازل ہوئی تو پہلے اقراء کی پانچ آیات پھر فاتحہ اور فترۃ وحی کے بعد سورۃ مدثر نازل ہوئی آیات کے نزول کے اعتبار سے اوّلیت اقراء کو پھر سورۃ کے بعد اعتبار سے اوّلیت فاتحہ کو اور فترۃ وحی کے بعد نزول میں اوّلیت مدثر کو حاصل ہے۔

تابعه عبدالله بن یوسف وابو صالح وتابعه هلال بن رداد عن الزهری وقال یوسف ومعمر بوادره۔

متابعت کا معنی

متابعت کہا جاتا ہے کہ ایک راوی کی دوسرا راوی مطابقت اور تائید کرے سند اور متن میں تو اس عمل کو متابعت کہتے ہیں دوسرے راوی کو متابع (صیغہ اسم فاعل) اور پہلے راوی کو متابَع (صیغہ اسم مفعول) کہتے ہیں اور جس استاد سے متابعت شروع کی جاتی ہے وہ متابع علیہ کہلاتا ہے اس سے سند قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

اس کی چار قسمیں ہیں

(۱) متابعت تامہ: اگر متابع متابع علیہ کی شروع سند سے آخر تک موافقت اور متابعت کرے تو اسے متابعت تامہ کہتے ہیں۔

(۲) متابعت ناقصہ: اگر اثنائے سند میں موافقت اور متابعت کی جائے تو اس کو متابعت ناقصہ کہتے ہیں۔

(۳) متابع علیہ کا ذکر ہوتا ہے۔

(۴) متابع علیہ کا ذکر نہ ہو۔

امام بخاری ؒ کا کمال ہے کہ اس نے سند میں متابعت کی ساری قسمیں بیان کر دی ہیں چنانچہ تابعہ کی ضمیر امام بخاری ؒ کے استاد یحییٰ بن بکیر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی عبد اللہ بن یوسف ؒ اور صالح ؒ نے مطابعت تامہ کی ہے هلال عَنِ الزُّهرِيِّ الخ دوسری سند میں ھلال ؒ کی متابعت بیان کی ہے زہری ؒ سے اس میں تابعہ کی ضمیر عقیل کی طرف لوٹ رہی ہے یہ متابعت اثنائے

سند میں ہے اس لیے متابعت ناقصہ ہے۔

بخاری ؒ کی اس سند کی پہلی متابعت تامہ ہے اور اس میں مُتَابَعْ علیہ کو بیان نہیں کیا گیا اور دوسری متابعت ناقصہ ہے اور اس میں متابع علیہ امام زہری کاذکر ہے تو چاروں قسمیں آ گئیں۔

وقَال یونس ومَعْمَرٌ بَوَادرُہٗ

امام بخاری ؒ ان الفاظ کو بیان کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متابعت میں مضمون کا ایک ہونا ضروری ہے الفاظ کا ایک ہونا ضروری نہیں امی عائشہ ؓ کی روایت میں ''یَرْجُفُ فُؤَادُہٗ'' آیا ہے اور دوسری روایت میں ''تَرْجُفُ بَوَادِرُہٗ'' پہلی روایت کے الفاظ سے یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ اس وقت آقا علیہ السلام کا دل ابتدائی وحی کے رعب و جلال سے کانپ رہا تھا ''فُؤَاد'' کا معنی دل ہے اور دوسری روایت میں فُؤَاد کی بجائے ''بوادرہ'' فرمایا ہے یہ بادرہ کی جمع ہے اور بادرہ گردن اور کندھے کے درمیان گوشت کو کہتے ہیں خوف سے یہ گوشت کانپنے لگتا ہے اسے بیان فرما رہے ہیں بس صرف لفظ کا فرق ہے کہ اس روایت میں فؤادہ کا لفظ ہے لیکن یونس اور معمر کی روایت میں بوادرہٗ کا لفظ ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے دل اندر کانپتا ہے اور گوشت باہر کانپتا ہے اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

نمبر۔۴۔ حدیث مسلسل بتحریك الشفتین

موسی بن اسماعیل قال اخبرنا ابو عوانة قال حدثنا موسی بن ابی عائشة قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله تعالیٰ لا تحرِّك به لسانك لتعجل به قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعالج من التنزیل شدة وكان مما یحرك شفتیه فقال ابن عباس رضی الله عنهما فانا احركهما لك كما كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحركهما وقال سعید انا احركهما كما رأیت ابن عباس رضی الله عنهما یحركهما فحرك شفتیه فانزل الله تعالیٰ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه قال جمعه لك صدرك وتقرأه فاذا قرأنٰه فاتبع قرآنه قال فاستمع له وانصت ثم ان علینا بیانه ثم ان علینا ان تقرأه فكان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ذلك اذا اتاه جبرئیل استمع فاذا انطلق جبرئیل قرأه النبی صلی الله علیه وسلم كما قرأه۔

ترجمہ:

موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی فرمایا کہ ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی کہ ان سے موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی کہ

ان سے سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باری تعالیٰ کے قول ''لا تحرك به لسانك لتعجل به'' (القیامۃ:۱٦) کے بارے میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اکرم ﷺ وحی کے نزول سے سخت مشقت برداشت فرماتے تھے اور آپ اکثر لبہائے مبارک کھلایا کرتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہیں اسی طرح ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہلایا کرتے تھے اور سعید نے فرمایا کہ میں بھی ان کو ہلا کر دکھلاتا ہوں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہلاتے دیکھا ہے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہونٹوں کو حرکت دی چنانچہ باری تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ اے محمد! آپ جلدی کرنے کے لیے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے اس کو جمع کرنا اور پڑھوا دینا ہمارا کام ہے فرمایا آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور جب آپ چاہیں اس وقت تلاوت کرا دینا پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیے فرمایا بغور سماعت فرمائیے اور خاموش رہیے پھر اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کے بعد جب بھی جبرئیل علیہ السلام آتے آپ بغور سماعت فرماتے اور جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لے جاتے تو آپ اسی طرح قرأت فرماتے جس طرح جبرئیلؑ نے پڑھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی تسلی

شروع شروع میں وحی آنے کے وقت حضور ﷺ بہت تکلیف اٹھاتے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے تھے ایک تو سننے کی مشقت پھر پڑھنے کی پھر کلام الٰہی کے وزن کی مشقت تو اسی طرح کئی مشقتیں جمع ہو جاتی تھیں اس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ آپ جلدی مت کریں یاد کرانا محفوظ کرانا ہمارے ذمہ ہے لہذا یہ حدیث بھی بَدْءُ الْوَحْيِ کے متعلق ہے کہ آپ علیہ السلام کا وحی کے شروع میں کیا عمل تھا دوسرا مُوْحٰی اِلَیْهِ کی حالت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہونٹوں کو جلدی جلدی ہلایا کرتے تھے کہ یاد کر لیں اس لیے یہ آیات نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ ایسا نہ کریں، ہم خود ہی آپ کے سینے میں جمع کر دیں گے اور آپ پڑھ کر سنا دیں گے چنانچہ وحی خود ہی یاد ہو جاتی تھی پہلے پہلے آپ ﷺ سختی اور وزن محسوس کیا کرتے جب عادی ہو گئے تو پھر اس وقت وزن و سختی محسوس نہ ہوتی تھی۔

روایت کا حکم

یہ روایت مسلسلات میں سے ہے جس روایت کے بیان کے وقت آپ ﷺ نے کوئی عمل بھی ساتھ کیا ہو اور زمانہ در زمانہ نقل ہو کر آ رہا ہو تو اس روایت کو مسلسل کہتے ہیں جیسے پیغمبر علیہ السلام نے حدیث سنائی تو کھجور تقسیم کی جب صحابیؓ نے سنائی تو اس نے بھی کھجور تقسیم فرمائی تابعین اور بقیہ محدثین نے بھی وہی حدیث سنائی تو انہوں نے بھی کھجور تقسیم فرمائی ایسی روایات کو مسلسلات کہتے

ہیں کہ جس میں کوئی وصف خاص ہو جس میں نبی کا فعل بھی ساتھ ساتھ آئے جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو حدیث سنائی تو اس کو مسواک دی تھی اس صحابی ؓ نے جب اپنے شاگرد کو حدیث سنائی تو مسواک دی آپ علیہ السلام نے صحابی ؓ کو انہوں نے تابعی ؒ کو انہوں نے تبع تابعی ؒ کو اور اسی طرح آخری راوی تک وہ عمل کیا گیا ہو مثلاً کھجور والی حدیث ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت کھجور دی یا مسواک دی یا آب زم زم پلایا تو ایسی روایات مسلسلات کہلاتی ہیں۔

اور یہ روایت بھی مسلسلات میں سے ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے عبد اللہ ابن عباس ؓ کو ہونٹ ہلا کر دکھائے پھر عبد اللہ ابن عباس ؓ نے اپنے شاگرد سعید ابن جبیر کو اور سعید بن جبیر نے اپنے شاگرد موسیٰ ابن ابی عائشہ کو ہونٹ ہلا کر دکھائے اس روایت کا نام مسلسل بتحریك الشفتین ہے لیکن ہم تک درمیان میں یہ سند منقطع ہو گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کی بہت سی سندیں ایسی ہیں جو مسلسلات ہیں۔

سوال: یہ آیات سورۃ قیامۃ کی ہیں جو مکی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ہجرت سے صرف تین سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے ہیں یہ روایت بیان کر رہے ہیں ان کو یہ روایت کیسے معلوم ہوئی؟

جواب: اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود یہ حدیث بیان فرمائی ہو گی لہذا یہ حدیث متصل و مرفوع ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہونٹوں کو ہلا کر فرمایا یا کسی صحابی ؓ سے سنا ہو دونوں صورتوں میں روایت معتبر ہے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس ؓ اللہ تعالیٰ کے قول لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں يُعَالِجُ برداشت کرتے تھے بہت شدت و تکلیف کو اس میں ایک تکلیف یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔

قرآن و حدیث میں مطابقت

قرآن کریم میں ہے لَا تحرك به لسانك لتعجل به آپ اپنی زبان کو حرکت مت دیجئے تاکہ قرآن لینے میں جلدی کریں اور روایت میں آ رہا ہے کہ آپ ﷺ ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے دراصل روایت میں وہ بات کی گئی ہے جو دوسرے کو نظر آتی ہے کیونکہ دوسرے کو زبان ہلتی نظر نہیں آتی بلکہ ہونٹ ہلتے نظر آتے ہیں اور قرآن پاک نے اصل بات کی ہے کہ اصل میں زبان ہلتی ہے تو ان میں آپس میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ ہونٹوں کی حرکت باہر نظر آتی ہے حدیث نے اس ظاہر کو بیان کیا ہے اور قرآن پاک نے اصل یعنی زبان کو بیان کیا ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وقرآنه (ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا) لك صدرك تیرے سینے میں وقرآنه وتقرأه صرف سینے میں جمع نہیں کریں گے بلکہ آپ کی زبان سے ادا بھی کروائیں گے اور یاد بھی کروائیں گے اور یاد کروا کے سنوا بھی دیں گے

کیونکہ بعض اوقات کوئی چیز یاد تو ہوتی ہے لیکن انسان سنا نہیں سکتا زبان پہ نہیں آتی ۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں وعدے فرمائے ہیں لہذا آپ کیا کریں؟ فاذا قرأناہ پھر جب ہم بذریعہ فرشتہ پڑھائیں تو آپ خاموش رہیں اور غور سے سنیں فاتبع قرآنہ تو پڑھنے کی تباع کریں قال فاستمع لہ سنیں اچھی طرح اور خاموش رہیں یہ آداب ہیں کہ جب جبرائیل پڑھے تو ساتھ ساتھ نہ بولیں ثم إنّ علینا بیانہ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان "بیانہ" کی تفسیر عام مفسرین نے کی ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر آپ علیہ السلام سے کرانا بھی ہمارے ذمہ ہے آپ تفسیر کریں گے وہ بھی ہمارے ذمہ ہے اس لیے حدیث شریف تفسیر ہے قرآن پاک کی یہ بھی وحی الٰہی ہے لیکن وحی غیر متلو ہے

ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بیانہٗ یہاں سے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی تفسیر دوسرے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے الگ ہوجاتی ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک بیان کا معنیٰ ہے کہ اس کی تفسیر کرانا ہمارے ذمہ ہے اور ابن عباس فرما رہے ہیں بیانہٗ ای تَقۡرَءُ حالانکہ لقرانہٗ کی تفسیر بھی تَقۡرَءُ اور بیَانَہٗ کی تفسیر بھی تَقۡرَءُ توجواب یہ ہے پہلے تَقۡرَءُ سے مراد آپ ﷺ کا پڑھنا ہے اور دوسرے تَقۡرَءُ سے عَلَی النَّاس مراد ہے مُنَزَّلْ قرآن پاک لوگوں کو سنا دینا بھی بیان ہے عربی سمجھنے والے سمجھ جائیں گے ۔

بسا اوقات انسان خود پڑھ لیتا ہے مجمع میں سنا نہیں سکتا اچھے اچھے قاری قرآن پاک بھول جاتے ہیں امام حفص ؒ سے نماز پڑھاتے ہوئے قرأت میں غلطی ہو گئی تو دوسرے قاری صاحب جو بادشاہ کے دربار میں تھے اور یہ مہمان تھے اس نے اعتراض کیا تو امام حفص ؒ نے فرمایا کہ انسان بھول سکتا ہے اگلی نماز میں مغرب کے وقت وہ خود قل ھو اللہ احد میں بھول گئے اللہ تعالیٰ نے نقد پکڑ لیا۔

اِذَا اَتَاہُ جبرائیل استمع فاذا انطلق جبرئیل قرأہ النبی ﷺ کما قرأہٗ

جب جبرائیل علیہ السلام آتے تو آپ ﷺ کلام کو سنتے رہتے جب چلے جاتے تو نبی پاک ﷺ پڑھ دیتے جیسے جبرائیل علیہ السلام نے پڑھا تھا یہ بھی نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے کہ ساری وحی سنتے رہتے اور فرشتے کے جانے کے بعد لفظ بلفظ اسی ترتیب کے ساتھ بغیر کسی تبدیلی کے وہ وحی کے الفاظ سنا بھی دیتے تھے اور صحابہ ؓ کو سمجھا بھی دیتے تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس دنیا میں چھوٹی سی مثال ہے اس ماقبل کی آیت کی "یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ" (القیامۃ: ۱۳) کہ انسان کے سب اگلے پچھلے نیک اعمال بھی اور بداعمال بھی جتلائے جائیں گے یہ آیت لاتحرك به لسانك سے ماقبل کی ہے اس میں بتایا یہ جارہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت جو اپنے پیغمبر کے سینے میں فرشتے کے چلے جانے کے بعد وحی کے الفاظ کو یاد کروادے وہ رب صرف یاد ہی نہیں بلکہ وہ اپنے فرشتے کے ذریعے دوسروں کو بھی پیغمبر

کو سمجھانے کی ہمت عطا فرما دے وہ انسانوں کے وہ اعمال جن کو وہ بھول گئے ہوں گے ان کو یاد کروانے پر قادر ہے اور اسی طرح انسان کی وہ ہڈیاں جو بالکل بوسیدہ ہو چکی ہوں گی اور بکھر چکی ہوں گی ان کا اکٹھا کر دے گا اور ان سے دوبارہ انسان کو وجود بخش دینے پر بھی بالکل قادر ہے۔

ربط آیات سورۃ القیامۃ

یہاں پر بعض شُرّاح نے نئی بحث چھیڑ دی ہے وہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں قیامت کا ذکر ہے اور لا تحرک به لسانك والی آیتوں کے بعد بھی قیامت کے احوال ہیں جب ان آیات کا ماقبل بھی احوال قیامت اور مابعد بھی احوال قیامت ہے تو پھر ان آیات کا سورۃ قیامۃ کی بقیہ آیات کے ساتھ کیا ربط ہے؟ شان نزول کے اعتبار سے جو تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرما رہے ہیں اس صورت میں ان آیات کا تعلق ماقبل اور مابعد سے نہیں بنتا کیونکہ یہ آیات تو وحی سے متعلق ہیں۔

امام رازیؒ کا فرمان

مفاتیح الغیب جو اَلتَّفْسِیْرُ الْکَبِیْرُ کے نام سے مشہور ہے اس میں امام رازی ؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ ترتیب ارشادی ہے کہ پہلے قیامت کے حالات ہیں درمیان میں وحی اور آخر میں پھر قیامت کے حالات ہیں اس ترتیب ارشادی کی خوبصورت مثال دی کہ جیسے استاد سبق پڑھا رہا ہے شاگرد اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے یا ہو جائے تو استاد اپنے سبق کو روک کر نصیحت کر دیتا ہے اور پھر مضمون بیان کرنا شروع کر دیتا ہے تو درمیان کی بات کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ کوئی ربط نہیں حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے یہ ترتیب ارشادی ہے کہ درمیان سبق روک کر نصیحت کی گئی ہے تو فرماتے ہیں کہ جب سورۃ قیامۃ نازل ہو رہی تھی اس وقت پیغمبر ﷺ جلدی جلدی اپنے ہونٹ ہلا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مضمون روک کر پیغمبر ﷺ کو تنبیہ فرمائی "لا تحرک به لسانك لتعجل به" اس کے بعد پھر قیامت کے حالات شروع کر دیے۔

لیکن امام رازیؒ پر محدثین نے اعتراض کیا ہے کہ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ جب سورۃ قیامۃ نازل ہو رہی تھی تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہو ورنہ امام رازی ؒ کی بات بہت بھاری ہے لیکن اس پر دلیل چاہیے کہ آیا یہی سورۃ نازل ہو رہی تھی تو تب ایسا ہوا ہے ورنہ تو آیات نازل ہوتی تھیں اور آپ ﷺ کے حکم سے سورتوں میں لکھوائی جاتی تھی ایسا نہیں ہے کہ پوری کوئی سورۃ نازل ہوئی ہو سوائے ایک دو سورتوں کے جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ یوسف پوری نازل ہوئیں ورنہ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ ﷺ فرما دیتے تھے اسے فلاں سورۃ میں لکھو۔

قفال مروزیؒ کی رائے

مشہور محدث قفال مروزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیات قیامت ہی کے متعلق ہیں اور نامہ اعمال کے بارے میں ہیں اور مراد یہ ہے کہ لوگ گھبرا کر نامہ اعمال جلدی جلدی پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ڈانٹ کر فرمائیں گے لَا تحرك به لسانك لتعجل به اکتنی جلدی کی ضرورت نہیں ہے آرام سے پڑھو ہم تم سے پڑھواتے ہیں۔

قفال مروزی نے عبداللہ بن عباسؓ نے جو شان نزول بیان کیا ہے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان آیات کا وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا یہ سورۃ قیامت کی آیات ہیں اور ان کا قیامت سے تعلق ہے۔

ابن کثیرؒ کی رائے

علامہ ابن کثیرؒ جو بہت بڑے محدث، مورخ، مفسر ہیں تفسیر ابن کثیر کے مصنف ہیں، بہت بڑی تفسیر ہے باقی تفاسیر کیلئے پانچ تفاسیر ماخذ ہیں جن سے آگے ساری تفسیریں لی جاتی ہیں ان میں تفسیر ابن کثیر بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دراصل کتابیں دو ہیں (۱) کتاب الاعمال (۲) کتاب الاحکام قرآن پاک میں جہاں اعمال کا ذکر ہو گا وہاں کتاب الاحکام کا ذکر ضرور ہو گا کیونکہ اعمال احکام پر مرتب ہوتے ہیں کہ احکام کے مطابق جتنا عمل کیا اس کے مطابق صحیفہ اعمال ہو گا اسی لیے قرآن پاک میں جہاں کتاب الاعمال ہے وہاں کتاب الاحکام ضرور ہے جیسے سورۃ کہف میں ہے مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً (الکھف:۴۹) (کتاب اعمال) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ للناس من كل مثل (الکھف:۵۴) (کتاب الاحکام القرآن ہے) چنانچہ ایسی مثالیں اور بھی موجود ہیں تو یہاں يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (القیامۃ:۱۳) کتاب الاعمال کا ذکر ہے اس کے بعد لا تحرك سے کتاب الاحکام قرآن مجید کا ذکر ہے۔

مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کا فرمان

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی عبارت یا نص ہوتی ہے تو اس کی دو مرادیں اور مدلول ہوتے ہیں ایک مراد اولی ہوتی ہے جو نفس کلام اور سیاق و سباق کے ملانے سے سمجھ میں آتی ہے۔ اور ایک مراد ثانوی ہوتی ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتی ہے اور متکلم کو کبھی وہ بات بھی مقصود ہوتی ہے۔

حکایت

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جامعہ صادقیہ بہاول پور میں پڑھاتے تھے بد خواہوں نے نواب آف بہاول پور کو ان

کے خلاف بھڑکایا کہ یہ گستاخ رسول ہیں گمراہ ہیں وغیرہ وغیرہ نواب نے حضرت کے خلاف حکم جاری کر دیا حضرت کے ایک خیر خواہ نے کسی کے ہاتھ خط بھیجا کہ کسی کو شک نہ ہو جس میں لکھا تھا اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (القصص۲۰) مراد اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے اور مراد ثانوی اس میں یہ چھپی ہوئی تھی کہ آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں حضرت بھی سن گن رکھتے تھے لہذا سمجھ گئے کہ میرے خلاف سازش ہو چکی ہے چنانچہ راتوں رات بہاول نگر سے ہوتے ہوتے انڈیا پہنچ گئے اور فرمایا کہ بہاول پور کی مٹی میں وفا نہیں ہے (تذکرۃ الخلیل)

جیسے ہمارے استاد فرمایا کرتے تھے کہ ۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا

کہ شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دینا کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا اب ایک اس کا مدلول اولی ہے کہ جو بات اس کے ظاہر سے سمجھ میں آ رہی ہے ایک اور اس کے اندر مفہوم ہے کہ وہ جائیگی چھتہ بنائے گی اس کی موم بنے گی موم کی بتی بنے گی موم بتی جلاؤ گے پروانہ مرے گا اس میں مدلول اولی ہے اور دوسرا مدلول ثانوی ہے۔

لیکن کبھی متکلم کو مراد ثانوی مقصود نہیں ہوتی جیسے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک سبزی ہے جو کاورا ایک ہے سویا ایک آدمی بیچ رہا تھا سویا لے لو چوکا لے لو تو ایک بزرگ وہاں سے گزر رہے تھے ایک آدمی نے اس سبزی فروش سے پوچھا چوکے کا کیا بھاؤ ہے وہ پہلے سوئے کا بھاؤ پوچھ چکا تھا تو اس نے جواب میں کہا کہ ''جو سویا سو چوکا'' یعنی جو سویا کا بھاؤ ہے وہی چوکے کا ہے تو یہ مدلول اولی ہے وہ بزرگ جو گزر رہے تھے انہوں نے ایک اور مدلول لیا کہ جو اس دنیا میں سو گیا چوک گیا غلطی کر گیا اس پر ان کو وجد طاری ہو گیا

جیسے مولانا جلال الدین رومی ؒ پر اللہ تعالی کے عشق کا غلبہ بہت زیادہ ہو گیا تھا تو انہوں نے چاہا کہ ان کو منتقل کریں جیسے ان کے شیخ کو ہوا تھا ان کے ہاں ایک وزاق تھے ورق کوٹتے تھے تو وہ ورق کوٹ رہے تھے اس کی آواز دھم۔ دھم۔ دھم آ رہی تھی مولانا اس کی دکان کے پاس سے گزرے تو ان کو ایسے لگا جیسے وہاں دل پر اللہ جل شانہ کی ضرب لگ رہی ہے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اس کی دکان کے سامنے اس وزاق کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ کھڑے کھڑے اپنی دکان لٹا دی اور حضرت کے پیچھے چل پڑے اور حضرت سے خلافت لی اور زندگی میں فوت ہوئے ان کے بعد مولانا ضیاء الدین حضرت کی خدمت میں آئے جن کی وجہ سے مولانا جلال الدین رومی ؒ نے مثنوی شریف لکھی جس میں ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار ہیں اور فرمایا اے ضیاء الدین تو زمین پر اللہ جل شانہ کی روشنی ہے۔

سیدانور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پہلی قسم مراد ہے کہ متکلم کو دونوں مرادیں مقصود ہیں ان آیات میں مدلول اوّلی تو یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آدمی کو نامہ اعمال دیا جائیگا تو یہ جلدی جلدی پڑھے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ زبان مت چلا آرام سے پڑھ جو اعمال تمہارے ہیں ہم ان کو ظاہر کریں گے ان آیات کی مراد ثانوی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو منع فرمایا ہے کہ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں پس مراد ثانوی میں شان نزول کا ذکر ہے اور آیات میں مراد اوّلی ہے اور ربط میں مراد اوّلی کو دیکھا جاتا ہے مراد ثانوی کو نہیں مراد ثانوی سے تو فقہاء مسائل نکالتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ شان نزول میں مضمون کا مضمون سے ربط ضروری ہے نہ کہ آیت کا آیت سے ربط ما قبل مضمون یہ ہے کہ اللہ پاک انسان کو اگلے پچھلے اعمال بتائیں گے اس چیز کو مشرکین مُسْتَبْعَدْ اور محال سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک نظیر اور مثال بیان فرمائی کہ ہم نے نبی علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں ہم آپ کو قرآن جمع کر کے دکھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وحی اپنے نبی کے سینے میں جمع کر سکتا ہے تو وہ سارے حالات اکٹھے کر کے لوگوں کے سامنے بھی ڈال سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن پاک اپنے دعوے کو نظائر سے ثابت کرتا ہے جیسے کہا تمہاری زندگی کچھ بھی نہیں تو کھیتی سے نظیر لائے کہ کھیتی کو دیکھو ہم اس پر پانی برساتے ہیں وَاَنْبَتْنَ وَرَبَتْ پھر وہ بڑھتی ہے اور تر و تازہ ہو جاتی ہے پھر کچھ دن بعد پیلی ہو جاتی ہے پھر کٹ جاتی ہے جیسے یہاں کوئی چیز نہیں تھی انسان بڑھتا چڑھتا ہے اشتہاروں میں نام ہے لیکن چند دنوں بعد رخصت ہو جاتا ہے بعد کا زمانہ آتا ہے تلاش کے باوجود اس کا نام نہیں ملتا اللہ تعالیٰ نے نظیر پیش کی ہے کہ تمہاری زندگی بھی ایسی ہی ہے۔

قرآن پاک نے سورۃ قیامۃ میں دعویٰ کیا ہے اَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ (القیامۃ:۳) انسان سمجھتا ہے ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر سکتے بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (القیامۃ:۴) ہڈیاں تو اور رہیں ہم انگلیوں کے پورے بھی جمع کر دیں گے پورے اس لیے کہا کہ سب سے پہلے انسان کے جسم میں پورے جھڑ کر الگ ہوتے ہیں کیونکہ اس کا جسم کے ساتھ بہت کمزور سا تعلق ہوتا ہے اس کو بہت نزاکت کے ساتھ جوڑا گیا ہے تب ہی تو یہ حرکت کرتے ہیں اس میں باریک باریک رگیں کٹ جاتی ہیں تو پورے الگ ہو جاتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نظیر لائے لا تحرك به لسانك لتعجل به کہ ہم وحی بھیج کر اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دیتے ہیں جو اللہ اس پر قادر ہے کہ اُمّی کے سینے میں ایسا بلیغ قرآن جمع کر دے وہ اللہ اس پر بھی قادر ہے کہ زمین میں منتشر ہڈیوں اور ذرات کو اکٹھا کر دے تو اس کو بطور نظیر کے پیش کیا لا تحرك سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت کے حالات

پر مت سمجھنا کہ ہم بھول جائیں گے ہم نہیں بھولیں گے دیکھو ہم اپنے اُمّی پیغمبر کو یاد کرا دیتے ہیں مجال ہے زیر زبر میں فرق ہو تا ہو ہم قیامت کے دن تمہاری ہڈیوں کو بھی جمع کریں گے۔

نمبر۔۵۔حدیث مدارسۃ القرآن فی رمضان

حدثنا عبدان قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا یونس عن الزہری اخبرنی ح وحدثنا بشر بن محمد قال حدثنا عبداللہ قال اخبرنا یونس ومعمر نحوہ عن الزہری اخبرنی عبیداللہ ابن عبداللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبرئیل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

ترجمہ:

ہم سے عبدان نے یہ حدیث بیان کی کہ ہمیں عبداللہ نے حضرت امام زہری سے بطریق یونس یہ بتلایا ہے ح اور بشر بن محمد نے حدیث بیان کی فرمایا کہ عبداللہ نے حضرت امام زہری سے بطریق یونس و معمر یہ بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان میں اس وقت انتہاء کو پہنچ جاتی تھی جب جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملاقات فرماتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام رمضان شریف کی ہر رات میں آپ سے ملاقات فرماتے تھے۔ اور قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کے معاملے میں چلتی ہوئی ہواؤں سے زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔

فلرسول اللہ ﷺ اجود بالخیر من الریح المرسلۃ

آپ ﷺ خیر کو تقسیم کرنے میں اور خیر لوگوں کو دینے میں ریح مرسلہ سے بھی زیادہ سخی تھے اجود تھے **الریح المرسلہ** کی تشریح ہمارے استاد مفتی ولی حسن صاحب ؒ فرماتے تھے کہ **ریح مرسلہ** ہوائیں ہیں جو بادلوں کو لا کر بنجر زمینوں پر بارش کا سبب بنتی ہیں اور ان کی وجہ سے بنجر زمینیں آباد ہو جاتی ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے بنجر قلوب کو آباد کیا اور اس لحاظ سے بھی آپ کی جُود و سخا خوب بڑھی ہوئی تھی کیسے کیسے بنجر دل آباد ہوئے ان کو آپ ﷺ نے اپنے علوم و معارف کے ذریعے آباد کیا بلال حبشی ؓ، صہیب رومی ؓ، سلمان فارسی ؓ، یاسر ؓ، عمار ؓ کو کون جانتا تھا غلام قسم کے اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ جب ان پر آپ ﷺ کی نظر پڑی تو کیا سے کیا کر دیا ان کو گوہر بنا دیا نیس الہٰ آبادی فرماتے ہیں۔

نبی ﷺ کی نظر کا اثر دیکھ لیجئے
جو پتھر تھے ان کو گوہر دیکھ لیجئے
محمد ﷺ کے جلوے کہاں پر نہیں ہیں
دو عالم میں چاہے جدھر دیکھ لیجئے

باب سے ربط

یہ حدیث ترجمۃ الباب سے کئی اعتبار سے مطابقت رکھتی ہے

(۱) موحیٰ الیہ یعنی پیغمبر علیہ السلام کے اوصاف کا بیان ہے کہ آپ ﷺ صاحب جود و سخا تھے اور یہ کیفیات رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات کے بعد بڑھ جاتیں تھیں۔

(۲) مبداء زمانی رمضان کا بھی بیان ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی۔

(۳) موحی مجازی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔

(۴) خود وحی یعنی قرآن مجید کا بھی تذکرہ اس حدیث شریف میں ہے۔

اجودالناس

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ جود و سخا والے تھے اس حدیث شریف میں اجود فرمایا سخی نہیں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت بھی جوّاد ہے۔

جود اور سخا میں فرق

سخا کہتے ہیں مال خرچ کرنا اور جود کہا جاتا ہے "اعطاء ماینبغی لمن ینبغی" یعنی جو جس چیز کی طلب لے کر آئے اور جس چیز کا وہ اہل ہو وہی چیز اس کو عطاء کرنا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا وصف بھی جواد ہے سخی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جواد ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان کا سب سے زیادہ مظہر نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک ہے اس لیے آپ ﷺ اجود الناس ہیں اور دوسرا فرق یہ ہے کہ سخاوت میں کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے خواہ دنیا کی غرض ہو خواہ آخرت کی لیکن جود میں کوئی غرض نہیں ہوتی کہ سراسر دوسرے کا فائدہ ہی مطلوب ہوتا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو عطاء فرماتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض نہیں ہوتی اور یہی وصف آپ ﷺ میں بطریق اتم پایا جاتا تھا سخاوت تو جود کا ایک حصہ ہے کہ آدمی دوسروں پر مال خرچ کرے اور جود و سخا کا تعلق قلب کے ساتھ ہے نہ کہ مال کے ساتھ اس

لیے آپ ﷺ کے پاس جب بھی کوئی چیز آتی آپ ﷺ تقسیم کر دیتے اور کچھ بچا کر نہ رکھتے چنانچہ ایک بار بحرین سے مال آیا اور آپ ﷺ نے تقسیم کرنا شروع کیا حالانکہ آپ ﷺ خود بھی روزے سے تھے اور امی عائشہ صدیقہ ؓ بھی روزے تھیں اور گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا آپ ﷺ نے جب تک پورا مال تقسیم نہیں کر دیا گھر تشریف نہیں لائے جب گھر آئے تو امی عائشہ ؓ نے پوچھا کہ آپ نے گھر کچھ نہیں بھیجا جب کہ گھر میں افطار کے لیے کچھ بھی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہی نہیں رہا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ؓ آپ ﷺ کے پاس بغرض علم ٹھہرے ہوئے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے وافر مقدار میں علم عطاء فرمایا اور وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو بورے علم کے حاصل کیے ہیں جن میں سے ایک تم میں پھیلا دیا ہے اگر دوسرا پھیلا دوں گا تو میری گردن کاٹ دی جائے گی اس لیے حضرت ابو ہریرہ ؓ حضرات صحابہ کرام ؓ میں سب سے زیادہ روایات کے راوی ہیں چنانچہ آپ سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔

اجود ما یکون فی رمضان

مایکون میں ما مصدریہ ہے اجود اکوان ای اجود الزمان یعنی رمضان المبارک کے انوارات اور پھر جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات اور قرآن مجید کے نور کی وجہ سے آپ ﷺ کا وصف جود بہت زیادہ بڑھ جایا کرتا تھا آپ ﷺ پہلے سے اجود الناس تھے جب یہ انوارات جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ اجود الاجود ہو جاتے۔

جبرائیل علیہ السلام سے قرآن پاک کا دور

جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں تشریف لاتے اور قرآن مجید کا دور فرماتے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اس کا دور فرماتے تھے یہی راجح ہے جب کہ نور الانوار کی روایت میں ہے کہ پورے قرآن مجید کا دور فرماتے تھے پھر جو نازل ہو چکا ہوتا وہ یاد رہتا اور جو نازل ہونا ہوتا وہ بھلا دیا جاتا۔ آخری بار دوبار قرآن مجید کا دور فرمایا اس کے بعد ربیع الاول میں آپ ﷺ پردہ فرما گئے۔

نمبر۔۶۔ حدیث ھرقل علامات النبوۃ

حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود ان عبداللہ بن عباس اخبرہ ان ابا سفیان بن حرب اخبرہ ان ھرقل ارسل الیہ فی رکب من قریش وکانوا تجارا بالشام فی المدۃ التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مآدّ فیھا ابا سفیان و کفار قریش فاتوہ وھم بایلیآء فدعاھم فی مجلسہ وحولہ عظمآء الروم ثم دعاھم ودعا

ترجمانه فقال ایکم اقرب نسبا بهذا الرجل الذی یزعم انه نبی قال ابوسفیان فقلت انا اقربهم نسبا فقال ادنوه منی وقربوا اصحابه فاجعلوهم عند ظهره ثم قال لترجمانه قل لهم انی سآئل هذا عن هذا الرجل فان کذبنی فکذبوه فوالله لو لا الحیآء من ان یأثروا علیّ کذبا لکذبت عنهٗ ثم کان اول ما سألنی عنه ان قال کیف نسبه فیکم قلت هو فینا ذو نسب قال فهل قال هذا القول منکم احد قط قبله قلت لا قال فهل کان من آبآئه من ملك قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفاءهم قلت بل ضعفآءهم قال ایزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال فهل یرتد احد منهم سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه قلت لا قال فهل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال قلت لا قال فهل یغدر قلت لا ونحن منه فی مدة لا ندری ما هو فاعل فیها قال ولم تمکنی کلمة ادخل فیها شیئا غیر هذه الکلمة قال فهل قاتلتموه قلت نعم قال فکیف کان قتالکم ایاه قلت الحرب بیننا وبینه سجال ینال منا وننال منه قال ما ذا یأمرکم قلت یقول اعبدوا والله وحده لا تشرکوا به شیئا واترکوه ما یقول اٰبآئکم ویامرنا بالصلوٰة والصدق والعفاف والصلة فقال للترجمان قل له سالتك عن نسبه فذکرت انه فیکم ذونسب و کذالك الرسل تبعث فی نسب قومها وسالتك هل قال احد منکم هذا القول فذکرت ان لا قلت لو کان احد قال هذا القول قبله لقلت رجل یأتی بقول قبل قبله وسالتك هل کان من آبائه من ملك فذکرت ان لا فقلت فلو کان من اٰبآئه من ملك قلت رجل یطلب ملك ابیه وسالتك هل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال فذکرت ان لا فقد اعرف انه لم یکن لیذر الکذب علی الناس ویکذب علی الله وسالتك اشراف الناس اتبعوه ام ضعفآءهم فذکرت ان ضعفاءهم اتبعوه وهم اتباع الرسل وسالتك ایزیدون ام ینقصون فذکرت انهم یزیدون و کذالك امر الایمان حتیٰ یتم وسالتك ایرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه فذکرت ان لا و کذالك الایمان حین تخالط بشاشته القلوب وسالتك هل یغدر فذکرت ان لا و کذالك الرسل لا تغدر وسالتك بما یامرکم فذکرت انه یأمرکم ان تعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا وینهاکم عن عبادة الاوثان ویأمرکم بالصلوٰة والصدق والعفاف فان کان ما تقول حقا فسیملك موضع قدمیّ هاتین وقد کنت اعلم انه خارج ولم اکن اظن انه منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیه لتجشمت لقآئه ولو کنت عنده لغسلت عن قدمیه ثم دعا بکتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی بعث به مع دحیة الکلبی الی عظیم

بصریٰ فدفعه عظیم بصریٰ الیٰ هرقل فقرأه فاذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبد الله ورسوله الیٰ هرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك الله اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم الیریسین ویا اهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سوآء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

قال ابو سفیان فلما قال ما قال وفرغ من قرائة الکتاب کثر عنده الصخب فارتفعت الاصوات واخرجنا فقلت لاصحابی حین اخرجنا لقد امر امر ابن ابی کبشة انه یخافه ملك بنی الاصفر فما زلت موقنا انه سیظهر حتیٰ ادخل الله علیّ الاسلام۔

وکان ابن الناطور صاحب ایلیآء وهرقل سقف علیٰ نصاری الشام یحدث ان هرقل حین قدم ایلیاء اصبح یوما خبیث النفس فقال بعض بطارقته قد استنکرنا هیئاتك قال ابن الناطور وکان هرقل حزّآء ینظر فی النجوم فقال لهم حین سألوه انی رأیت اللیلة حین نظرت فی النجوم ملك الختان قد ظهر فمن یختتن من هذه الامة قالوا لیس یختتن الا الیهود فلا یهمنّك شأنهم واکتب الیٰ مدآئن ملکك فلیقتلوا من فیهم من الیهود فبیناهم علیٰ امرهم اتی هرقل برجل ارسل به ملك غسان یخبر عن خبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما استخبره هرقل قال اذهب فانظروا محتتن هوام لا فنظروا الیه فحدثوه انه مختتن وساله عن العرب فقال هم یختتنون فقال هرقل هذا ملك هذه الامة قد ظهر ثم کتب هرقل الیٰ صاحب له برومیة وکان نظیره فی العلم وصار هرقل الیٰ حمص فلم یرم حمص حتیٰ اتاه کتاب من صاحبه یوافق رأی هرقل علیٰ خروج النبی صلی الله علیه وسلم وانه نبی فاذن هرقل لعظمآء الروم فی دسکرة له بحمص ثم امر بابوابها فغلقت ثم اطلع فقال یا معشر الروم هل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبایعوا هذا النبی فحاصوا حیصة حمر الوحشی الیٰ الابواب فوجدوها قد غلقت فلما رأی هرقل نفرتهم وایس من الایمان قال ردوهم علیّ وقال انی قلت مقالتی انفا اختبربها شدتکم علیٰ دینکم فقد رأیت فسجدوا له ورضوا عنه فکان ذالك اٰخر شأن هرقل قال ابو عبدالله رواه صالح ابن کیسان ویونس ومعمر عن الزهری۔

ترجمہ:

ابو الیمان حکم بن نافع نے ہم سے حدیث بیان کی فرمایا کہ ہمیں شعبہ نے زہری سے روایت سنائی کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ انہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بتلادیا کہ انہیں سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہرقل نے انہیں اس وقت بلایا جبکہ وہ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ شام میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کے درمیان صلح ایک مدت کے لیے طے ہو گئی تھی چنانچہ یہ لوگ ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے اس وقت ہرقل اور اس کے مقربین ایلیاء میں تھے ہرقل نے ان لوگوں کو اپنی مجلس میں بلایا اور اس کے ارد گرد روم کے باعظمت لوگ جمع تھے پھر ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے قریب بلایا اور اپنے ترجمان کو بھی بلالیا ترجمان نے کہا تم میں سے کون اس شخص سے نسب کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے جو پیغمبری کا دعوی کرتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہوں ہرقل نے کہا کہ اسے مجھ سے قریب کردو اور اس کی پشت پر نزدیک ہی اس کے دوسرے ساتھیوں کو بٹھادیا پھر اس نے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ رہا ہوں اس لیے اگر یہ کسی بارے میں غلط بیانی کرے تو اس کی تکذیب کردینا ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری جانب سے جھوٹ نقل کریں گے تو میں آپ کی طرف سے غلط بیانی کردیتا۔

غرض سب سے پہلی بات جو ہرقل نے مجھ سے پوچھی یہ تھی کہ تم لوگوں میں ان کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہمارے یہاں بڑے نسب والے ہیں ہرقل نے پوچھا کہ کیا یہ دعوی تم لوگوں میں سے کبھی کسی اور نے بھی کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں! ہرقل نے پوچھا کیا ان کے آباؤ اجداد میں کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں نے کہا نہیں! ہرقل نے پوچھا کہ آیا اونچے طبقے کے لوگ ان کا اتباع کررہے ہیں یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا کمزور لوگ! ہرقل نے کہا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد ترقی پذیر ہے یا دو بہ تنزل؟ میں نے کہا ترقی پذیر! ہرقل نے کہا کہ ان کے متبعین میں سے کوئی شخص دین میں داخل ہونے کے بعد اس دین سے ناراض ہو کر پھر جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں! ہرقل نے کہا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں!! اور ان ایام میں ایک مدت کے لیے ہمارا اور ان کا ایک عہد ہوا ہے نہ معلوم اس میں ان کا کیا طرز عمل رہتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ اس بات کے علاوہ مجھے اور کوئی غلط بات درمیان میں لگادینے کا موقع نہ مل سکا ہرقل نے پوچھا کیا کبھی تم نے ان سے لڑائی لڑی ہے؟ میں نے کہا ہاں لڑی ہے ہرقل نے پوچھا کہ پھر اس جنگ کا نتیجہ کیا رہا ہے؟ میں نے کہا کہ لڑائی کی مثال ڈول کی سی ہے، کبھی وہ ہم کو نقصان پہنچادیتے ہیں اور کبھی ہم انہیں نقصان پہنچادیتے ہیں ہرقل نے پوچھا وہ تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے آباؤ اجداد کی باتوں کو چھوڑدو اور ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے،

پاکدامن رہنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص (ابوسفیان) سے کہہ دو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں دریافت کیا تھا تم نے جواب دیا کہ وہ بڑے نسب والے ہیں اسی طرح انبیاء کرامؑ قوم کے اونچے نسب میں مبعوث کیے جاتے ہیں میں نے تم سے پوچھا کہ آیا یہ بات تم میں سے اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی ہے تم نے بتلایا کہ نہیں اس سے میں نے سمجھا کہ اگر اس سے پہلے کسی اور نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں یہ کہہ دیتا کہ یہ ایسا شخص ہے جو پرانی کہی ہوئی بات کی پیروی کر رہا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تم نے بتلایا کہ نہیں اس سے میں نے یہ سمجھا کہ اگر اس سے پہلے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ ایسا شخص ہے جو اپنے باپ کی حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے میں نے تم سے پوچھا تھا کہ بڑے لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور تم نے کہا کہ کمزور لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں اور ایسے ہی لوگ انبیاء کرامؑ کے تابعدار ہوا کرتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان کی تعداد ترقی پذیر ہے یا روبہ تنزل ہے تم نے بتلایا کہ ترقی پذیر ہے اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے یہاں تک کہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان کے متبعین میں کوئی شخص دین میں ایک بار داخل ہونے کے بعد پھر اسے برا سمجھ کر پھر جاتا ہے تو تم نے بتلایا کہ نہیں اور یہی ایمان کا حال ہوتا ہے جبکہ اس کی بشاشت دلوں میں گھل مل جاتی ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں اور ایسے ہی انبیاء کرامؑ عہد شکنی نہیں فرماتے اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کن چیزوں کا حکم کرتے ہیں تم نے بتلایا کہ وہ حکم کرتے ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ بت پرستی چھوڑ دو اور یہ کہ وہ نماز، سچائی پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں پس اگر تمہاری یہ باتیں سچ ہیں تو عنقریب یہ زمین بھی ان کے زیر نگیں آجائے گی جو میرے پیروں کے نیچے ہے اور یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ یہ نبی پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ گمان مجھے نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہیں اور اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ان کی خدمت میں پہنچ سکوں گا تو میں ان سے ملنے کے لیے حتی الامکان کوشش کروں اور اگر میں حاضر خدمت ہوتا تو ان کے پیر دھوتا۔

اس کے بعد ہرقل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک منگوایا جس کو آپ نے دحیہ کلبی کی معرفت عظیم بصریٰ حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس ارسال فرمایا تھا اس نے وہ نامہ مبارک ہرقل کو دے دیا ہرقل نے اس خط کو پڑھا اس میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے ہرقل کو یہ پیغام پہنچے جو روم کا سب سے بڑا سردار ہے اس شخص کے لیے سلامتی ہے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے حمد و صلوٰۃ کے بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں اگر تم اسلام لے آؤ گے تو محفوظ رہو گے اور تمہیں دوہرا اجر ملے گا اور اگر تم نے پشت پھیر دی تو تمہارے اوپر اس اعراض

کے ساتھ پوری رعایا و رکاشت کاروں کا بھی گناہ ہوگا اور اے اہل کتاب! ایک ایسی بات پر لبیک کہو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم خداوند قدوس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم انسانوں میں سے خدا کے سوا کسی کا پابند نہ بنائیں پھر اگر وہ اس دعوت توحید کو نہ مانیں تو تم ان سے کہہ دو کہ تم اس بات پر گواہ ہو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں۔

ابو سفیان کا بیان ہے کہ جب ہرقل نے یہ باتیں کہیں اور نامہ مبارک کی قرأت سے فارغ ہو گیا تو اس وقت اس کے پاس بہت شور و شغب ہوا آوازیں بلند ہوئیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا اور جب ہم نکال دیئے گئے تو میں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت بڑھ گیا ہے اس سے شہنشاہ روم بھی خائف ہے ابو سفیان کہتے ہیں کہ مجھے اس دن یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہو کر رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میرے دل میں ڈال دیا۔

اور ابن ناطور جو ایلیاء کا حاکم اور ہرقل کا مصاحب تھا شام میں نصاریٰ کا سردار تھا وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء آیا تو ایک دن صبح کے وقت بد مزاج اور پریشان خاطر اٹھا چنانچہ اس کے بعض مصاحبین نے کہا کہ آج ہم آپ کی ہیئت و شکل متغیر دیکھ رہے ہیں ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا ستاروں کو دیکھتا تھا چنانچہ ان کے پوچھنے پر ہرقل نے کہا کہ رات جب میں نے ستاروں میں نظر کی تو دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہو چکا ہے اس دور میں لوگوں میں کون ختنہ کرتے ہیں؟ اس کے مصاحبین نے کہا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی ختنہ نہیں کرتا آپ کو ان کا معاملہ پریشانی میں نہ ڈالے آپ اپنے علاقے کے تمام شہروں کو لکھ دیں کہ وہاں کے بسنے والے تمام یہودیوں کو مار ڈالا جائے ابھی وہ لوگ اسی پس و پیش میں تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس کو غسان کے شہنشاہ نے بھیجا تھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال بیان کیا کرتا تھا جب ہرقل اس شخص سے احوال دریافت کر چکا تو کہا اسے لے جاؤ اور یہ دیکھو کہ اس کی ختنہ ہوئی ہے یا نہیں چنانچہ ان لوگوں نے دیکھ کر بتلایا کہ ختنہ ہو چکی ہے پھر اس سے عرب کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختنہ کراتے ہیں پھر ہرقل نے کہا کہ یہ شخص اس جماعت کا بادشاہ ہے جو ظاہر ہو چکا ہے اس کے بعد ہرقل نے اٹلی میں اپنے ایک دوست ضغاطر کو لکھا جو علم میں ہرقل ہی کا ہم پلّہ تھا اور ہرقل حمص چلا گیا ابھی حمص چھوڑا بھی نہ تھا کہ اس کے دوست کے پاس سے جواب پہنچا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہرقل کی رائے کے موافق تھا کہ آپ نبی ہیں پھر ہرقل نے حمص میں روم کے رؤسا کو اپنے محل میں بلایا اور حکم دیا کہ اس کے تمام دروازے مقفل کر دیے جائیں اس کے بعد محل کے بالائی حصے سے سر نکال کر یہ خطاب کیا۔

اے روم والو! اگر تم اپنے لیے بھلائی اور ہدایت چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت قائم رہے تو اس نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ یہ کہنا تھا کہ وہ لوگ گورخروں کی طرح دروازوں پر لپکے، لیکن انہوں نے دیکھا کہ دروازے بند ہیں پھر جب ہرقل نے

ان کی اس نفرت کو دیکھا اور اسے ان کے ایمان سے مایوسی ہو گئی تو کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ اور ان سے یہ کہا کہ ابھی میں نے جوبات تمہارے سامنے پیش کی تھی اس سے تمہاری دینی عصبیت اور سخت گیری کا امتحان مقصود تھا چنانچہ میں نے اس کا اندازہ کرلیا اس پر ان سب نے ہرقل کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے بس یہ ہرقل کا آخری حال ہے اس کو صالح بن کیسان نے اور یونس و معمر نے زہری سے روایت کیا ہے۔

حدیث ہرقل کا پس منظر

یہ حدیث اس باب کی آخری حدیث ہے بڑی اہم حدیث ہے اس حدیث کو سمجھنے کے لیے چند تمہیدی اور تاریخی باتیں جاننا ضروری ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ء (پانچ سوستر) میں پیدا ہوئے ۶۱۰ء یعنی چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو بڑی سلطنتیں روم اور فارس تھیں جیسے امریکہ اور روس ہمارے زمانے میں ہیں روم کا دار الخلافہ اٹلی تھا روم نام کی جگہ اب بھی موجود ہے روما الکبریٰ اٹلی کے لوگ عیسائی تھے اور ان کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو بادشاہ تھا اس کا نام ہرقل تھا اور لقب اس کا قیصر تھا

قیصر روم ''قیصر پر ایک دلچسپ نقطہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے بادشاہ کا لقب قیصر کیوں رکھا کہ سب سے پہلا بادشاہ جس نے عیسائی سلطنت قائم کی اس کو ماں کے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا پیٹ میں حرکت کر رہا تھا کسی حکیم نے کہا کہ اسے جلدی چیرو جب چیرا گیا تو بچ گیا تو ''قیصر'' رومی زبان میں چیرنے کو کہتے ہیں تو اس کی ایسی قسمت تھی کہ بعد میں بادشاہت قائم کر دی پہلے یہودی حکومت تھی اب عیسائی سلطنت قائم ہوئی تو اس نے اپنے اعزاز میں لقب قیصر رکھدیا جو بھی بادشاہ آتا وہ قیصر کہلاتا تھا۔

دوسری سلطنت ایرانیوں اور مجوسیوں کی تھی ان کا بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا اور اس وقت پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کی حکومت تھی نوشیروان وہی ہے جس کا انصاف مشہور رہا اور اسے نوشیروان عادل کہا جاتا ہے پرویز نام بہت گندا اور خطرناک ہے نوشیروان عادل کے بہت قصے ہیں بچوں کی کتابوں میں بہت اس کی کہانیاں عدل کی مشہور ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں اپنے علاقوں سے نکل کر عرب کے بعض خطوں تک پھیلی ہوئی تھیں چنانچہ یمن کا غسانی بادشاہ قیصر روم کے تابع تھا۔

مکہ مدینہ کی خصوصیت

مکہ شریف اور مدینہ شریف کی یہ خصوصیت ہے ان جگہوں پر کبھی کسی بادشاہ کی حکومت نہیں رہی بلکہ قبائلی نظام تھا سکندر بادشاہ

نے مکہ کو فتح کرنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن راستے میں موت کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا اور مدینہ شریف پر یمن کے بادشاہ تبع نے حملہ کیا تھا لیکن فتح نہ کر سکا اور اہل مدینہ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا دن بھر لڑتے تھے اور رات کو ان کے لیے کھانا بھجواتے تھے اس نے دو عیسائی پادریوں کو بلایا اور پوچھا کہ فتح کیوں نہیں ہو رہی؟ ان پادریوں نے آثار دیکھ کر کہا کہ یہ نبی آخرالزماں کی جگہ ہے یہاں تیرا بس نہیں بلکہ اس کو کوئی بھی فتح نہیں کر سکتا پھر اس نے مدینہ میں دو منزلہ مکان بنوایا تھا اور ایک خط آپ ﷺ کے نام لکھ کر ایک نلکی میں رکھ دیا تھا اس کی چھٹی یا ساتویں نسل میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ ہیں جو آپ ﷺ کے ماموں ہیں تو وہ مکان جہاں آپ ﷺ ٹھہرے ہوئے تھے وہ آپ کی ذاتی ملکیت تھا پھر انصار جو یمن سے آئے تھے یہیں ٹھہر گئے اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "الایمان یمانٍ" کہ ایمان یمن میں ہے اس لیے کہ صحابہ کی اکثریت یمنیوں کی ہے وہاں اوس اور خزرج آباد تھے۔ مکہ و مدینہ میں سب سے پہلے اسلام کی حکومت قائم ہوئی اور آپ ﷺ کا جھنڈا لہرایا۔

رومیوں کی شکست

۶۱۴ء میں جب رومیوں اور ایرانیوں کی جنگ ہوئی تو رومیوں کو زبردست شکست ہوئی ان کے بہت سے علاقے یمن، بیت المقدس وغیرہ بھی ہاتھ سے نکل گئے بڑے بڑے پادری مارے گئے ان کی سب سے بڑی صلیب جو سونے کی تھی جو بیت المقدس میں نصب تھی وہ بھی ایرانی لے اڑے اور بیت المقدس کو بہت گندہ کر دیا جب رومیوں کو شکست ہوئی تو مسلمان چونکہ موحد تھے اور عیسائی جو روم میں آباد تھے اپنے آپ کو موحد کہتے تھے تو مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں جب کہ مشرکین اپنے آپ کو مجوسیوں کے قریب سمجھتے تھے اس پر مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں اور کہا کہ جس طرح تمہارے عیسائیوں کا بیڑا غرق ہوا ہے ہم بھی تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے ہم بھی ایک دن تمہیں فنا کر دیں گے جس طرح ہمارے بھائیوں نے تمہارے بھائیوں کو کیا ہے۔

قرآن پاک کی پیشین گوئی

اس کے بعد قرآن پاک کی سورۃ روم کی پہلی چند آیات نازل ہوئیں "الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ" (الروم۱) قرآن پاک نے جو پیشین گوئی دی یہ تاریخی اعتبار سے جغرافیائی اور زمینی حقائق کے خلاف تھی کہ یہ رومی جو مغلوب ہو گئے ہیں بضع سنین میں غالب آجائیں گے قرآن پاک کی پیشین گوئی پر مشرکین کہنے لگے یہ ہو ہی نہیں سکتا رومیوں کی ایسی کمر ٹوٹی ہے کہ وہ سو سال تک نہیں اٹھ سکتے اس بات پر مشرکین مکہ سیدنا صدیق اکبر ؓ سے الجھ پڑے صدیق اکبر ؓ نے شرط لگالی اور مدت ۵ سال مقرر ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مدت بڑھاؤ اور نو سال لگاؤ اس پر مشرکین بخوشی تیار ہوئے اور سو اونٹوں کی شرط لگالی کہ جو یہ شرط ہارے گا وہ

سو اونٹ ادا کرے گا ادھر ہجرت ہو گئی اور سب مسلمان مدینہ شریف آگئے۔

ادھر ہرقل بادشاہ نے یہ منت مانی کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ایرانیوں پر فتح دی تو میں اپنے دار الخلافہ حمص سے ایلیا (بیت المقدس) تک پیدل جاؤں گا اس وقت روم کا دار الخلافہ حمص تھا اور بیت المقدس پہنچ کر نماز پڑھوں گا کیونکہ بیت المقدس ان کا قبلہ تھا اور ان کی محترم اور مقدس جگہ تھی۔

ہرقل نے بدلہ لینے کی تیاری شروع کر دی ادھر آپ ﷺ کی نبوت کے واقعات پیش آتے رہے حتیٰ کہ جس دن ۲ھ میں غزوہ بدر کا معرکہ ہوا عین اسی دن ہرقل نے کسریٰ کو شکست دی نہ صرف فتح حاصل کی اور اپنے علاقے واپس لیے بلکہ ایران (فارس) کے اندر تک چلا گیا جب مسلمانوں کو پتہ چلا تو ان کی خوشی دوہری ہو گئی اور مشرکین کو دوہرا غم یعنی اللہ پاک نے ان پر غم پر غم جمع کر دیا تو قرآن پاک کی پیشین گوئی بضع سنین صحیح ثابت ہوئی تو سیدنا صدیق اکبر ؓ نے سو اونٹ وصول کیے تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ان کو صدقہ کر دو کیونکہ شرط کے احکام اتر آئے تھے تو سیدنا صدیق اکبر ؓ نے وہ اونٹ صدقہ کر دیئے اس کے بعد ہرقل اپنے ملک کے استحکام میں لگ گیا اور چھوٹی چھوٹی بغاوتیں کچلنے میں چھ (۶) سال مزید لگ گئے وہ اپنی منت پوری کرنے لیے ایلیا روانہ ہوا۔

ادھر آپ ﷺ کی مشرکین کے ساتھ صلح حدیبیہ ذو القعدہ چھ (۶) ہجری کو ہو گئی آپ ﷺ نے سات (۷) ہجری میں دحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے نام خط دیکر بھیجا وہ پہلے شام کے علاقے بصریٰ گورنر حارث بن شمر کے پاس گئے اور اس کے توسط سے ہرقل تک پہنچے صلح کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابو سفیان تجارتی قافلہ لے کر شام پہنچا اس طرح تینوں بیت المقدس میں جمع ہو گئے

آپ ﷺ کا خط ابھی نہیں پہنچا تھا کہ اس سے پہلے ہرقل نے خواب دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ آچکا ہے یہ علم نجوم کا ماہر تھا اور اس نے جب ستاروں کو دیکھا تو بہت پریشان ہوا لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہ آپ کا چہرہ بہت مرجھایا ہوا ہے ہرقل نے کہا کہ میں نے رات علم نجوم میں دیکھا ہے کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب آگیا ہے انہوں نے کہا اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ختنہ تو یہودی کرتے ہیں یہودیوں کو ختم کر دیتے ہیں آپ حکم کریں سب کو قتل کر دیتے ہیں یہ مشورے اور باتیں ہو رہی تھیں کہ دحیہ کلبی ؓ خط لے کر پہنچ گئے خط کو اوپر سے دیکھتے ہی پتہ چل گیا کہ یہ ایسے آدمی کا خط ہے جو اپنے آپ کو رسول کہتا ہے اس نے دحیہ کلبی ؓ سے پوچھا کہ تم ختنہ کرتے ہو؟ آپ ؓ نے جواب دیا کہ سب عرب لوگ ختنہ کرتے ہیں اس نے خط پڑھا اور یقین ہو گیا کہ یہی وہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ ہے جو میری سلطنت کے زوال کا ذریعہ ہو گا اس کے دل میں فوری یہ بات آئی کہ "اِنَّهٗ مَلِکُ الْخَتَّانِ" یعنی ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ یہی ہے۔

اس نے یہ خط اور اپنا آدمی دونوں کو اٹلی میں "روما" بڑے لاٹ پادری ضغاطر کے پاس بھیجا اس مرتبہ دحیہ کلبی ؓ کا جانا ثابت

نہیں قیصر نے چونکہ حمص واپس آنا تھا اس لیے بیت المقدس سے حمص واپس آیا تنی دیر میں ضغاطر کا جواب آ گیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے ضغاطر کے اسلام کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی ؓ کا بہت اکرام کیا اور آپ ﷺ کے خط کو حریر کے کپڑے میں لپیٹ کر سونے کی نلکی میں رکھا اور کہا جب تک ہمارے پاس رہے گا اس کی وجہ سے بڑی برکت ہوگی کیونکہ یہ بڑی برکت کی چیز ہے یہ مسند احمد میں ہے

ہرقل کو یقین ہو گیا تھا لیکن اس نے ابوسفیان ؓ سے سوالات کیے تھے یہ لوگوں کو یقین دلانے کے لیے اس نے ابوسفیان ؓ کو بلوایا اور پیغمبر ﷺ کے بارے میں انٹرویو کیا کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھا کہ کوئی کمی تو ضرور بیان کرے گا۔

علامات نبوت میں ہرقل کی روایت سب سے جامع ہے کہ نبی کی صفات کیا ہوتی ہیں کیونکہ اس میں نقلی اور عقلی دلائل دونوں ہیں اس لیے کہ وہ تورات وانجیل کا عالم تھا اور اپنی عقل سے بھی سوالات کیے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے آپ ﷺ کی نبوت پر عقلی دلائل پیش کیے ورقہ بن نوفل نے نقلی بات کی اور ہرقل نے دونوں چیزوں کو سامنے رکھ کر پیغمبر ﷺ کی تصدیق کی پھر لوگوں کے مجمع میں تصدیق کی اور تمنا کا اظہار کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے قدموں میں جاؤں ان کے قدم دھوؤں اس پر ارکان سلطنت میں شور مچ گیا تو یہ چپ کر گیا دحیہ کلبی ؓ سے کہا کہ دیکھو میری قوم نہیں مانتی۔

ہرقل نے ایک دن دحیہ کلبی ؓ سے کہا کہ میرے ساتھ چلو گرجے میں لے گیا اس کے تہہ خانے میں قندیلیں روشن تھیں اور تین سو تیرہ (۳۱۳) رسولوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں یہ اس وقت کے بہترین مصوروں نے بنائی تھیں اس نے یہ کتابوں سے علامات دیکھ کر اپنے مصورین سے بنوائی تھیں ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی ؓ سے کہا کہ ان میں تمہارا پیغمبر کونسا ہے؟ اس کو پہچانو دحیہ کلبی ؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا اور کہا یہ ہمارے پیغمبر ﷺ ہیں جو مسکرا رہے ہیں اس نے کہا کہ بالکل یہی آخری نبی ہیں جیسا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ ﷺ نے دوبارہ خط بھیجا اس دفعہ ہرقل نے دحیہ کلبی ؓ کو اٹلی بھیج دیا کہ وہاں ایک بہت بڑا پادری عالم ہے اگر وہ تصدیق کر دیگا تو ہو سکتا ہے کہ میری قوم مان جائے وہ یا تو ہی ضغاطر تھا یا کوئی اور تھا اس نے تصدیق کر دی اور نہائے دھوئے سفید کپڑے پہنے اور کہا کہ میں خود منتظر تھا کہ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں اور گرجے میں آ کر اعلان کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں تم بھی اسلام قبول کر لو "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ" یہ سن کر لوگوں نے تنا مارا کہ انہیں شہید کر دیا پھر دحیہ کلبی ؓ ہرقل کے پاس واپس آئے اس دفعہ حضرت دحیہ کلبی ؓ کا وہاں جانا ثابت ہے دحیہ کلبی ؓ نے واپس آ کر جب ہرقل کو بتایا تو اس نے کہا کہ یہی مسئلہ ہے اور اسی بات کا خوف ہے ہرقل قوم اور ملک کے ڈر اور لالچ میں آ کر ایمان

نہیں لایا ورنہ ایمان کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔

اسلام ہرقل

آپ ﷺ نے دومرتبہ دحیہ کلبی ؓ کے ذریعے ہرقل کو والانامہ بھیجا اس نے بہت عقیدت اور محبت کا ظہار کیا لیکن اسلام قبول نہیں کیا بلکہ سلطنت اور دنیا کو ایمان اور آخرت کو ترجیح دی غزوہ موتہ اور غزوہ تبوک میں فوجیں لے کر آیا مسند احمد کی روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ نے خط بھیجا اس نے جواب میں کہا انا مسلم تو آپ ﷺ نے فرمایا کذب عدو الله انه علی نصرانیته لہٰذا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اگرچہ نجاشی نے بھی کتمان ایمان کیا تھا لیکن قلب وجان سے منقاد ہو گیا تھا اور استسلام باطنی کر لیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کا جنازہ خود پڑھایا۔

حدثنا ابو الیمان الحکم -------- انّ باسفیان بن حرب اخبرهٗ

ابوسفیان جب بعد میں مسلمان ہو گئے تو یہ حدیث خود عبد اللہ بن عباس ؓ کو سنائی ابوسفیان بن حرب یہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے والد ہیں تحمل حدیث حالت کفر میں کی لیکن روایت اسلام کی حالت میں ہوئی اور یہ جائز ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے بچپن کی یاد کی ہوئی حدیث جوانی میں بیان کرے تو یہ معتبر ہے لہٰذا یہ بھی معتبر روایت ہے۔

ان هرقل ارسل الیه فی رکب من قریش

ابوسفیان جب قریش کے قافلے میں تھے تو ہرقل نے آدمی بھیجا یہ ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے وکانو تجّاراً بالشام یہ لوگ تاجر بن کر ملک شام گئے تھے فی المدّۃ اسی مدت میں یہاں مدت سے مراد صلح حدیبیہ ہے التی کان رسول الله ﷺ مادّ فیها اباسفیان و کفّار جس زمانے میں آپ ﷺ نے ابوسفیان قریش سے صلح کی تھی فاتوهم وهم بایلیاء جب یہ آئے تو ہرقل ایلیاء میں تھا ایل بمعنی اللہ یا بمعنی شہر معنی بلد اللہ اسی طرح جبرائیل، میکائیل سب کا معنی عبد اللہ ہے فدعاهم فی مجلسه ان کو اپنی مجلس میں بلایا وحوله عظماء الروم ہرقل بادشاہ کے ارد گرد روم کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے

ثم دعاهم پھر ان کو اپنی مجلس میں بلایا پھر کہا آگے آؤ میرے سامنے ودعا ترجمانه اور ترجمان کو بلایا فقال ایکم اقرب نسبا تم میں نسب کے اعتبار سے ان کے قریب کون ہے؟ کیونکہ چوتھی پشت میں جا کر ابوسفیان ؓ کا نسب عبد مناف میں حضور نبی کریم ﷺ کے نسب کے ساتھ مل جاتا ہے ابوسفیان کا نام صخر ہے صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور حضور اکرم ﷺ کا نسب نامہ محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔

حضرت ابوسفیان ؓ نے باوجود مخالفت کے نسب میں کوئی غلط بات نہ کہی کیونکہ دونوں کا نسب ایک ہی تھا نبوت کے لیے حسب

و نسب ہونا ضروری ہے حسیب و نسیب کو مقتدا تسلیم کرنا آسان ہوتا ہے فقال ادنوہ منی اس نے کہا اس کو میرے اور قریب کردو وقرّبُوا اَصْحَابَهٗ اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب کردو فاجعلوھم عند ظھرہ اس کے ساتھیوں کو اس کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا کرو اس اکیلے کو آگے کھڑا کردو ان کی قطار اس کے پیچھے بنا دیا اس نے اس لیے کہا کہ ان کے ساتھیوں کو اس کی پیٹھ کے قریب پشت کی جانب کھڑا کردو تا کہ یہ آپس میں اشارہ کنایہ نہ کرسکیں اور مواجہت تکذیب سے مانع نہ ہو۔

ثم قال لترجمانه پھر ترجمان سے کہا قل لھم ان سے کہو اِنِّی سَائِلٌ ھٰذا عن ھذا الرجل میں اس سے اس آدمی کے بارے میں پوچھنے لگا ہوں فان کَذَبَنِی فکذِّبوہٗ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم سب اس کو جھٹلا دینا ہرقل بہت تیز اور ہوشیار بادشاہ تھا وہ دیکھ رہا تھا اور چہرے پڑھ رہا تھا وہ جو سوال بھی کرتا تھا ساتھ ساتھ ان کے چہرے پڑھتا تھا کوئی جھوٹ بات ہوتی تو فوراً کسی کا چہرہ متغیر ہو جاتا یونکہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونا ہے یہ لوگ کوئی مشورہ یا میٹنگ کر کے تو آئے نہیں تھے اس لیے ان کو ساتھ کھڑا نہیں کیا تا کہ آنکھوں سے بھی اشارہ نہ کرسکیں فو اللہ لو لا الحیاء خدا کی قسم اگر حیا نہ ہوتی من ان یاثِرُوا علیَّ کذِباً اس بات پر حیا نہ ہوتی کہ لوگ مجھ پر جھوٹ مشہور کر دیں گے وہاں مکہ جا کر مجھے جھوٹا کہیں گے تو ضرور جھوٹ بولتا۔

استاذی حضرت مفتی ولی حسن صاحب ؒ فرماتے تھے کہ اس زمانے کے کافر بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے یأثِرُوا کا معنی یرْوُوا لکھا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ میرا جھوٹ ہونا پھیلائیں گے میرے جھوٹ بولنے والی بات مشہور ہو جائے گی لَکَذَبْتُ عَنْهُ میں ضرور جھوٹ بولتا لیکن مجھے اپنے ساتھیوں سے ڈر لگا کہ عربوں میں مجھے جھوٹا مشہور کر دیں گے باوجود کافر ہونے کے وہ لوگ جھوٹ سے بہت نفرت کرتے تھے کوئی آدمی جھوٹا ہوتا خواہ وہ اپنی قوم کے مفاد میں ہی کیوں نہ ہو لوگ اس سے معاملات چھوڑ دیتے

ثم کان اول ماسألنی عنه سب سے پہلے مجھ سے جو سوال کیا قال کیف نسبه فیکم تم میں آپ ﷺ کا نسب کیسا ہے قُلتُ ھو فِینَا ذُوْ نَسَبٍ میں نے کہا کہ وہ ہم میں اونچے نسب والے ہیں کیونکہ اونچے نسب والے کی اتباع سب کو کرنا آسان ہے ورنہ تو عار محسوس ہوتی ہے سب سے پہلا سوال نسب کے متعلق کیا حضور اکرم ﷺ کا نسب تمام عرب والوں سے اعلیٰ و ارفع ہے ابو سفیان بھی وہاں اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور تھا کیونکہ وہ پہلے کہہ چکے تھے کہ میں نسب کے اعتبار سے ان کے زیادہ قریب ہوں اگر ابو سفیان حضور اکرم ﷺ کے نسب کی تحقیر کرتے تو اپنے نسب کی تحقیر لازم آتی قَالَ فھل قال ھٰذا القول منکم احدٌ قط قبله کیا یہ بات پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی؟ قلت لا میں نے کہا نہیں! اس کے سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ کسی نے نبوت کا دعویٰ تمہاری قوم میں سے پہلے بھی کسی نے کیا ہے یا نہیں ابو سفیان ؓ نے جب جلدی سے کہہ دیا کہ نہیں شاید بادشاہ یہ سمجھے کہ انہوں نے کوئی نئی بات کہی ہے (معاذ اللہ) ان کو کوئی جادو وغیرہ لاحق ہو گیا ہے جیسا کہ مشرکین کا دعویٰ تھا قال فھل کان من آبائه من ملك کیا ان کے بڑوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ قلت لا میں نے کہا نہیں! ابو سفیان ؓ نے اس کا انکار بھی بڑی جلدی

سے کر دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قل کے سامنے بے وقعت ہو جائیں کیونکہ ان کے بڑے سب درویش تھے خانہ کعبہ کے خدمت گزار تھے کسی کی پانی پر، کسی کی کھانے پر، کسی کے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولنے پر اور کسی کی جھاڑو دینے پر ڈیوٹی تھی قال اشراف الناس اتبعوه ام ضعفاء هم اس پیغمبر کی بڑے لوگ اتباع کر رہے ہیں یا کمزور لوگ قلت بل ضعفاء هم میں نے کہا کمزور لوگ اس کی اتباع کر رہے ہیں یہاں ضعفاء سے مراد جسمانی اعتبار سے کمزور لوگ نہیں بلکہ معاشرتی طور پر جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا غلام لونڈیاں غریب اور مزدور وغیرہ۔

قال ایزیدون ام ینقصون ان پر ایمان لانے والے کم ہو رہے ہیں یا بڑھ رہے ہیں قلت بل یزیدون میں نے کہا وہ بڑھ رہے ہیں دن بدن ان کی پارٹی میں اضافہ ہو رہا ہے قال فهل یرتد احد منهم سخطة لدینه بعد اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِ کہا ان میں کوئی دین سے ناراض ہو کر مرتد ہوا ہے دین میں داخل ہونے کے بعد دین اس کو اچھا نہ لگا ہو "سخطة" کا لفظ ہر قل نے اس لیے استعمال کیا کہ بعض اوقات طمع حرص میں آ کر آدمی یا کسی کے ڈر کی وجہ سے دین حق کو چھوڑ دیتا ہے قلت لا میں نے کہا نہیں اگر کوئی ایک دو مرتد ہوئے بھی ہیں تو وہ اور معاملات کی وجہ سے۔

قال فهل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال کیا ان کے نبوت کے دعویٰ کرنے سے پہلے تم نے ان پر کذب کی تہمت لگائی تھی؟ ہر قل نے یہ بھی بہت عمدہ سوال کیا کیونکہ کسی مدعی کا مشہور بالصدق ہونا اس کے دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں اہل مکہ کو صفا کی پہاڑی پر آواز دی جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے عمر بھر کوئی جھوٹ کہتے ہوئے سنا ہے؟ سب نے مل کر جواب دیا "مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِباً" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اِنْ هو الا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ" (سبا:۴۶) اسی بات پر ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی جس کے جواب میں "تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ" (اللھب:۱) اللہ جل شانہ نے نازل فرمائی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کر سکتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب کے ہاں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔

ہر قل کا یہ بات پوچھنا "فَهَلْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ" یہ بھی اس کی عقل مندی کی دلیل ہے کیونکہ اس نے یہ سوال نہیں کیا کہ انہوں نے اس سے پہلے جھوٹ بولا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھا کہ ان پر جھوٹ کی تہمت لگانے کی نوبت آئی ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ اگر کذب کی تہمت کی نفی ہو گی تو کذب کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو جائیگی۔

قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قلت لاَ پھر یہ پوچھا کہ کیا کبھی اس نے غداری بھی کی ہے کہ معاہدہ کر کے توڑا ہو میں نے کہا نہیں غداری تو دور کی بات ہے آپ علیہ السلام معمولی معاہدوں میں بھی بہت پختہ تھے ایک دفعہ ایک کافر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی معاملہ کیا اس نے کہا آپ یہاں ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں وہ کافر بھول گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے انتظار میں اس جگہ پر تین دن تک ٹھہرے رہے

اس کا تین دن کے بعد اس جگہ سے اتفاقاً گزر ہوا اس وقت اس کو یاد آیا کہ میں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو یہاں رہنے کا کہا تھا آپ علیہ السلام نے صرف اس کو اتنا کہا کہ تو نے مجھے اتنی تکلیف دی ہے۔

اس کے بعد ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں نے ایک بات ساتھ لگا دی کہ ونحن منه فی مدةٍ ہم ایک ایسی مدت میں ہیں ما هو فاعل فيها کیا معلوم کہ اس میں کیا کرنے والا ہے قال ولم تمكنى كلمة ادخل فيها ابو سفیان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے صرف یہی ایک کلمہ اپنی طرف سے کہا کہ ہم ایک ایسی مدت میں چل رہے ہیں کیا معلوم کہ وہ غداری کرتا ہے یا نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی میں نے اس لیے استعمال کیا کہ یہ مستقبل پر تھا اور اس پر میری گرفت نہیں ہو سکتی ان باتوں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ابو سفیان جان بوجھ کر یہ صورت اختیار کر رہے تھے حالانکہ ان کو اس بات کا بخوبی علم اور یقین تھا کہ آپ ﷺ وعدے کے بہت پکے ہیں اس لئے ہرقل نے بھی اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

ہرقل نے پوچھا قال فهل قاتلتموه کیا تمہاری اور اس کی کبھی جنگ ہوئی ہے؟ قلت نعم میں نے کہا ہاں قال فكيف كان قتالكم اياهٗ تمہاری لڑائیاں آپس میں کیسی رہیں؟ یعنی ان کا نتیجہ کیا رہا قلت الحرب بيننا وبينه سجال ہماری اور ان کی لڑائیاں ڈول کی طرح تھیں ينال منا وننال منه کبھی وہ ہم سے بھر لیتے اور کبھی ہم ان سے بھر لیتے یعنی لڑائی کا طریقہ ہمارے اور ان کے درمیان ڈول کی کھچائی کا سا ہے کبھی وہ ہمارا نقصان کرتے ہیں اور کبھی ہم ان کا سوقت تقریباً تین عظیم جنگیں ہو چکی تھیں (۱) بدر (۲) احد (۳) خندق ابو سفیان کا اشارہ بھی ان تین جنگوں کی طرف تھا کہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کافر ناکام ہوئے اور غزوہ احد میں بظاہر کافر کامیاب ہوئے لیکن در حقیقت مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غزوہ خندق میں بھی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کنوئیں پر پڑا ہوا ڈول جب ایک فریق کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو دوسری جماعت کو پانی لینے کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک پہلے والے اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں اسی طرح جنگ میں بھی یہ ہے کہ فتح کبھی ایک کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ میں جب ایک فتح حاصل کر لے تو دوسرے کو انتظار کرنا پڑتا ہے قال ماذا يأمركم ہرقل نے کہا وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے قلت يقول اعبدوا الله وحده ولا تشركوا به شيئاً واتركوا ما يقول آباؤكم ويأمرنا بالصلوة والصدق والعفاف والصلة ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ چھوڑ دو وہ عقیدے جو تمہارے ماں باپ کہتے ہیں ہمیں حکم دیتا ہے نماز کا سچائی کا پاکدامنی کا اور صلہ رحمی کا اصل میں انسان کے اعمال تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) قلبی (۲) قولی (۳) بدنی

قلبی تو یہ ہے کہ عقیدہ صحیح ہو شرک وغیرہ نہ کرتا ہو قولی میں صدق آگیا اور بدنی دو قسم پر ہے بدنی یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہوگا تو یہ نماز ہے اور اگر اپنی ذات سے متعلق ہے تو یہ عفت ہے اور اگر غیر کی ذات سے متعلق ہے تو صلہ رحمی ہے

فقال للترجمان ہرقل نے ترجمان سے کہا اب ہرقل جو جوابات ابوسفیان نے دیئے ہیں ان پر تبصرہ کرے گا قل له اس کو کہو سالتك عن نسبه میں نے تجھ سے اس نبی کے نسب کے بارے میں سوال کیا فذکرت انه فیکم ذونسب اسی طرح رسول قوم میں سے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں اب ابوسفیان نے جو پہلا جواب دیا تھا کہ "ذُوْنَسَبٍ" کہ نبی اونچے نسب والا ہے تو ہرقل نے کہا کہ مبعوث نبی کا حسب والا ہونا ضروری ہے تاکہ نبی کی عظمت لوگوں کے دلوں میں پہلے ہی بیٹھی ہو اور ان کی بات سننا اور عمل کرنا آسان ہو جائے سالتک میں نے تجھ سے پوچھا هل قال احد منکم هذا القول تم میں پہلے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے فذکرت ان لا تم نے کہا نہیں قلت لو کان احدٌ قال هذا القول قبله میں نے کہا اگر پہلے کسی نے دعویٰ کیا ہوتا لقلت رجلٌ یأتسی بقول قیل قبله میں سمجھتا اس آدمی نے پہلے والے کی بات کی اتباع کی ہے (کوئی نئی بات نہیں کی) اس سوال سے ہرقل کہتا ہے کہ میرا مقصد اور مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے قبل کسی نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ شخص پہلے والے آدمی کی کی ہوئی بات کی پیروی کرتا ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چھ سو سال تک کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا لیکن جب نبی پاک ﷺ ظہور پذیر ہوئے تو اس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقار اور عزت کو دیکھ کر دیکھا دیکھی کچھ ملعونوں نے دعویٰ نبوت کیا ہے جن میں سے بعض نے تو پیغمبر علیہ السلام کے دور میں ہی کیا ہے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور کچھ ملعون آپ علیہ السلام کے بعد مدعی نبوت بنے جیسے مرزا قادیانی وسالتك هل كان من آبائه من ملك میں نے تجھ سے پوچھا کہ کیا اس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے فذکرت ان لا تو نے کہا نہیں فقلت فلو كان من آبائه من ملك میں نے کہا کہ اگر اس کے آباء میں سے پہلے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا قلت رجل يطلب ملك ابيه میں سمجھتا سلطنت لینے کا بہانہ کیا ہے وسالتك میں نے پوچھا هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال تم جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے اس دعوے سے پہلے فذکرت ان لا تو نے کہا نہیں فقد اعرف میں سمجھ گیا انه لم یکن لیذر الكذب على الناس جو آدمی لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا و یکذب علی الله وہ اللہ پر کیسے جھوٹ بولے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں جس آدمی نے ساری زندگی اس احتیاط سے گزاری ہو کہ کبھی کسی پر جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کب جھوٹ بول سکتا ہے؟

ہرقل کا اس سوال سے مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کے دلوں میں آپ علیہ السلام کی نبوت و صداقت کا یقین بیٹھ جائے اور ہرقل کے لیے ایمان لانے کا راستہ آسان ہو جائے تاکہ اس کے ملک کے لوگ اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں سالتك میں نے تجھ سے پوچھا اشراف الناس اتبعوه ام ضعفاء هم اس نبی کی اتباع بڑے بڑے لوگ کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تم نے کہا کمزور لوگ تو کمزور لوگ اپنے نبیوں کے پیروکار ہوئے ہیں ان کا اس نبی کی پیروی کرنا اس کی صداقت کی علامت ہے اس لیے کہ امیر لوگ اپنے مال و دولت کے نشے میں ہوتے ہیں اور نئی بات کی طرف توجہ بہت کم دیتے ہیں بجائے اس کے غریب

لو گ سب سے زیادہ دین میں داخل ہوتے ہیں اور زیادہ دین کا کام کرتے ہیں اسلام کی توفیق غریبوں کو پہلے اور زیادہ ہوتی ہے اور امیروں سے پہلے غریبوں میں اسلام پھیلا ہے هم اتباع الرسل کمزور لوگ اتباع کرتے ہیں کیونکہ کمزور لوگوں میں کبر، حسد وغیرہ نہیں ہوتا اس لیے فوراً حق کو مان لیتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیهم اجمعین کی کثریت عام لوگوں اور غرباء کی ہے اگرچہ کچھ خواص اور امراء بھی ہیں لیکن زیادہ تر غرباء ہیں اسی لیے دین کے کاموں میں زیادہ تر یہی حصہ لیتے ہیں وسالتك ایزیدون ام ینقصون میں نے تجھ سے پوچھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں فذکرت انهم یزیدون تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں وکذلك امر الایمان حتی یتمّ ایمان کا معاملہ اس طرح ہے جب تک پورا نہ ہو جائے بڑھتا رہتا ہے سالتك میں نے پوچھا ایرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه کیا کوئی مرتد ہوا ہے دین سے اسمیں داخل ہونے کے بعد سخطة لدینه. دین سے ناراض ہو کر بشاشت سے مٹھاس اور حلاوت بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس کا معنیٰ انشراح بھی ہے یعنی ایمان دل میں داخل ہو جائے فذکرت ان لا تو نے کہا نہیں وکذلك الایمان حین تخالط بشاشته القلوب اسی طرح جب ایمان دل کی گہرائیوں میں گھس جاتا ہے تو اس سے نہیں نکلتا جب یہ ایمان رگ وریشہ میں اتر جاتا ہے تو اس کا نکلنا بہت دشوار ہوتا ہے علماء فرماتے ہیں کہ مرتد وہی ہوتا ہے جس کے دل میں ایمان نہ اترا ہوا اس لیے کہا جاتا ہے من رجع رجع عن الطریق، سالتك هل یغدر میں نے پوچھا کیا وہ غداری کرتا ہے فذکرت ان لا تو نے کہا نہیں وکذلك الرسل لا تغدر اسی طرح رسول غداری نہیں کرتے ابوسفیان نے درمیان میں جو تبصرہ کیا تھا اس پر ہرقل نے توجہ ہی نہیں دی وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے غلط کہہ رہا ہے جب پہلے غداری نہیں کی تو اب کیا کرے گا

وسالتك بما یامرکم میں نے پوچھا وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے فذکرت انه یامرکم ان تعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئاً وینهاکم عن عبادة الاوثان ویامرکم بالصلوة والصدق والعفاف تو نے کہا کہ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور بتوں کی پوجا کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے اور نماز، سچائی اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے فان کان ما تقول حقًا جو تو کہہ رہا ہے اگر سچی بات ہے فسیملك موضع قدمی هاتین عنقریب وہ میرے قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا کیونکہ لکھا ہوا تھا کہ بیت المقدس پر ان کا قبضہ ہو جائے گا چنانچہ حضرت عمر﷜ کے زمانہ میں بیت المقدس فتح ہو گیا وقد کنت اعلم انه خارج مجھے یقین تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں ولم اکن اظن منکم لیکن مجھے گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے ہم سمجھتے تھے کہ رومیوں یا عیسائیوں میں سے ہوں گے ہرقل کا خیال تھا کہ بڑے نبی کی بعثت بڑی جماعت میں ہو گی فلو انی اعلم انی اخلص الیه اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکتا ہوں لتجشمت لقاءہ میں اس سے ملاقات کی تکلیف برداشت کرتا ولو کنت عنده اگر میں اس کے پاس ہوتا لغسلت عن

قدمیه تو میں اس کے قدموں کو دھوتا ثم دعا بکتاب رسول اللہ ﷺ الذی بعث مع دحیة الکلبی پھر اس نے وہ دعوت نامہ منگوایا جس کو آپ ﷺ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ بھیجا تھا حضرت دحیہ کلبی ؓ کو اس لیے بھیجا کہ وہ خوبصورت تھے اور خوبصورت آدمی کو اس لیے بھیجا کیونکہ خوبصورت آدمی دوسرے پر اثرانداز ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت دحیہ کلبی ؓ کو آپ ﷺ سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔

آپ ؓ پہلے بھی عرب کی سفارت کرتے تھے حضرت دحیہ کلبی ؓ شام پہنچے تو وہاں کی عورتیں انہیں دیکھنے باہر نکل آئیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی عموماً حضرت دحیہ کلبی ؓ کی شکل میں آیا کرتے تھے کیونکہ فرشتے بھی اچھی صورت کو ہی پسند کرتے ہیں اور اس میں یہ نقطہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دین کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ بھیجا تو حضور ﷺ نے بھی اس دور کے سب سے بڑے آدمی کے پاس اس شخص کو بھیجا جس کی صورت پر عموماً حضرت جبرائیل ؑ آیا کرتے تھے اس طرح اللہ تعالیٰ کے سفیر اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر میں صوری مشابہت ہو گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا خوبصورت چہروں سے خیر طلب کرو اطلبو الخیر من الوجوه الحسان۔

الی عظیم بصریٰ فدفعه عظیم بصریٰ الی هرقل بصرہ کے گورنر کی طرف بھیجا گورنر بصریٰ نے ہرقل تک پہنچایا تھا

فقرأه فاذا فیه بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسوله الی هرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان رحم والا ہے محمد ﷺ کی جانب سے جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے ہرقل کو یہ پیغام پہنچے جو روم کا بڑا سردار ہے اس شخص کے لیے سلامتی ہے جو سیدھی راہ پکڑے

اس خط میں آپ ﷺ نے ''عظیم الروم'' لکھا حالانکہ ہرقل سلطان الروم اور ملک الروم کے نام سے پکارا جاتا تھا ہرقل کا بھتیجا ناراض ہو کر غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ اس خط کو پھاڑ دینا چاہیے کیونکہ اس میں آداب سلطانی کی رعایت نہیں کی گئی اس میں کاتب نے اپنا نام شہنشاہ سے پہلے لکھا ہے۔

ہرقل بھتیجے پر ناراض ہو کر کہنے لگا کہ انہوں نے میرے نام سے پہلے اس لیے لکھا ہے کہ وہ حقیقتاً رسول اللہ ہیں تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نام کو میرے نام سے پہلے لکھیں اور مالک میں نہیں ہوں مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مجھے رومی بادشاہ ہونے کی وجہ سے لوگ سلطان الروم کہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ہرقل کو بادشاہ اس لیے نہیں لکھا کیونکہ آپ ﷺ کے آنے کے بعد بادشاہت ختم ہو گئی کیونکہ آپ ﷺ کی موجودگی میں بادشاہ کو آپ ﷺ کے ماتحت رہنا پڑے گا اگر آپ ﷺ اس کو بادشاہ مان لیتے تو بادشاہ ہوتا۔

کسریٰ کا انجام

اسی طرح آپ ﷺ نے کسریٰ کے پاس بھی اپنے قاصد عبد اللہ بن حذافہ سہمی ؓ کو بھیجا تو اس نے آپ ﷺ کا خط مبارک پھاڑ دیا انہوں نے آ کر جب آپ ﷺ کو یہ واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے بد دعا کی یا اللہ جیسا اس نے میرے خط کے ساتھ کیا ہے اسی طرح ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس بد دعا کی وجہ سے ان کی جانوں اور سلطنت کے بھی ٹکڑے ہو گئے شاہ کسریٰ کی ہلاکت تو آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی ہو گئی تھی اس بد بخت کا نام خسرو پرویز تھا اس کی ایک عورت (شیرین نامی) تھی وہ بہت خوبصورت تھی خسرو پرویز کا لڑکا بھی اس پر عاشق تھا باپ کی موجودگی میں وہ لڑکا اس عورت کو حاصل نہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر دیا خسرو پرویز نے قتل کی سازش کا ادراک کر لیا تھا اس نے اس سے پہلے اپنے شاہی دواخانے میں زہر کی شیشی پر ''مقوی باہ دوا'' لکھ دیا اس کے بیٹے نے باپ کو قتل کرنے کے بعد جب تخت سنبھالا تو اپنی عیاش طبیعت کی وجہ سے طاقت کی دواؤں سے اسے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اس مقصد کے لیے جب وہ شاہی دواخانے میں گیا تو وہاں اس نے شیشی پر ''مقوی باہ دوا'' لکھا ہوا دیکھا تو بہت خوش ہوا اور اسے کھا گیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی اسی طرح چند روز میں ہی خاندان میں کوئی مرد ایسا نہ رہا جو تخت نشین ہو سکے چنانچہ ایک لڑکی کو تخت نشین کیا گیا یہ خبر سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''**لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ**'' وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا امور ایک عورت کے سپرد کر دیئے ہیں۔

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی یہ غیر مسلموں کو سلام کا طریقہ ہے۔

آپ ﷺ نے ہرقل کو ''**عظیم الروم**'' کے لقب سے اپنے خط میں لکھا آپ ﷺ کی ذات اقدس اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی کے ساتھ بد کلامی کلا و یا اختیار کیا جائے بلکہ دشمنوں کے ساتھ انتہائی نرم کلام کا حکم دیتی ہے ہرقل چونکہ رومیوں کے ہاں عظمت والا انسان تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس لقب سے یاد فرمایا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی عظمت یا صاحب منصب انسان کے ساتھ خط و کتابت اور گفتگو کے وقت اچھے القاب کا استعمال اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گورنر مسٹن دیو بند آیا تو دار العلوم والوں نے اپنی بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کے استقبال کا اہتمام کیا اور علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو صدر کی حیثیت سے مہمان خصوصی کے لیے کچھ الفاظ سپاس نامہ لکھنے کے لیے کہا گیا حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں پریشان تھا کہ آخر اس ظالم انسان کے متعلق کیا لکھوں اس شخص نے تو کانپور میں مسجد پر گولیاں چلوائی تھیں اس وقت چونکہ دوسری حیثیت سے آ رہا تھا اور اہل مدرسہ بھی اس کے استقبال پہ مجبور تھے تو میری نظر اس حدیث ہرقل پر گئی اور میں نے گورنر مسٹن کے لیے عظیم کا لفظ استعمال کیا اور اس حدیث کی وجہ سے میرا دل مطمئن رہا۔

امابعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين حمد و صلاۃ کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں اگر تو اسلام قبول کرے گا تو بچ جائے گا اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا آپ ﷺ کے الفاظ اسلم تسلم جامعیت کے اعتبار سے اس میں دونوں جہاں شامل ہیں ان الفاظ کے ذریعے سے ہرقل کو سلامتی کا یقین دلایا اور اس کے لیے دعوت فکر تھی اگر وہ غور کرتا تو پیغمبر ﷺ کے اس جملہ میں اس کے لیے سکون اور اطمینان کی یقین دہانی تھی اگر یہ مسلمان ہو جاتا تو اس کے لیے بشارت تھی کہ ایک اپنے نبی پر ایمان لانے کا اجر ملتا اور ایک آپ ﷺ پر۔

فان توليت فان عليك اثم اليريسيين اگر تو پھر گیا تو تیرے سر پر سارے کسانوں کا گناہ ہو گا یریس لفظ عام ہے جس کا معنی کاشتکار ہے اس میں سب شامل ہیں زمیندار، کاشتکار اور حکومت والے سب شامل ہے اس لیے کہ اگر ہرقل ایمان نہ لایا تو سب کا گناہ اس کے کھاتے میں ہے کیونکہ جس طرح نیکی کرنا اجر و ثواب ہے اس طرح نیکی کا وسیلہ اور ذریعہ بننا بھی نیکی ہے اور برائی کرنا جس طرح گناہ ہے اسی طرح برائی کا وسیلہ اور ذریعہ بننا اس کے ذرائع مہیا کرنا بھی گناہ ہے اس لیے فرمایا کہ اس کی رعایا اس کے ماتحت تھے اگر وہ اسلام نہ لایا تو سب کا گناہ اس پر ہو گا ویآهل الکتب تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون (آل عمران:۶۴) قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ ابوسفیان ؓ فرماتے ہیں جب یہ ساری باتیں ہوئیں فلما قال ما قال وفرغ من قرأة الكتاب اور جب وہ کتاب پڑھنے سے فارغ ہوا كثر عندہ الصخب وہاں بہت شور مچ گیا لوگوں نے احتجاج شروع کر دیا کہ ہم اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے فارتفعت الاصوات آوازیں بلند ہو گئیں وَاُخْرِجْنَا ہمیں نکال دیا گیا کہنے لگے کہ ان کو باہر بھیجو آپس کی بات ہے، ہم خود طے کریں گے سمجھ تو نہیں آ رہا تھا اس لیے کہ وہ اپنی رومی زبان میں بول رہے تھے فقلت لاصحابی حين اخرجنا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا جب ہم باہر نکالے گئے لقد اَمِرَ امر ابن ابی كبشة ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بڑا مضبوط ہو گیا ہے یہ آپ ﷺ کی عزت کم کرنے کے لیے اور آپ علیہ السلام کا درجہ کم ثابت کرنے کے لیے کہتے تھے ابو کبشہ کا بیٹا ابو کبشہ حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کے شوہر کا نام ہے چونکہ آپ کے رضاعی باپ ہیں تو ان کی طرف نسبت کرتے تھے حالانکہ آپ علیہ السلام تو ہاشمی، قریشی کے بیٹے تھے ابن عبد اللہ نہیں کہتے تھے کہ قریشی کا بیٹا ہے، حسد اور دشمنی کی وجہ سے ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے کیونکہ وہ ایک دیہاتی آدمی تھا انه يخافه ملك بنی الاصفر اس سے تو بنی اصفر کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا ہے اصفر زرد رنگ والا یہ یا تو ان کے کسی بڑے کا نام ہے یا رنگ کی وجہ سے ہے کہ انگریزوں کا رنگ پیلا ہوتا ہے اس لیے بنو الاصفر کہا فما زلت موقنا مجھے برابر یہ یقین رہا انه سيظهر کہ ایک دن پیغمبر علیہ السلام چھا جائیں گے حتی ادخل الله علی الاسلام یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام داخل کر دیا اور ایمان کی توفیق دے دی۔

کان ابن الناطور

یہاں سے ابن شہاب زہری ابن الناطور سے بیان کر رہے ہیں و کان ابن الناطور ابن ناطور کون ہے ؟ یہ اس زمانے میں جب ہرقل بیت المقدس آیا تھا وہاں کا گورنر تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا یہ گورنر ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کا لاٹ پادری بھی تھا اس کے پاس ایک مذہبی اور دوسرا سیاسی دونوں عہدے تھے اس نے مسلمان ہونے کے بعد عبد الملک بن مروان کے زمانے میں امام زہری سے ملاقات کی تھی اور یہ واقعہ امام زہری نے خود اس کی زبانی سنا ہے اس نے بڑی لمبی عمر پائی تھی یہ متصل السند واقعہ ہے صاحب ایلیاء و ھرقل یہ ابن ناطور ایلیاء کا گورنر اور ہرقل کا دوست تھا صاحب اگر ملک کے لیے ہو تو گورنر (جیسے حارث بن شمر بصریٰ کا گورنر تھا) ور اگر انسان کے لیے استعمال ہو تو دوست سقف علی نصاریٰ الشام اور شام کے عیسائیوں کا لاٹ پادری تھا سقف مراد بڑا پادری یُحَدِّثُ بیان کرتا ہے ابن شہاب زہری کان ھرقل حین قدم ایلیاء ہرقل جب ایلیاء آیا ایلیاء میں اِیْل کا معنی ہے اللہ اور یاء کا معنی ہے ملک مراد یہاں بیت المقدس ہے اصبح یوماً خَبِیْثُ النفس ایک دن اس نے صبح کی اس کا دل بڑا پراگندہ تھا اور پریشان اور اس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ پریشان ہے فقال بَعْضُ بَطَارِقَتِهٖ اس کے بعض سرداروں نے کہا بطارقتہ بطریق کی جمع ہے اور عیسائی فوج کے سردار کو کہتے ہیں فتوح شام میں بطریق لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے فتوح شام علامہ عمر واقدی کی تصنیف ہے، بہت زبردست کتاب ہے لیکن اس کو حدیث میں محدثین نے کمزور قرار دیا ہے لیکن تاریخ میں معتبر ہے فتوح شام، فتوح عراق اور فتوح مصر یہ شاندار کتابیں ہیں قد استنکر نا ہیأ تك ہمیں آپ کی ہیئت اور حالت بڑی عجیب معلوم ہو رہی ہے قال ابن الناطور ابن ناطور کہتا ہے و کان ھرقل حزاء ہرقل کاہن تھا اور نجومی بھی تھا اور علم نجوم کا ماہر تھا فقال لھم حین سألوہ انہوں نے پوچھا تو اس نے جواب دیا انی رأیت اللیلة رات میں نے دیکھا حین نظرت فی النجوم جب میں نے ستاروں میں دیکھا ملك الختان قد ظھر ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ ظاہر ہو چکا ہے اس کی بادشاہت کہیں قائم ہو چکی ہے فمن یختتن من ھذہ الامة اس امت میں کون ختنہ کرتے ہیں امت سے مراد زمانہ ہے یعنی اس زمانے میں قالو الیس یختتنُ الّا الیھود لوگوں نے کہا یہودیوں کے علاوہ کوئی ختنہ نہیں کرتا فلا یھمنك شانھم آپ کو یہودیوں کا معاملہ غم نہ دے کوئی مسئلہ نہیں ہمارے ملک میں تھوڑی سی تعداد میں ہیں و اکتب اِلی مدآئن مُلکك اپنے ملک کے شہروں میں خط لکھ دیں فلیقتلو امن فیھم من الیھود سب یہودیوں کو قتل کر دیں بس اس پر مشورہ ہو رہا تھا فبیناھم علی امرھم اُتِیَ ھرقل برجل ابھی مشورہ ہو رہا تھا کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا ارسل بہ ملك غسّان جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا یہ دحیہ کلبی ؓ نہیں تھے کوئی اور تھا یخبر عن خبر رسول اللہ ﷺ

جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی خبر دے رہا تھا فلما استخبرہ ھرقل جب ہرقل نے اس سے اچھی طرح خبر لی قال اذھبوا اس کو لے جاؤ فانظروا اس کو دیکھو امختتن ھو ام لا اس کا ختنہ ہے یا نہیں فنظروا الیہ جب اس کو دیکھا فحدثوہ انہ مختتن تو ہرقل کو انہوں نے بتلایا کہ اس کی ختنہ ہوئی ہے وسألہ عن العرب اس سے پوچھا عرب کیا کرتے ہیں فقال ھم یختتنون کہا کہ سارے عرب ختنہ کرتے ہیں فقال ھرقل ھذا ملك ھذہ الامة قد ظھر ہرقل نے کہا اس امت اور اس زمانے کا بادشاہ جس کے بارے میں یہ بتا رہا ہے (رسول اللہ) وہ ظاہر ہو گئے ہیں اب غالب آجائیں گے۔

یہ دحیہ کلبی سے پہلے کا قصہ ہے اس کے بعد دحیہ کلبی خط لیکر پہنچ گئے تو پہلے سے ذہن بنا ہوا تھا ثم کتب ھرقل الی صاحب لہ برومیة پھر ہرقل نے خط لکھا اپنے دوست کو اٹلی میں جس کا نام ضغاطر تھا وکان نظیرہ فی العلم اور وہ علم میں اسی کے مثل تھا وصار ھرقل الی حمص فلم یرم حمص اور ہرقل واپس حمص چلا گیا اپنے دار الخلافہ میں اور تصدیق کے لیے خط بھیج کر واپس چلا گیا پہلی کوشش ایمان اور اسلام کی تو یہیں کی تھی جو پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن شور شرابا ہو گیا حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یہاں تک کہ اس کے دوست کا خط آیا یوافق رأی ھرقل علی خروج النبی ﷺ وہ موافقت کر رہا تھا پیغمبر علیہ السلام کے نکلنے پر ہرقل کی۔ ہرقل کی موافقت کی کہ تو نے بالکل صحیح سمجھا ہے میرے علم کے مطابق بھی یہی وہ پیغمبر ہیں اور آچکے ہیں وانہ نبی اس نے کہا یہ نبی ہیں۔

چونکہ ہرقل دیکھ چکا تھا کہ وہاں بات کی تھی تو بہت شور اٹھا تھا اب پہلے سے ذہنوں میں فساد ہے دوبارہ بات کریں گے تو لوگ مخالف ہوں گے اس مرتبہ اس نے کھل کر عام بات نہیں کی بلکہ ایک محل میں کی تا کہ اندر کی بات باہر عوام تک نہ جائے تا کہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔

فاذن ھرقل ہرقل نے اطلاع دی لعظماء الروم فی دسکرة لہ رومیوں کے بڑے آدمیوں کو فی دسکرة اپنے ایک محل میں دسکرۃ ایسا محل جس میں کمرے بنے ہوتے ہیں اور اندر بڑا ہال ہوتا ہے اور ہال کے اندر کمرے بنے ہوتے ہیں ثم امر بابوابھا پھر حکم دیا دروازوں کا فغلقت دروازے بند کر دیئے گئے ثم اطلع پھر یہ طلوع ہوا طلوع سے مراد یہ ہے کہ وہاں میں آکر نہیں بیٹھا اوپر ایک بالا کونی بنی ہوئی تھی وہاں آکر بیٹھا اور دوسرے لوگ نیچے بیٹھے تا کہ اس پر کوئی اچانک آکر حملہ ہی نہ کر دے طلوع اوپر سے ظاہر ہونے والی چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

فقال یامعشر الروم اے رومیوں کی جماعت ھل لکم فی الفلاح والرشد کیا تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو وان یثبت ملککم اور تمہارا ملک ہمیشہ باقی رہے فتبایعوا ھذا النبی اس نبی کی اتباع کرلو فحاصُوا حَیصَةَ حُمُرُ الوَحشِ اِلی الابواب وہ دوڑے دروازوں کی طرف وحشی گدھوں کی طرح نعرے مارتے ہوئے کیونکہ پہلے جب بات کی تھی تو اس وقت سے

ذہن خراب تھا تو کہنے لگے کہ تو عربوں کا ہمیں غلام بناتا ہے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ سب بڑے بڑے وزیر تھے برابر کے لوگ تھے تو ان میں بھی بادشاہت کی صلاحیت تھی تو دروازوں کی طرف بھاگے۔

فوجدوھا قد غلّقت وہاں گئے تو دروازے بند تھے باہر پہرے دار تھے سب باہر سے تالے لگائے ہوئے تھے فلمّا رای ھرقل نفرتھم جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی وایسَ مِنَ الایمان اور ایمان سے مایوس ہو گیا قَالَ رُدُّوھم عَلَیَّ کہا ان کو واپس میرے پاس لاؤ وَقَالَ اِنی قلت مقالتی انفاً میں نے ابھی یہ بات اس لیے کی تھی اَختَبِرُبِھَا شدتکم علی دینکم میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کتنے پکے ہو فقد رأیت میں نے دیکھ لیا کہ تم بہت پکے ہو فسجدوا له ورضوا عنه پس سب سجدے میں گر پڑے اور راضی ہو گئے ان کے ہاں یہ تعظیم تھی کہ سجدے میں گر جاتے تھے کہنے لگے کہ ہم آپ سے خوش ہیں۔

فکان ذلك اٰخِرشان ھرقل یہ ہرقل کی آخری شان تھی آخری شان سے مراد یہ ایمان کے بارے میں اس کی آخری کوشش تھی پس اس کے بعد اس نے کوئی کوشش نہیں کی کہ وہ بادشاہت کو چھوڑ جاتا اور نکل جاتا لیکن یہ بادشاہت کا چسکا ہی ایسا ہے۔

امام بخاری ؒ کی یہ عادت ہے کہ جب بھی کوئی باب یا کتاب ختم کرتے ہیں تو آخر میں کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں کہ جس سے اس کے اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے آخرشان ہرقل کہہ دیا اور باب بھی ختم کر دیا حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کتاب کے آخر میں ایسی بات لاتے ہیں جس سے موت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

حدیث ہرقل اور باب بدء الوحی

امام بخاری ؒ باب الوحی کے آخر میں حدیث ہرقل لائے ہیں علامہ سندھی ؒ فرماتے ہیں کہ وحی کا مقصود اثبات نبوت ہوتا ہے اور حدیث ہرقل اس پر خوب دلالت کرتی ہے اس لیے آخر میں یہ حدیث لائے۔

یہ حدیث دلائل نبوت اور علامات نبوت میں سب سے جامع روایت ہے اس میں موحی الیہ آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا بیان ہے جو کہ مبادی نبوت اور تباشیر نبوت میں سے ہے کیونکہ نبی حسیب ونسیب، عقلمند وصادق، زاھد فی الدنیا راغب فی الآخرۃ غدر وخیانت سے محفوظ، مکارم اخلاق اور محاسن شمائل سے متزین اور کفر وشرک سے روکنے والا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والا اور خیر کا حکم دینے والا ہوتا ہے۔

ایمان ہرقل

پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ ہرقل مسلمان نہیں ہوا تھا اگرچہ اس نے ایمان کے لیے سعی اور کوشش کی تھی لیکن سلطنت کو ترجیح دی اور دل سے منقاد اور تسلیم خم نہیں کیا تھا اس لیے جب غزوہ تبوک میں آپ علیہ السلام نے دوبارہ دعوت اسلام دی تو اس نے جواب دیا انی مسلم کہ میں مسلمان ہوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کذب عدو اللہ انہ علی نصرانیتہ۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی ترتیب ابواب میں ترجیح

والد گرامی حضرت مولانا مفتی نیاز محمد صاحب ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ استاد گرامی مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند اور شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور بہاول نگر مدرسہ جامع العلوم عید گاہ تشریف لائے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ بخاری شریف کے ابواب کی ترتیب بہتر ہے یا مسلم شریف کے ابواب کی کیونکہ امام بخاری ؒ نے پہلے وحی کو ذکر کیا ہے اور پھر ایمان کو ذکر کیا ہے اور جب کہ امام مسلم ؒ نے پہلے ایمان کو ذکر کیا ہے اور پھر وحی کو ذکر کیا ہے۔

تو اس پر حضرت استاد نے فرمایا کہ بخاری شریف کی ترتیب زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ وحی کی ابتداء خالق سے ہے اور انتہا مخلوق پر ہے جبکہ ایمان کی ابتداء مخلوق سے ہوتی ہے اور انتہا خالق پر ہوتی ہے اور وحی تعلق قدیم ہے جبکہ ایمان تعلق حادث ہے اور قدیم ترجیح رکھتا ہے حادث پر۔

والد صاحب ؒ فرماتے ہیں اس پر میں نے عرض کیا کہ میرے ذہن میں دوسری بات آتی ہے جس سے مسلم کی ترتیب ترجیح رکھتی ہے بخاری کی ترتیب پر اور وہ یہ ہے کہ ایمان میں نسبت صعودی ہے کیونکہ وہ بندہ سے شروع ہو کر خالق پر ختم ہوتا ہے اور وحی میں نسبت تسفلی ہے جو خالق سے شروع ہوتی ہے اور بندہ پر ختم ہوتی ہے۔ اور دوسرا "العبرة بالخواتیم" کے تحت ایمان کا اختتام اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے جبکہ وحی کا اختتام بندے پر ہوتا ہے اور نسبت صعودی افضل ہے نسبت نزولی سے اور ایمان کا منتہا افضل ہے وحی کے منتہا سے۔

تو اس پر استاد گرامی ؒ نے فرمایا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے نکالی تو میں نے عرض کیا کہ یہ بات امام رازی ؒ کی تفسیر کبیر سے لی ہے جس میں انہوں نے

"سبحان الّذی اسرٰی بعبدہ" (بنی اسرائیل:1)

کے ذیل میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ عبد استعمال کیا ہے "نبیہ یا رسولہ" نہیں کہا کیونکہ رسالت اور نبوت اللہ تعالیٰ سے بندے کی طرف آتی ہے تو ان میں نسبت نزولی ہے جبکہ عبدیت کی نسبت بندے سے اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے تو اس میں نسبت

صعودی ہے اور نسبت صعودی کو ترجیح دی گئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر نبوت یا رسالت کو ذکر کیا جاتا تو وہ موصوف بغیر صفت کے چڑھتا ہے کیونکہ یہ صفات اوپر سے نیچے اترتی ہیں اور عبدیت کی صفت نیچے سے اوپر چڑھتی ہے تو موصوف مع الصفت کے اوپر چڑھتا ہے اس لیے اس کو ذکر کیا۔ والد گرامی فرماتے ہیں کہ میری یہ تقریر سن کر استاد محترم بہت خوش ہوئے اور بہت تحسین اور توصیف فرمائی۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم الجعفی البخاری ؒ

تقریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ

جلیل احمد اخون صاحب دامت برکاتہم

جامع العلوم عیدگاہ بہاول نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الوحی اور کتاب الایمان میں ربط

کتاب الایمان کو باب الوحی کی بعد کیوں ذکر کیا؟ اس کی تین وجوہات ہیں:

(۱) باب الوحی بطور مقدمہ ہے اور مقصد اور اصل ''کتاب الایمان'' ہے مقدمہ اس لیے ضروری ہے کہ جب تک وحی کی عظمت، صداقت اور اعتماد دل میں نہ ہو تو اس وقت تک ایمان لانا ممکن نہیں ہوتا اس لیے پہلے مقدمہ لائے باب الوحی کی صورت میں پھر کتاب الایمان لائے اس لیے کہ ایمانیات میں وہ چیز معتبر ہوگی جو بذریعہ وحی ہوگی اگر وحی کے راستے سے نہ آئی ہو تو معتبر نہ ہوگی۔

(۲) سب سے پہلی خیر جو آسمان سے نازل ہوئی وہ وحی ہے اور جس کا انسان کو سب سے پہلے مکلف بنایا گیا وہ ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پہلی خیر بندوں کی طرف نازل ہوئی وہ وحی ہے اور بندوں کی طرف سے جو پہلی چیز پیش کی گئی وہ ایمان ہے

(۳) حدیث ہرقل میں ہرقل کے عمل سے اس کے مومن ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس لیے امام بخاری ایمانیات کی بحث لائے کہ ایمان کے لیے کیا چیز ضروری ہے ہرقل کے ایمان اور عدم ایمان کو جاننے کے لیے کتاب الایمان کا جاننا ضروری ہے۔

ایمان کی لغوی تحقیق

ایمان «اٰمِن یَأْمَنُ» باب «سَمِعَ یَسْمَعُ» سے ہے اٰمِنَ یَاْمَنُ اَمْنًا اس کا معنی ہے محفوظ ہونا، بے خوف ہونا اور خوف سب جانتے ہیں جب وہ دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں امن ہو گیا اور قرآن پاک نے اس کو ازالہ خوف کے معنی میں استعمال بھی کیا ہے قولہ عزوجل وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:۵۵) ہم نے خوف کے بعد ان کو امن میں تبدیل کر دیا یعنی ہم نے خوف کو زائل کر دیا۔

اٰمَنَ یُؤْمِنُ باب افعال سے ہے اس کا معنی خوف کو دور کرنا اور خوف زائل کرنا ہے اٰمَنْتُهٗ میں نے اس کا خوف زائل کر دیا یہ ایک استعمال ہے کہ متعدی یک مفعول کی طرف ہو۔

دوسرا استعمال یہ ہے کہ دو مفعول کی طرف متعدی ہو پھر دو مفعول جو آئیں گے ان کی طرف یہ اٰمَنْتُ براہ راست متعدی ہو گا تو اس کا استعمال دو طرح کا ہے ایک یہ کہ بغیر حرف جار کے متعدی ہو جیسے اٰمَنْتُهٗ غیری میں نے اس کا پنے غیر سے محفوظ کر دیا یعنی میرے علاوہ کسی اور سے جو ڈر تھا وہ میں نے دور کر دیا اور کبھی حرف جار آتا تھا جیسے اٰمَنَهُمْ مِنْ خوف کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خوف سے مامون کر دیا یہاں پر لفظ مِنْ خوف آیا ہے اور یہ بھی مفعول ہے اور امنهم میں هم ضمیر بھی مفعول ہے یہ لغوی طور پر

اس کے تین استعمال ہیں۔

چوتھا استعمال یہ ہے کہ اس کا صلہ آئے یعنی براہ راست متعدی نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں صلہ آتا ہے حرف جار بطور صلہ کے آتا ہے پھر صلہ یا تو حرف باء ہو گا جیسے آمنتُ باللہ اور آمن الرسول بما انزل تو اب یہ تصدیق کے معنی میں ہو گا۔

کبھی اس کا صلہ حرف "لام" آئے گا جیسے وما انت بمومن لنا ولو کنا صٰدقین یہاں ایمان لانا مراد نہیں ہے بلکہ اعتبار کرنے کے معنی میں ہے کہ آپ ہمارا اعتبار نہیں کر رہے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا 'منقاد ہو جانا' اگلے کی بات کو تسلیم کر لینا گلے پر اعتبار کر لینا اس کے تابع ہو جانا کہ جیسے تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے اور قرآن پاک نے اس کو دوسرے مقام پر ذکر کیا ہے قالوا أنؤمنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَومهما لنا عابدون (المومنون ۲۷:۴) قوم فرعون نے کہا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کے منقاد اور تابع ہو جائیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اور کبھی اس کا صلہ عَلٰی آتا ہے اور یہ ایک حدیث کے علاوہ اور کہیں نہیں آیا فضائل قرآن میں صرف ایک جگہ علیٰ کے ساتھ امن یومن استعمال ہوا ہے حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ مَامِنْ نَبِيٍّ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا اُوتِيتُهُ وَحياً

کہ کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں بھیجا مگر ایسی نشانی دے کر جس پر لوگ ایمان لے آتے تھے اس نشانی سے مراد معجزات ہیں مَا اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ میں امن کے بعد علی صلہ ہے اور یہ اعتماد کرنے کے معنی میں ہے کہ لوگ اس پر اعتماد کر کے اس کی صداقت کو قبول کر لیتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ کلام ہے لہذا میرے تابعین زیادہ ہوں گے کیونکہ وہ قیامت تک رہے گا۔

ایمان کی شرعی تحقیق

شریعت میں ایمان کہتے ہیں هُوَ التَّصْدِيْقُ بِمَا عُلِمَ مَجِيْئُ الرَّسُوْلِ بِهٖ ضَرُوْرَةً اِجْمَالاً فِيْمَا عُلِمَ اِجْمَالاً تَفْصِيْلاً فِيْمَا عُلِمَ تَفْصِيْلاً۔

تصدیق

شرعی معنی سمجھنے سے پہلے تصدیق کا معنی سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ معنی ایمان میں استعمال ہوتا ہے تصدیق کہتے ہیں اپنے اختیار سے صدق کی نسبت مخبر کی طرف کرنا آپ خبر دینے والے کی طرف نسبت کریں کہ اس نے سچ کہا ہے تو گویا اپنے اختیار اور مرضی سے صدق و سچائی کی نسبت خبر یا مخبر کی طرف کرنا تصدیق کہلاتی ہے ابن تیمیہؒ نے اس بات کو اٹھایا ہے کہ ایسی چیز کی تصدیق

کرنا جو مشاہدہ اور حس سے بالاتر ہو کہ غیب کی چیز ہو مگر نہ مشاہدہ اور حس والی چیز کی طرف نسبت تصدیق نہیں جیسے سورج کو دیکھ کر تصدیق کرنا ایمان نہیں بلکہ مشاہدہ ہے تو گویا تصدیق میں تین چیزیں ہیں

(۱) اختیاری ہو اضطراری نہ ہو جیسے سورج نکلا ہوا ہے اس کی تصدیق میں اور آپ نہ بھی چاہیں تب بھی کرنی پڑے گی اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۲) نسبت بھی کرے اگر نسبت نہیں کرتا تو بھی ایمان نہیں ہے جیسے یہودیوں نے کہا تھا کہ آپ علیہ السلام کو سچا جاننے کے باوجود نسبت نہیں کرتے تھے۔

(۳) وہ چیز علم غیب سے تعلق رکھتی ہو مشاہدہ اور حس سے تعلق نہ رکھتی ہو۔

لہذا تصدیق کا معنیٰ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو تصدیق میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے تصدیق اختیاری ہو اضطراری نہ ہو اور نسبت بھی کرے لہذا یہودیوں کا جو ایمان تھا "يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ" (البقرۃ: ۱۴۶) یہودیوں کا ایمان اضطراری تھا معرفت اختیاری نہیں تھی انہوں نے کتابوں میں پڑھ رکھا تھا جب وہ نشانیاں پوری کی پوری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آ گئیں، دیکھیں تو یقین کرنا پڑا لیکن یہ اختیاری نہیں تھا بلکہ اضطراری تھا جیسے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں ہے "واستيقنتها انفسهم" (النمل ۱۴) کے جی نے یقین کر لیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اسی طرح ابو طالب کو بھی یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں لیکن صدق کی نسبت نہیں کی۔

تصدیق کرنے والے کو مُصَدِّق اور صِدِّیق کہتے ہیں۔

ضروریاتِ دین کا معنیٰ

ضرورۃً ضروریات کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جن کا دین میں ہونا ہر دین دار شخص کو معلوم ہو کہ یہ چیزیں خواہ فرض ہوں، واجب ہوں، سنت یا مستحب ہوں لیکن اس کا آنا دین میں ہونا یقینی ہو تو وہ ایمانیات کا حصہ بن جائے گا مولانا حق نواز شہیدؒ نے اس پر بھی ایک بیان میں بحث کی ہے کہ روافض ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں اس لیے ان کا کفر ثابت ہے۔

نماز، روزہ حج زکوٰۃ یا دوسری ضروریات دین مثلاً مسواک، داڑھی وغیرہ اگرچہ مسواک نہیں کرتا ساری زندگی ٹوتھ پیسٹ کرتا ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر مسواک کی سنت کا انکار کرے گا تو یہ انکار کرنا کفر ہے اسی طرح ختم نبوت کے بارے میں آپ علیہ السلام سے متواتر حدیثیں آئی ہیں اور یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے میں آخری نبی ہوں لہذا ختم نبوت کا منکر بھی کافر ہے مرزائی کافر اس وجہ سے ہیں اور روافض یہی اختیارات آئمہ کے لیے

ثابت کرتے ہیں لہذا وہ بھی کافر ہیں۔

اسی طرح اگر عمومی صحابیہ یا اکثریت صحابہؓ کا منکر ہے تو وہ بھی کافر ہے اور اسی طرح اگر نام لے کر صدیق اکبرؓ کی صحابیت کا انکار کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے اس لیے کہ ان کی صحابیت قرآن پاک میں آئی ہے قال اللہ تعالیٰ "اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبۃ:۴۰) قرآن پاک متواتر ہے لفظ لفظ زیر زبر متواتر ہے اس کا منکر کافر ہے تو صدیق کا منکر بھی کافر ہے کیونکہ ان کی صحابیت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

ضروریات تواتر کے چار طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) تواتر اسناد

یعنی سند میں تواتر ہو اس کے راوی اتنے زیادہ ہوں کہ ان کی تعداد کی وجہ سے ان کا جھوٹ پر اتفاق عقلاً محال ہو مثلاً مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ" تواتر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانوں میں ہو۔

(۲) تواتر طبقہ

ایک چیز کا کسی ایک طبقے کو کسی دوسرے طبقے سے حاصل ہونا تواتر طبقہ ہے جیسے قرآن مجید صحابہ کے طبقے سے تابعین کے طبقے کو اور تابعین کے طبقے نے تبع تابعین کے طبقے کو اور اسی طرح ہم تک پھر اس امت کے موجودہ طبقے والے آئندہ آنے والے طبقے کو دیں گے اور قرآن مجید کی سند نہیں ہے مگر تواتر طبقہ ہے اس لیے اس کا منکر کافر ہو گیا۔

(۳) تواتر تعامل و توارث

پوری امت کے عمل سے وہ چیز ملے یعنی وراثت میں عمل ملے تو یہ تواتر تعامل و توارث ہے جیسے ختنہ کروانے اور مسواک کرنے کی سنت اس لیے ختنہ اور مسواک کا منکر کافر ہے بہر حال عمل نہ کرنا منافی ایمان نہیں۔

(۴) تواتر قدر مشترک

مختلف اسناد سے خواہ خبر واحد ہو اگر کوئی چیز مشترک ثابت ہو رہی ہو تو وہ تواتر مشترک کہلاتا ہے جیسے آپ علیہ السلام کے معجزات مختلف سندوں سے ثابت ہیں اگر کوئی آپ کے معجزات کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو گا۔

اجمالاً فيما عُلِمَ اجمالاً

یعنی اجمالی ایمان اجمالی علم والی چیزوں پر جیسے قبر، حشر، قیامت کے حالات جیسا کہ شرح العقائد میں آتا ہے عَذَابُ الْقَبْرِ

حق اسی طرح حشر نشر اور قبر کے بارے میں اب بعض لوگ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ فرق باطلہ اور اس کی شاخ ہوتے ہیں جیسا کہ عبد الکریم شہرستانی نے فرمایا کہ قیامت تک کوئی بھی فتنہ اٹھے گا تو وہ فتنہ اور فرقہ پہلے فرق کی کوئی شاخ ہو گا بس رنگ بدل کر آئے گا

تفصیلاً فیما عُلِمَ تفصیلاً

یعنی تفصیلی ایمان تفصیل سے آنے والی چیزوں پر جیسے نمازوں کی عدد رکعت، زکوٰۃ کی تفصیل، حج وروزہ کی تفصیلات وغیرہ۔

ایمان لانے کے لیے تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے اور چند کا انکار کرنے سے ہی کافر نہیں ہو گا بلکہ کسی ایک کا انکار بھی اس کی تکفیر کے لیے کافی ہے مثلاً مسواک ختنہ، نماز وغیرہ سب پر ایمان لانا ضروری اور کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔

ایمان کا ایک اور اہم جزء

ایمان میں تصدیق مع قیودات سابقہ کے علاوہ ایک اور جزء بھی بہت ضروری ہے جسے امام رازی ؒ اور امام غزالی ؒ نے قول القلب سے اور علامہ ابن الھمام ؒ نے استسلام قلبی اور انقیاد باطنی سے اور علامہ ابن تیمیہ ؒ نے التزام طاعت سے اور شیخ نظام الدین ھروی ؒ نے تسلیم سے تعبیر کیا ہے شیخ ھروی کی تعبیر اقرب الی القرآن ہے وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا۔ (الاحزاب:۳۶)

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اقرار لسانی کے ساتھ دل سے مطیع و منقاد ہو جائے اور اپنے اوپر شریعت کو لازم کرلے اور دل سے تسلیم کرلے اور قلب سے پیغمبر علیہ السلام کا مطیع و فرماں بردار ہو جائے اگرچہ ظاہری عمل میں کمی و بیشی ہو تو وہ مومن ہے یہی چیز ابو طالب اور ہرقل میں نہیں پائی جاتی جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

ابو طالب اور ہرقل کے ایمان پر بحث

اب یہاں ہرقل اور ابو طالب کے ایمان کے بارے میں بحث ہے کیونکہ ہرقل نے بھی اختیاری طور پر پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کو جانچا ہے اس طریقے پر کہ اس نے سوال جواب بھی کیے اور رومیہ لاٹ پادری کو خط بھی لکھا اور اس کی تائید کے بعد آپ علیہ السلام کی طرف صدق کی نسبت بھی کی ہے اپنی قوم کو "هل لكم في الفلاح والرشد" کہ کیا تم کامیابی چاہتے ہو؟ فتبايعوا هذا النبي اس نبی کی اتباع کرو ان الفاظ سے جو بخاری شریف میں گزرے ہیں دعوت بھی دی ہے اور پیغمبر علیہ السلام کو اِنّي مُسلِمٌ لکھ کر بھیجا ہے اور تمنا کا اظہار کیا لو اعلم" اگر مجھے پتا ہوتا اور میں پہنچ سکتا لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْه میں ان کے پاؤں دھوتا صدق کی پیغمبر علیہ السلام کی طرف نسبت بھی کی ہے اور یہ نسبت اختیاری تھی اضطراری نہ تھی لیکن اس کے باوجود بھی اس کا کفر

یقینی ہے کہ آپ علیہ السلام نے خود فرمایا تھا کہ "کذب عدو الله انه علیٰ نصر انیته" اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے وہ برابر نصرانیت پر قائم ہے۔

اسی طرح ابو طالب نے ساری زندگی پیغمبر علیہ السلام کی مدد اور نصرت فرمائی ہے اور اپنے اشعار میں بھی کفار سے کہا کہ تم اس پیغمبر تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں زمین میں دفن نہ کر دیا جاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی صدق کی طرف نسبت بھی فرمائی ہے کہ آپ علیہ السلام کے دین کو "خير البرية دينا" بھی کہا ہے کہ اس کے باوجود وہ ناری ہے البتہ پیغمبر علیہ السلام کی سفارش سے استفادہ ہو گا کہ اس کو جہنم میں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا دماغ ایسے کھولے گا جیسے ہنڈیا کھولتی ہے یہ بھی بخاری میں موجود ہے حالانکہ اس نے بھی تصدیق کی ہے اور تصدیق اختیاری ہے اور نسبت بھی کی ہے لیکن اس کے باوجود وہ مسلمان نہیں تو ان دونوں میں استسلام قلبی اور انقیاد باطنی نہیں تھا۔

اگر انقیاد باطنی اور استسلام قلبی ہوتا تو ہرقل یہ لفظ نہ کہتا کہ "لولا مخافة الروم على نفسي لاتبعته" اگر روم والوں کا خوف مجھے اپنے اوپر نہ ہوتا تو میں اتباع کرتا۔

اسی طرح ابو طالب نے کہا تھا لولا تعيرني قريش يقولون انه حمله على ذلك الجزع لاقررت بها عينيك (مسلم) اگر قریش کا مجھے خوف نہ ہوتا کہ وہ مجھے عار دلائیں گے کہ موت کے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا تو کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

لولا المسبة اوحذار ملامة لوجدتني سمحا بذاك مبينا (اگر گالی و ملامت کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین کا قبول کرنے والا پاتے)

ہرقل اور نجاشی کے ایمان میں فرق

نجاشی نے بھی اپنے ایمان کو چھپایا تھا ظاہر نہیں کیا لیکن وہ مسلمان ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے ایک آدمی نے کہا! قرآن کہتا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (المومن ۲۸)

یہ لمبا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ آدمی سوال کرتا ہے قوم جواب دیتی ہے یہ فرعون حکومت کی پارلیمنٹ کا آدمی ہے کوئی معمولی آدمی نہیں ہے فرعون کے بڑے بڑے سرداروں سے بات کر رہا ہے وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اس کے باوجود قرآن پاک نے اس کو رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ کہا ہے اس لیے کہ اس میں انقیاد باطنی تھا نجاشی میں بھی انقیاد باطنی تھا اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے خود اس کو فرمایا تھا کہ اپنے ایمان کو چھپا کر رکھو اور چھپ کر عبادت بھی کیا کرتا تھا لیکن ہرقل اور ابو طالب کے الفاظ میں تو ہے کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا یا مجھے عار کا خوف نہ ہوتا تو ہم ایمان لے آتے لہذا ابو طالب نے آخری بات کہہ دی کہ على ملة ابي

عبدالمطلب کہ میں عبدالمطلب کہ ملت پر ہوں اور یہ ہرقل تو خود بادشاہ تھا کوئی مجبور تو نہیں تھا یہ کوئی نہ کوئی حیلہ کر سکتا تھا بادشاہت کو چھوڑ دیتا لیکن بادشاہت تو کیا اپنے لشکر کے ساتھ خود مسلمانوں کے خلاف اترا یہی تو ہرقل ہے جو غزوہ تبوک کے موقع پر فوج لے کر آیا تھا اور صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک ہزار یا بارہ سو کلو میٹر کا سفر کر کے گئے راستے میں کوئی درخت نہیں سب صحرائی راستہ تھا آپ علیہ السلام کے لشکر کو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا اگر یہ مسلمان ہوتا تو یہ لشکر کیوں لاتا یہ تو تابعداری کرتا۔

ایک ہے دل سے تابع ہو جانا اور ایک ہوتا ہے اس کے تقاضے کے مطابق عمل بھی کرنا یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں کبھی آدمی دل سے منقاد ہوتا ہے لیکن اپنے نفس یا معاشرے کی وجہ سے عمل نہیں کرتا اس کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا التزام طاعت ختم نہیں ہوگی۔

اقرار باللسان کی حیثیت

"اقرار باللسان" اگر عجز کی وجہ سے نہیں کر پاتا دل سے اللہ رسول کو مانتا ہے لیکن اقرار باللسان کی فرصت نہیں ملی اچانک فوت ہو گیا یا اخرس یعنی گونگا ہے لیکن دل سے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ رسول سچے ہیں تو یہ اقرار باللسان ساقط ہو جاتا ہے تو اگر بوجہ عجز وہ اقرار باللسان نہیں کر پاتا تو مومن ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اقرار باللسان باوجود مطالبے کے نہیں کرتا جبکہ وہ قادر ہے اس سے قاضی یا حاکم نے مطالبہ کیا کہ کلمہ پڑھو تاکہ پتا چلے کہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اپنے عقائد بیان کرو اب یہ کلمہ نہ پڑھنے پر اصرار کرتا ہے تو یہ کافر ہے۔ یاد رکھیں قاضی یا حاکم کا پوچھنا معتبر ہے ہر ایک کا نہیں۔

اب تیسری صورت یہ ہے کہ نہ تو اس سے کسی نے مطالبہ کیا اور وہ قادر بھی ہے لیکن اس نے زبان سے زندگی بھر کلمہ نہیں پڑھا جنگلوں و بیابانوں میں رہنے والے لوگ ہیں مسلمانوں کی اولاد ہیں دل میں ہے کہ ہم مسلمان ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں نہ نماز، نہ روزہ، کچھ بھی نہیں ایسی جہلاء کی جماعت ہے جنگلوں میں پہاڑوں میں اور صحراؤں میں رہتے ہیں دنیاداری میں مصروف ہیں دنیا میں ایسے مست ہیں کہ اس کے علاوہ کسی چیز کی خبر ہی نہیں کوئی ایسی صورت بھی نہیں کہ ان کو قاضی یا حاکم کے ہاں آنا پڑتا از خود بھی نہیں پڑھا اب ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

اس میں ہمارے علماء سے دو رائے منقول ہیں دونوں امام اعظم ابوحنیفہ ؒ سے منقول ہیں ایک رائے یہ ہے کہ یہ اقرار باللسان صرف دنیاوی احکام کے لیے ہے اس لیے قاضی کہتا ہے کہ کلمہ پڑھتا کہ دنیا کے احکام جاری کر کے اس کو جو فائدہ پہنچانا ہے پہنچایا جا سکے لہذا اقرار باللسان احکام دنیاوی کے لیے ہے احکام اُخروی کے لیے نہیں ہے لیکن وہ جو انکار کر رہا ہے باوجود

قاضی یا حاکم کے پوچھنے کے اور انکار پر جما ہوا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ کافر ہے جس طرح آدمی (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو گندگی میں ڈال دے تو چاہے وہ پھر کلمہ پڑھ بھی لے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔

دوسری رائے امام صاحب ؒ سے یہ ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا رکن زائد ہے لہذا عجز کی وجہ سے ساقط ہو گا اگر عاجز نہیں ہے تو ساقط نہیں ہو گا اس کو اقرار کرنا چاہیے لیکن اگر نہیں کرے گا تو ایمان نہیں ہے یہ دوسری رائے ہے لیکن پہلی رائے مفتیٰ بہ ہے پہلی رائے اس وجہ سے زیادہ قوی ہے کہ یہ آدمی مومن ہے اور مسلمان ہے جس کے دل میں تصدیق ہے زبان سے زندگی میں نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ خود اس نے اقرار کیا وہ ایسے ملے جلے معاشرے میں رہتا ہے کہ کچھ خبر نہیں لیکن اس کو یہ معلوم ہے کہ ہم مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کو ماننے والے ہیں میرے ماں باپ مسلمان تھے کبھی بتوں کو سجدہ بھی نہیں کیا لیکن اسلام کے احکام کو نہیں جانتا نہ بتوں کو سجدہ کیا نہ قرآن کی توہین کی تو یہ شخص مسلمان ہے۔

المذاهب فی حقیقة الایمان

فِرَقِ اسلامیہ کون؟

فرق اسلامیہ تمام وہ فرقے کہلاتے ہیں جو اسلام کے مدعی ہیں یعنی اپنے آپ کو اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں خواہ حقیقت میں وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں لیکن اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اسے فرق اسلامیہ کہا جاتا ہے چنانچہ مرزائی، روافض، معتزلہ، خوارج مرجئہ، اہل سنت والجماعت وغیرہ یہ سب مسلمان فرقوں میں کہلاتے ہیں۔

فرق اسلامیہ کا یہ مطلب نہیں کہ جس کو فرق اسلامیہ میں سے کہا گیا ہو تو وہ مسلمان بھی ہو بلکہ جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرے اسے فرق اسلامیہ کہیں گے۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے ہی پیشین گوئی کی تھی کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو گی ان میں سے ایک ناجی ہو گا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ؓ ہیں (ابن ماجہ ؒ) اہل سنت والجماعت مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ سے مَاخُوْذ ہے یعنی مَا اَنَا علیہ سے سنت اور اصحابی سے جماعت مراد ہے تو اہل سنت والجماعت کا نام حدیث سے ماخوذ ہے اہل سنت والجماعت کے چار گروہ ہیں اور یہ چاروں کے چاروں ناجی ہیں۔

(۱) محدثین

یہ عقائد میں امام احمد بن حنبل ؒ کی تشریحات، تعبیرات اور نظریات کی اتباع کرتے ہیں امام احمد بن حنبل ؒ سے علم کلام اور

عقائد جو باتیں آئی ہیں وہ لیتے ہیں بڑے محدثین سب اس میں شامل ہیں امام بخاریؒ امام ترمذیؒ وغیرہ۔

متکلمین (اشاعرہ۔ ماتریدیہ)

محدثین صرف نصوص کی تباع کرتے ہیں نقل آئے تو مان لیں گے لیکن متکلمین نقلیات اور عقلیات دونوں کو ساتھ رکھتے ہیں یعنی اس عقیدے کو عقل سے بھی سمجھتے ہیں اور ساتھ ساتھ نقل کو بھی لاتے ہیں لہذا ایسی بات نکالتے ہیں جو کہ عقل کے موافق ہوتی ہے اور نقل بھی اس کی تائید کرتی ہے ان کے آگے دو گروہ ہیں۔

(۲) اشاعرہ

یہ ابوالحسن اشعریؒ کے متبعین ہیں ان کے عقائد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے ماخوذ ہیں اس لیے مالکی اور شافعی لوگ عقائد میں اشاعرہ ہیں ابوالحسن اشعریؒ کے جو نظریات اور عقائد ہیں وہ امام مالک اور امام شافعیؒ سے ماخوذ ہیں۔

ابوالحسن اشعریؒ پہلے معتزلی تھے اور معتزلہ کے زبردست مناظر تھے ایک دفعہ مسجد میں رمضان المبارک کے پورے مہینے کا اعتکاف کیا تو حضور اقدس ﷺ خواب میں آئے اور فرمایا کہ دین حق کی تائید کرو صبح کو اٹھے تو کہا کہ میں تو صحیح دین پر ہوں دوسرے عشرے میں پھر خواب آیا آپ علیہ السلام نے فرمایا دین حق کی تائید کرو پھر صبح اٹھے تو کہا کہ میں تو صحیح دین پر ہوں اور میں تو معتزلہ کے لیے بڑا کام کر رہا ہوں حالانکہ وہ گمراہ فرقہ تھا تیسرے عشرے میں پھر خواب آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دین حق کی تائید کیوں نہیں کرتے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ میں کیا خرابی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیری کفالت نہ کی ہوتی تو میں تیری خرابیاں کھول کھول کر بتا تا صبح کو اٹھے تو اہل سنت و الجماعت کی حقانیت کھل گئی جب پہلا جمعہ پڑھایا تو اس پر معتزلہ کا خوب رد فرمایا اور عقائد میں امام بن گئے امام ابوالحسن اشعریؒ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔

(۳) ماتریدیہ

متکلمین کا دوسرا گروہ ماتریدیہ ہے یہ ابوالمنصور ماتریدیؒ کی جماعت ہے (مَاتُرِیدِی جگہ کا نام ہے) یہ عقائد میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں سے جو تفصیل آئی ہے اس کی اتباع کرتے ہیں لہذا ہم سب حنفی ماتریدی ہیں اور ابو منصور ماتریدی کے متبعین ہیں ہمارا علم کلام شرح عقائد وغیرہ سب ماتریدی مسلک پر ہے۔

(۴) صوفیائے کرام

چوتھا گروہ صوفیاء کرام کا ہے پہلی جماعت صرف نقلیات سے کام لیتی ہے یہ محدثین کی جماعت ہے دوسری متکلمین کی

جماعت یہ نقلیات کے ساتھ عقلیات سے بھی کام لیتے ہیں صوفیائے کرام عقلیات اور نقلیات کے ساتھ ساتھ وجدانیات کو بھی اہمیت دیتے ہیں جیسے الہام وغیرہ لیکن اصل عقائد میں نہیں مگر اس کی تائید میں مثال کے طور پر جیسے حلاوت ایمانی ہے دوسرے عقائد والے حلاوت ایمانی کی تعریف کرتے ہیں کہ انسان کو دین کا کام کرنے میں لذت آئے اور مشکل معلوم نہ ہو اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ زبان اس کی مٹھاس کو محسوس کرے یہ چاروں گروہ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔

اختلاف فی حقیقۃ الایمان

ایمان کی حقیقت کے بارے میں فرقوں کا اختلاف

اب ایمان کی حقیقت میں جو مذاہب ہیں ان کا بیان ہے اس میں کل چھ مذاہب ہیں۔

(۱) جَهْمِيَّه

اس کا بانی جہم بن صفوان تھا یہ اصل میں کوفہ کا تھا امام ابو حنیفہ نے اسے کہا تھا اخرج عنی یا کافر اس کو سالِمْ بن اَحْوَصْ نے مَرْوْ کے مقام پر قتل کر دیا تھا تو ترمذ کے قریب ہے اس کے متبعین کو جہمیہ کہتے ہیں۔

جہمیہ کا مذہب یہ ہے کہ معرفت قلبی کا نام ایمان ہے خواہ اضطراری ہو یا اختیاری پھر عمل ہو یا نہ ہو حتی کہ ان کے مذہب کی رو سے نبی اور غیر نبی ایمان میں دونوں برابر ہیں یہود، ہرقل اور ابو طالب سب مومن ہیں یہ فرقہ جبریہ سے ہے یعنی آدمی مجبور محض ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا منکر ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ وجدال کو جائز قرار دیتا ہے

(۲) كَرَّامِيَّه

کَرَّامِيَّه محمد بن کَرَّام السجستانی (را کی تشدید اور کاف کے فتحہ کے ساتھ) یا کَرَام (را کی تخفیف اور کاف کے فتحہ کے ساتھ) یا کِرَام کاف کے زیر کے ساتھ متبعین کو کہا جاتا ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ اقرار باللسان کا نام ایمان ہے ان کے ہاں تمام منافقین اسلام میں داخل ہیں اور ایمان والے ہیں۔

یہ دونوں مذاہب بدیہی البطلان ہیں اگر ان کو لیا جائے تو تمام ذکر کردہ کفار ایمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(۳) مرجئہ

مرجئہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے ان کے نزدیک اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ان کا یہ جملہ مشہور ہے لایضر مع الایمان معصیة کما لا ینفع مع الکفر طاعة مرجئہ کا لغوی معنی مؤخر کرنے والا یہ لوگ چونکہ اعمال کو

ایمان سے مؤخر کرتے ہیں اور ایسا مؤخر کہ اس کی حیثیت ہی ختم کر دیتے ہیں بڑے سے بڑا گناہ کبیرہ ان کے نزدیک ایمان کے لیے رائی کے برابر بھی مضر نہیں۔

(۴۔۵)معتزلہ اور خوارِج

ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے (۱) تصدیق بالجنان (۲) اقرار باللسان (۳) عمل بالارکان (اعضاء کا عمل) لہٰذا ان کے ہاں مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گا پھر خروج عن الایمان کے بعد ان کے مذہب میں اختلاف ہے معتزلہ کے ہاں ایمان سے خارج ہو گا لیکن کفر میں داخل نہیں ہو گا بلکہ فاسق ہو گا اور فسق جو ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ ہے جسے منزلة بین المنزلتین کہتے ہیں اور مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہو گا یعنی دوزخ میں کافر کی طرح ہمیشہ رہے گا۔

خوارج کہتے ہیں کہ ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جائے گا کیونکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان کسی درجے کے قائل نہیں اسلام میں سب سے پہلے جو فرقہ نکلا ہے وہ خوارج کا فرقہ ہے اس کے بعد معتزلہ کا ظہور ہوا آپ علیہ السلام نے تقریباً دس احادیث میں ان کی پیشین گوئی فرمائی اور فرمایا گر میں ہوا تو ان کو عاد و ثمود کی طرح قتل کروں گا خوارج کے ہاں اعمال ایمان کا رکن اصلی ہے اگر وہ کم ہو جائے گا تو عمل میں کمزوری آجائے گی جس کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو جائے گا اس فرقے نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا خصوصاً حجاج کے زمانے میں حجاج کو قتل کرنا سعادت خیال کرتے تھے ان کے خلاف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی جہاد فرمایا ہے۔

(۶)اھل سنت والجماعت

ان میں دو گروہ ہیں۔

(۱) محدثین

محدثین فرماتے ہیں ایمان تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان ان تین چیزوں کا نام ہے عمل رکن تو ہے لیکن رکن زائد ہے جس طرح درخت کے لیے شاخیں یا انسان کے لیے ہاتھ پاؤں ان کے کٹنے سے کامل انسان نہیں رہتا مگر نفس انسان پھر بھی ہے درخت کی بھی یہی مثال ہے لیکن معتزلہ اور خوارج عمل کو رکن اصلی مانتے ہیں اس لیے ان کے ہاں مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن محدثین کے ہاں عمل رکن زائد ہونے کی وجہ سے مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا محدثین کی رائے معتزلہ اور خوارج سے ملتی جلتی ہے مگر دونوں میں عمل بالارکان کی حیثیت میں اختلاف ہے امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ، امام

احمد بن حنبل ؒ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و دیگر تمام محدثین کا یہی مذہب ہے۔

(۲) متکلمین

ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار باللسان دنیاوی احکام کے جاری ہونے کے لیے ہے لیکن یہ حضرات عمل کو بالکل بے کار قرار نہیں دیتے جنت میں دخول اولی کے لیے اعمال ضروری ہیں اور اس سے انسان کے درجات میں فرق آتا ہے۔

متکلمین و محدثین کے نظریے کی حقیقت

متکلمین کے ہاں ایمان بسیط ہے اور محدثین کے ہاں مرکب ہے اس اختلاف کی نوعیت میں کئی آراء ہیں۔

پہلی رائے

جمہور محدثین ابن حجر عسقلانی ؒ اور حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ نزاع لفظی ہے صرف تعبیر کا فرق ہے حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہے لہٰذا محدثین نے ایمان کو تین چیزوں سے مرکب کہا تو یہ ایمان کامل کی تعریف ہے اور متکلمین کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے تصدیق قلبی کا نام ہے تو یہ نفس ایمان کی تعریف ہے متکلمین جس ایمان کی بات کرتے ہیں وہ آدمی کو خلود فی النار سے بچائے گا اور محدثین جس ایمان کی بات کرتے ہیں اس سے دخول اوّلی ہو گا عمل نہ کرنے والا محدثین کے ہاں معتزلہ و خوارج کی طرح ایمان سے خارج نہ ہو گا اور متکلمین کے ہاں بھی عمل مرجئہ کے خیال کی طرح بیکار نہیں۔ نہ محدثین اس کو جزء لازم قرار دیتے ہیں اور نہ متکلمین اس کو بے کار قرار دیتے ہیں یہ نزاع لفظی ہے حقیقت کے اعتبار سے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

تبصرہ

محدثین نے تعبیر کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ ؒ پر بہت رد کیا ہے ابن تیمیہ ؒ وغیرہ نے کہا کہ تمہاری تعبیر مرجئہ فرقے کی تائید کرتی ہے کیونکہ مرجئہ بھی کہتے ہیں کہ اعمال کچھ بھی نہیں لیکن ہمارے اور ان کے درمیان بہت فرق ہے کہ وہ اعمال کو بالکل کوئی حیثیت نہیں دیتے ہم اعمال کو ضروری سمجھتے ہیں ہم اعمال کو اہمیت دیتے ہیں اس پر ہمارے احناف نے فرمایا کہ تمہاری تعبیر بھی معتزلہ خوارج کی تائید کرتی ہے کہ وہ بھی ایمان کی تعریف تین چیزوں سے کرتے ہیں اور تم بھی تین چیزوں سے کرتے ہو کہ تم کہتے ہو کہ وہ اعمال کو رکن اصلی قرار دیتے ہیں اور ہم رکن زائد قرار دیتے ہیں جب کہ تم اپنی تشریحات کرتے ہو تو ہماری تشریحات قبول کیوں نہیں کرتے

دوسری رائے

دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ جس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں ہوں اور جو معرکتہ الآراء ہو وہ نزاع لفظی نہیں ہو سکتا اصل میں اسلاف یعنی صحابہ ؓ کی جو عبارات یا تعریفات ہیں ان میں قطع و برید کی وجہ سے تعبیر میں اختلاف ہوا اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کی عبارات کو نقل کرنے میں کمی بیشی کی گئی یعنی قطع و برید کی گئی جس سے اختلاف کی صورت بن گئی اگر پوری عبارت نقل کر دی جاتی تو ممکن ہے کہ اختلاف نہ ہوتا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسری رائے

یہ اختلاف زمانے کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوا کہ متکلمین اور محدثین کا زمانہ الگ الگ ہے محدثین کے زمانے میں مرجئہ کا زور تھا تو وہ تعریف کی جس سے ان پر رد ہو اس لئے عمل کو ایمان کا جزء قرار دے دیا۔ متکلمین کے زمانے میں خوارج اور معتزلہ کا زور تھا اور مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے تھے کیونکہ ان کے ہاں مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہے تو متکلمین نے ان پر رد کیا اور اعمال کو ایمان کی حقیقت سے خارج کر دیا تو یہ اختلاف زمانے کے اختلاف سے ہوا۔ یہ تینوں آراء درست ہیں۔

متکلمین کے دلائل

اعمال نفس ایمان میں داخل نہیں البتہ اس سے انسان کے مراتب گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اس پر امام ابو حنیفہ ؒ نے دلائل پیش کیے ہیں۔

(دلیل نمبر ۱) قرآن پاک کی وہ آیات جن میں ایمان کی نسبت دل کی جانب کی ہے وہ دلیل ہیں اس بات کی کہ ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے جیسے (۱) أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلة: ۲۲) (۲) ولَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُم (الحجرات: ۱۴) (۳) وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ (المائدة: ۴۱) (۴) وقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (النحل: ۱۰۶)

ان آیات میں وضاحت کے ساتھ ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے اور یہ دلیل ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

ایک آدمی کو اگر کفر پر مجبور کیا جائے لیکن دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو تو کلمہ کفر کہنے سے کافر نہیں ہو گا۔

پیغمبر علیہ السلام کی دعائیں ہیں اللھم ثبت قلبی علی دینك اے اللہ تعالیٰ میرے دل کو دین پر مضبوط رکھیں تو یہاں پر بھی دل کا بیان ہے مذکورہ آیات میں اور پیغمبر علیہ السلام کی دعاؤں میں بھی ایمان کی نسبت اور تعلق کو دل کے ساتھ بیان کیا ہے نہ کہ اعضاء اور جوارح کے ساتھ۔

(دلیل نمبر ۲) وہ آیات مبارکہ جن میں ایمان پر اعمال کو عطف کیا گیا ہے مثلاً وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (البقرة: ۸۲)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرۃ:۲۷۷) اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الشعراء:۲۲۷) وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

ان مذکورہ آیات میں ایمان کا عطف اعمال پر کیا ہے معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اگر ایمان میں داخل ہوتے تو عطف کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

(دلیل نمبر ۳) وہ آیات مبارکہ جن میں ایمان کو اعمال صالحہ کی شرط قرار دیا ہے مثلاً وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ (طٰہٰ:۱۱۲) حدیث میں ہے وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَّاِحْتِسَاباً۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مَنۡ عَمِلَ صَالِحاً مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل:۹۷) یہاں پر وھو مومن شرط ہے اور شرط اور مشروط میں فرق ہوتا ہے ایمان کو اعمال صالحہ کی شرط قرار دینا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ پہلے شرط ہوتی ہے پھر مشروط آتا ہے اس لیے ایمان پہلے ہو گا تو پھر اعمال صالحہ کی قیمت ہے ورنہ کوئی قیمت نہیں تو معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔

(دلیل نمبر ۴) وہ آیات مبارکہ جن میں ایمان کے بعد اعمال کا مخاطب بنایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کتب علیکم الصیام (البقرۃ:۱۸۳) اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں اگر روزہ ایمان کا حصہ ہوتا تو پھر ایمان یعنی امنوا کب بنا امنوا کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان تو ہے لیکن کتب علیکم الصیام کہہ کر عمل کو بڑھا دیا کہ تمہارا ایمان ہے اب تم روزے رکھو۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم (النور:۳۰) (ایمان والوں سے کہو نگاہیں نیچی رکھیں) وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن (النور:۳۱) امر اور نہی کا ایمان کے بعد آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اوامر اور نواھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔

(دلیل نمبر ۵) وہ آیات مبارکہ جن میں گناہ کبیرہ کو ایمان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے وان طائفتان من المومنین اقتتلو أفأصلحوا بینھما (الحجرات:۹) اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی صلح کرا دو اب یہاں لڑنا گناہ کبیرہ ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نہیں مومن کہہ رہے ہیں کیونکہ دل میں ایمان ہے اگرچہ ان کے عمل میں کمزوری ہے لہذا اب بھی وہ مومن ہیں تو معلوم ہوا ایمان گناہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے گناہ بھی کر رہا ہے پھر بھی مومن ہے تو معلوم ہوا اعمال صالحہ کا ایمان کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں۔

(دلیل نمبر ۶) ایمان کے ساتھ توبہ کو جمع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو قرآن پاک میں توبہ کا حکم دیا ہے اور توبہ گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحاً (التحریم:۸) اے ایمان والو خالص توبہ کرو اور فرمایا

توبوا الى الله جميعا ايها المؤمنون (النور:۳۱) یہ آیات مبارکہ جن میں توبہ کا حکم ہے تو یہ دلیل ہے کہ اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر توبہ کا حکم ہے۔

(دلیل نمبر ۷) حدیث جبرائیل میں ایمان، احسان اور اسلام کی الگ الگ تشریح بیان کی ہے اعمال کو ایمان سے علیحدہ بیان کیا ہے اس لیے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ان تومن بالله" کہ تو تصدیق کرے اللہ جل جلالہ کی۔ ایمان کا صلہ جب "با" کے ساتھ آئے تو اس کے معنی تصدیق کے ہوتے ہیں اور جب اسلام کے بارے میں جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، جہاد کرو تو اس سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال ذکر کیے ہیں اور ایمان کے جواب میں قلبی باتوں کو ذکر کیا ہے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

حدیث جبرائیل اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی حقیقت اور ہے اور اسلام کی حقیقت اور ہے اسلام کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے اور ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے۔

(دلیل نمبر ۸) علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ مجھے دوران تلاوت ادراک ہوا کہ قرآن مجید میں آیا ہے "فلمّا احسّ عيسىٰ منهم الكفر قال من انصاری الى الله قال الحواريون نحن انصار الله اٰمنا بالله واشهد بانا مسلمون" (آل عمران: ۵۲) ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ آپ گواہ رہیں ہم مسلمان ہیں یہ دلیل ہے کہ جب ایمان کا ذکر تھا تو کہا امنا باللہ اقرار کیا کہ ہم مومن ہیں لیکن اسلام کے اوپر عیسیٰ علیہ السلام کو گواہ بنایا کہ آپ گواہ رہیں کیونکہ ایمان باطن کی چیز ہے اور اسلام ظاہر کی چیز تھی اس لیے اس پر گواہ بنایا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الحواريّين اَنْ اٰمِنُوْا بی وبرسولی قالوا اٰمنّا بالله واشهد بانّنا مسلمون " (المائدۃ:۱۱۱) اس آیت میں اور جو پہلے ذکر کی گئی ہے ان دونوں آیتوں میں ظاہری چیز جو اعمال تھے ان پر گواہ بنایا اور جس کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اس پر گواہ نہیں بنایا۔

پھر محدثین نے تاج الدین سبکی کی اس دلیل کو لے کر جنازے کی دعا میں بلکہ انہوں نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں آتا ہے کہ وَمَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الاسلام اے اللہ تعالیٰ ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھنا وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَان اور جس کو وفات دے تو ایمان پر وفات دے۔ زندگی میں اسلام چاہا کہ نیکیوں کی توفیق ہوتی رہے اور مرتے وقت کہا کہ ایمان دے کیونکہ مرتے وقت ایمان ہی بچا کر لے جا سکتا ہے اعمال تو ختم ہو گئے اس لیے وہاں ایمان مانگا ہے کیونکہ یہ باطن کی چیز ہے اور آخر میں قیمت اس پر لگتی ہے جو چیز قلب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی

حضوری میں جانے کا شوق اور توحید پر جمے رہیں تو کام بن جاتا ہے یہ جنازے کی دعا ابوداؤد اور ترمذی کی دعا ہے تو یہاں جو سرکار دو عالم ﷺ نے فرق کیا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان کی حقیقت اور ہے اور اسلام کی حقیقت اور ہے ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اسلام کا تعلق اعمال سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں۔

(دلیل نمبر ۹) اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ایک آدمی دل سے مومن ہو کر کلمہ پڑھ لے لیکن عمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ ناجی ہے ابھی کلمہ پڑھا تھا کوئی عمل نہیں کیا تھا تو وہ ناجی ہے جیسے بعض جنگوں میں صحابہ ؓ کے ساتھ واقعات پیش آئے اور بخاری شریف میں اس صحابی ؓ کا واقعہ ہے کہ وہ غزوہ احد میں آئے کافر تھے اور آکر کہا کہ میں آپ کی طرف سے لڑوں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے کلمہ پڑھو پھر لڑو اس نے کلمہ پڑھا اور میدان جہاد میں شہید ہو گیا اس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عمل قلیل پر اجر کثیر پا گیا۔

(دلیل نمبر ۱۰) دسویں دلیل یہ اصل میں امام ابو حنیفہ ؒ کا خط ہے جو انہوں نے اپنے شاگرد عثمان بتی ؒ کو لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عرب میں ایمان کا حکم آیا تھا آمنو باللہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اس وقت کوئی عمل نہیں تھا نہ تو نماز تھی نہ روزہ تھا نہ حج ور زکوٰۃ تھی بس صرف یہ حکم تھا کہ کلمہ پڑھ لو ایمان لے آؤ بتوں کی پوجا نہ کرو نماز تو ۹ نبوی میں جب پیغمبر علیہ السلام معراج پر گئے تھے تو فرض ہوئی تھی اور روزہ جب پیغمبر علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تھے تو ۲ھ میں فرض ہوا ہے اور حج بھی ۶ھ میں فرض ہوا نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ آئی لیکن اس کا نفاذ بھی مدینہ میں ہوا۔

ایمان کتنا پہلے ہے اور اعمال کتنی دیر سے آرہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ نہیں ہے اگر تعلق ہوتا تو اعمال بھی ایمان کے ساتھ اترتے لہذا اس سے پہلے کتنے لوگ فوت ہو گئے حضرت سمیہ ؓ شہید ہو گئیں نہ انہوں نے نماز کی فرضیت کو جانا اور نہ ہی روزے کی فرضیت کو جانا اور جو لوگ ۹ نبوی سے پہلے فوت ہو گئے ان کا ایمان کامل کیا بلکہ اکمل تھا کیونکہ سابقون الاولون میں سے قرآن پاک نے ان کو شمار کیا ہے یہ تو بہت اونچے درجے کے لوگ ہیں اس وقت تو صرف اس بات پر زور ہوتا تھا اے لوگو ایمان لاؤ صرف ایمان لانے پر ہی زور ہوتا تھا اور اسی چیز کی دعوت دی جاتی تھی تو ایمان اور اعمال کی حقیقت میں فرق ہے امام ابو حنیفہ نے بہت زبردست دلیل قائم کی ہے۔

(دلیل نمبر ۱۱) گیارہویں دلیل یہ ہے کہ محل ایمان اور محل کفر دل ہے ایمان اور کفر ضد ہیں ایک آدمی سب اعمال کر رہا ہے لیکن دل میں نفاق ہے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے حالانکہ اعمال کر رہا ہے منافقین سب اعمال کرتے تھے روزہ بھی رکھتے تھے نماز بھی پڑھتے تھے لیکن قرآن پاک نے فرمایا کہ **واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** (النساء:۱۴۵) کفر اور ایمان دونوں کا محل دل ہے کیونکہ ضدین ہیں ضدین وہ ہوتی ہیں جو محل واحد پر آئیں

جوالگ الگ محل پر آئیں ان کوضدین نہیں کہتے نوراور ظلمت کا محل دنیا ہے یہیں رات کواندھیرا ہوتا ہے اسی جگہ پر ہی دن کو روشنی ہوتی ہے ضدین وہ ہوتی ہیں جو محل واحد پر علی التوارد آئیں یعنی ایک ہوتو دوسری چلی جائے ایمان اور کفر کا تعلق قلب سے ہے اعضاء جوارح سے نہیں ہے۔

باقی کوئی عمل ایسا کرتا ہے جیسے کوئی آدمی (نعوذ باللہ) پیغمبر علیہ السلام کی گستاخی کرتا ہے یا قرآن پاک کو گندگی میں پھینکتا ہے یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے تو وہ اس عمل سے کافر نہیں ہوتا بلکہ یہ عمل اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے دل کے اندر ایمان نہیں ہے۔

ابوحنیفہؒ پر مرجئہ ہونے کا الزام

قوت القلوب میں اور علامہ قونوی نے ابوحنیفہؒ کو مرجئہ کہہ دیا اور سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ابوحنیفہؒ کو مرجئہ لکھدیا اسی طرح ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب المعارف میں لکھدیا کہ یہ حنفی لوگ مرجئہ ہیں۔

جواب

علامہ شہرستانیؒ نے اپنی مشہور کتاب "الملل والنحل" جو تمام مذاہب اور فرقوں پر مشتمل ہے اس میں جواب دیا کہ ارجاء دو قسم پر ہے ایک ارجاء عقیدے کا ہے اور ایک عمل کا ہے عقیدے کا ارجاء یہ ہے کہ عمل کو بالکل ہی بے کار سمجھا جائے وہ گمراہ ہے دوسرا عملی ارجاء ہے وہ یہ کہ وہ عمل کو موخر کرتے ہیں مرتکب کبیرہ کو مشیت الٰہی پر مؤخر کرتے ہیں کیونکہ ارجاء کا مطلب ہے مؤخر کرنا "اولئك مرجون لامر الله" اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے ان کو پیچھے چھوڑ دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا بس وہی ہوگا لہذا ایک ارجاء اعتقادی ہے اور ایک ارجاء عملی ہے تو احناف میں ارجاء عملی ہے حنفی مرجئہ عملی ہیں۔

لیکن یہ بہت ظلم اور زیادتی کی بات ہے کہ ہم کو صرف تعبیر کی وجہ سے مرجئہ قرار دے دیا جاتا ہے اگر تعبیر کی وجہ سے مرجئہ کہا جاتا ہے تو پھر محدثین کو معتزلی اور خارجی کہنا چاہیے وہاں تاویل کرتے ہیں وہاں تاویل چلتی ہے تو یہاں تاویل کیوں نہیں چلتی۔

دوسرا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ مرجئہ وہ ہیں جو فقہ میں یعنی فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی اتباع کرتے تھے اور اعتقاداً مرجئہ تھے اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ حنفیہ میں مرجئہ ہیں لیکن سب حنفی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو عقیدۃً مرجئہ ہیں جیسے بریلوی یہ عقیدۃً بدعتی ہیں لیکن عمل میں حنفی ہیں لہذا کہہ دیں کہ سب حنفی بدعتی ہیں ایسا نہیں ہے بہرحال یہ بات بالکل غلط ہے کہ ہمیں صرف اور صرف تعبیر کی وجہ سے مرجئہ کہا جائے ہمیں اگر مرجئہ کہا جائے تو محدثین کو معتزلہ اور خارجی کہا جائے گا۔

بحث فی زیادۃ الایمان ونقصانہ

اس بحث میں محدثین اور متکلمین کا دوسرا اختلاف ہے کہ ایمان یزید و ینقص یا لا یزید ولا ینقص ہے محدثین میں امام شافعی ؒ امام احمد بن حنبل ؒ امام بخاری ؒ امام ترمذی ؒ اور امام مسلم ؒ شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ الایمان یزید و ینقص ایمان گھٹتا بڑھتا ہے متکلمین اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص کہ ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے ایک حالت پر رہتا ہے۔

امام مالک ؒ کا مذہب اور امام ابو حنیفہ ؒ کی ایک روایت الایمان یزید ولا ینقص کہ ایمان گھٹتا نہیں ہے بڑھتا ہے اور امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ ان نقص ذھب الکل کہ ایمان کم ہو جائے تو سارا ہی ختم ہو جائے گا لہذا بڑھتا ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث میں بڑھنے کا ذکر ہے لیزدادوا ایماناً مع ایمانھم (الفتح:۴) وزدناھم ھدی زیادتی ایمان کا لفظ قرآن میں آیا ہے اور حدیثوں میں بھی آیا ہے لیکن ایمان گھٹنے کا کہیں بھی ذکر نہیں آیا۔

وہ آیات جو امام بخاری ؒ نے بخاری شریف میں پیش کی ہیں یہ ان کا استدلال ہے محدثین کہتے ہیں کہ جو چیز بڑھتی ہے وہ گھٹتی بھی ہے لہذا بڑھنے پر صریح دلیل ہے اور گھٹنے کو قیاس کیا ہے بڑھنے پر کہ جب بڑھتی ہے تو گھٹتی ہے گھٹنے کے بارے میں صرف ایک روایت ہے وہ بھی عورتوں کے بارے میں کہ "هُنَّ نَاقِصَاتُ عقل و دِينٍ" عورتوں کو ناقص عقل و دین والی کہا گیا ہے دین کو ناقص کہنے والی ایک روایت ہے جس میں نقص کا لفظ ہے وہ بھی دین کا لفظ ہے اب اس کو تاویل کر کے تو ایمان بنا سکتے ہیں لیکن صراحتاً نہیں کیونکہ دین تو ساری چیزوں کا نام ہے صراحتاً ایمان بڑھنے کے دلائل میں گھٹنے کو اس پر قیاس کیا گیا ہے کہ جو چیز بڑھتی ہے وہ گھٹتی بھی ہے۔

زیادۃ ایمان کی نصوص کے جوابات

جواب نمبر ۱: امام رازی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ گھٹنے بڑھنے کا اختلاف اصل میں جزئیت اعمال پر متفرع ہے کہ اعمال جزء ہیں یا نہیں جو جزء قرار دیتے ہیں وہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل ہیں اور جو اعمال کو ایمان کا جزء قرار نہیں دیتے وہ لا یزید ولا ینقص کے قائل ہیں لیکن امام نووی ؒ نے اس پر رد کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بعض لوگ جو قائل بھی نہیں ہیں یعنی اعمال کو جزء نہیں تسلیم کرتے تب بھی وہ زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔

جواب نمبر ۲: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک ہے ایمان منجی وہ ایمان جو انسان کو دوزخ سے نجات دلادے۔ ایمان منجی گھٹتا بڑھتا نہیں ہے ایک ہے دوسرا ایمان معلی جو علو درجات کرتا ہے اور انسان کو دخول ولی دلاتا

ہے اور جنت الفردوس میں پہنچادیتا ہے یہ گھٹتا بڑھتا ہے لہذا گھٹنے بڑھنے کا جو بیان ہے یہ ایمان معلی کا ہے اور جو ایمان منجی ہے وہ گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔

جواب نمبر ۳: مومن بہٖ کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے یعنی جن چیزوں پر ایمان لایا جاتا ہے ان کی وجہ سے کمی زیادتی ہوتی ہے اور یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تک تھا۔

وہ یوں سمجھیں کہ حضرات صحابہ کرام ؓ ایمان لے آئے اور کچھ صحابہ ؓ نماز، روزہ کی فرضیت سے پہلے فوت ہو گئے کچھ ہجرت سے پہلے فوت ہوئے انہیں جہاد کا علم تک نہ ہوا تو نفس ایمان میں سب صحابہ کرام ؓ برابر ہیں لیکن مومن بہٖ یعنی اعمال نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے اعتبار سے ان کے درجات ہیں۔

امام ابو حنیفہ ؒ نے بہت زبردست تعبیر پیش کرتے ہوئے ایک جملہ ارشاد فرمایا جو علامہ زمخشری ؒ نے تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے جب امام اعظم ؒ سے سوال کیا گیا ایمان کی زیادتی و نقصان کے بارے میں تو جواب دیا امنو بِالْجُمْلَةِ ثُمَّ بِالتَّفْصِيْلِ امام اعظم ؒ فرماتے ہیں یہ کمی زیادتی کا اعتبار مُؤمِنٌ بِهٖ یعنی جس پر ایمان لایا جائے اس کے اعتبار سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہم مانیں گے یہ ایمان لے آئے اب مومن بہٖ میں اضافہ ہونے لگا نماز آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ایمان لائے روزہ آیا تو ایمان لائے زکوٰۃ آئی حج آیا جہاد آیا تو ان پر ایمان لائے اور صحابہ کرام ؓ ایمان لاتے گئے چنانچہ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح:۴) میں ذکر ہے کہ پہلے ایمان مجمل تھا پھر تفصیلی ایمان اس کے ساتھ آیا تو ایمان بڑھ گیا امام ابو حنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کا زیادہ ہونا تفصیلاً صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور تک تھا اب چونکہ دین مکمل ہو گیا ہے كَمَا جَآءَ فِى الْاٰيَةِ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ:۳) اب یہ نہیں بڑھ سکتا۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ ایک ہے نفس ایمان اور حقیقت ایمان اور ایک ہے اس پر صفات زائدہ اور ملکات فاضلہ جیسے نفس انسانیت ہے اور اس پر صفات زائدہ اور ملکات فاضلہ ہیں انسان کا عالم ہونا ڈاکٹر ہونا شجاعت کا ہونا وغیرہ نفس انسانیت میں تو سب برابر ہیں لیکن ملکاتِ فاضلہ اور صفات زائدہ کے اعتبار سے فرق ہے جیسے هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون اسی طرح نفس نبوت میں تو سب انبیاء علیہم السلام برابر ہیں چنانچہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرۃ:۲۸۵) لیکن صفات زائدہ اور ملکات فاضلہ کے اعتبار سے فرق ہے چنانچہ فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرۃ:۲۵۳) پہلی آیت میں نفس نبوت مراد ہے اور دوسری آیت میں ملکات فاضلہ اور صفات زائدہ کا ذکر ہے کہ اس میں تفاوت ہے اسی طرح نفس ایمان اور حقیقت میں سب برابر ہیں لیکن اس پر جو صفات زائدہ اور ملکات فاضلہ ہوتے ہیں اس کے اعتبار سے فرق ہے ملکات فاضلہ سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے مگر خود نفس ایمان میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے جیسے ہمارا اور فرشتوں کا ایمان کہ ان کا ایمان شہودی

ہے اور ہمارا غلبی ہے اسی طرح ایمان کے بعد خوف و خشیت حلاوت و سکینہ طمانیت قلب اور امید کا غلبہ بھی ملکات فاضلہ میں سے ہے۔

(۵) پانچواں جواب یہ ہے کہ انشراح قلبی نور ایمان کے اعتبار سے اہل ایمان میں درجات اور تفاوت ہوتا ہے قرآن پاک نے خود کہا ہے أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (الزمر:۲۲) جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام پر کھول دیا ہو وہ اللہ کی طرف سے ایک نور ہوتا ہے نور ایمانی کے اعتبار سے کمی زیادتی ہوتی ہے کسی کے ایمان کا نور ٹمٹماتے چراغ کی طرح ہے کسی کا سورج کی طرح کسی کا چاند کی طرح کسی کا ستاروں کی طرح ہوتا ہے اگر دو چراغوں میں سے ایک پر کالا شیشہ اور دوسرے پر شفاف شیشہ ہو تو نفس چراغ میں تو دونوں برابر ہیں لیکن نورانیت میں کمی زیادتی ہوگی ایمان عقد جازم ہے اگر شک ہو تو ایمان نہیں۔

حضرت استاذ مفتی ولی حسن ٹونکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حج کے لیے جو حدیث آتی ہے کہ گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے تو وہاں ہر سال اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام کی بڑی جماعت ہوتی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ دو نبی (حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام) آتے ہیں ان کا نور ایمانی اس قدر تیز ہوتا ہے کہ جو ضعیف الایمان اور جن کے قلوب گندے ہوتے ہیں وہ اس اجتماعی ماحول کی وجہ سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور دل بالکل نکھر جاتا ہے دل نور ایمانی سے چمکدار ہو جاتا ہے بہر حال ثابت ہوا کہ نور ایمانی کے اعتبار سے کمی زیادتی ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمانی کے اعتبار سے۔

اسلاف اور امام اعظمؒ کی عبارات کا جائزہ

اب ہم اسلاف اور امام اعظمؒ کی عبارات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں کوئی اختلاف ہے یا نہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے محدثین اور متکلمین کے مذہب کے درمیان تطبیق دینے کے لیے تقریر فرمائی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ میں نے جو تحقیق کی ہے اس کو فتح الملہم (شرح مسلم) میں بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے دیوبند میں تو بخاری شریف نہیں پڑھائی لیکن ڈھابیل میں پڑھائی ہے دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنیؒ پڑھاتے تھے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جب ڈھابیل سے دیوبند واپس آگئے تو اپنے مکان پر عصر بعد بخاری شریف پڑھاتے تھے ہمارے والد صاحبؒ (مفتی نیاز محمد ختنی ترکستانی) بھی عصر کے بعد ان سے پڑھتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ سلف کے ہاں ایمان کسے کہا جاتا ہے؟ اس کی عبارت دو بڑے شخصوں سے منقول ہے شیخ ابو منصور عبد القادر بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الاسماءُ والصِّفَاتُ" میں اور ابو القاسم انصاریؒ نے اپنی کتاب "شرح ارشاد" میں نقل کیا ہے یہ علامہ عبد الکریم شہرستانیؒ کا استاد ہے ایمان کی تعریف یہ کی ہے اَلْإِيمَانُ هُوَ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَإِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ

بِالْاَرْكَانِ يَزِيْدُ بِالطَّاعَةِ وَيَنْقُصُ بِالْمَعْصِيَةِ۔

یہ اسلاف یعنی صحابہ کرامؓ وغیرھم کی اصل عبارت ہے جو ان سے منقول ہے اس عبارت میں ناقلین نے قطع و برید کی ہے اس وجہ سے دو مسئلے بن گئے حالانکہ عبارت ایک ہی ہے اس میں قطع و برید کیسے ہوئی۔

(۱) اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّفِعْلٌ جیسے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ تاویلا اس میں ایمان کے تمام اجزاء آجائیں گے۔

(۲) یَزِیْدُ وَیَنْقص اب اس میں بالطاعة او ربالمعصية کا لفظ اڑا دیا۔

(۳) یہ ایک ہی تعریف میں آتے تھے ان کو دو الگ الگ چیزیں بنا دیا گیا حالانکہ اسلاف کی عبارت ایک ہے۔

یزید بالطاعة وینقص بالمعصية یہ دو لفظ اڑانے سے مراد مخفی ہو گئی اب اس میں یہ خرابی ہوئی کہ یہ دو الگ مسئلے بن گئے اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ اختلاف ہیں حالانکہ یہ تمام چیزیں ایک ہی ہیں کہ ایمان، معرفت قلبی اقرار لسانی اور عمل بالارکان کا نام ہے۔

یزید بالطاعة وینقص بالمعصية اسی کا حصہ ہے بالطاعة او ربالمعصية کا لفظ لانے سے پتا چلتا ہے کہ نفس ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے بلکہ نیکیاں کرنے سے اور گناہ کرنے سے اس پر انوارات یا ظلمات آتے ہیں یعنی نیکیاں کرنے سے انوارات اور گناہ کرنے سے ظلمت آتی ہے اب اس میں دو قطع و برید ہوئی ہیں ایک یہ کہ اعمال رکن ہیں ایمان کا اور دوسرا مسئلہ یہ کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور دوسری قطع و برید یہ کہ طاعت اور معصیت کا لفظ اڑا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس ایمان گھٹتا بڑھتا ہے حالانکہ جب طاعت اور معصیت کا لفظ آئے گا تو معلوم ہو گا کہ کیا چیز گھٹتی بڑھتی ہے آیا نفس ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا ملحقات گھٹتے بڑھتے ہیں تو اسلاف اور محدثین کی عبارت میں قطع و برید ہونے کی وجہ سے یہ خرابی ہوئی کہ مراد مخفی ہو گئی۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی عبارت کو امام طحاویؒ نے عقیدہ طحاویہ میں نقل کیا ہے امام طحاویؒ عبارات کو نقل کرنے میں پختہ سمجھے جاتے ہیں اور نقل مذاہب میں سب سے مضبوط ہیں یہ امام محمدؒ کے ایک واسطے سے شاگرد ہیں انہیں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ایک واسطے سے پہنچا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب تین واسطوں سے پہنچا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو واسطوں سے اور امام مالکؒ کا بھی دو واسطوں سے پہنچا ہے اس لیے یہ آئمہ اربعہ کے قریب ہیں۔

عبارت یہ ہے اَلْاِیْمَانُ هُوَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَجَمِیْعُ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَیَانِ کُلُّهٗ حَقٌّ وَالْاِیْمَانُ وَاحِدٌ وَاَهْلُهٗ فِیْ اَصْلِهٖ سَوَآءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَیْنَهُمْ بِالْخَشْیَةِ وَالتُّقٰی وَمُخَالَفَةِ الْهَوٰی وَمُلَازَمَةِ الْاَوْلٰی (ایمان نام ہے دل سے تصدیق کا اور زبان سے اقرار کرنا اور تمام وہ اعمال جو پیغمبر علیہ السلام سے آئے ہیں شرع اور بیان وہ سب حق ہیں ایمان ایک ہے اور اس کی اصل میں سب برابر ہیں اور ایمان والوں میں تفاضل ہے تقویٰ اور

خشیت کے اعتبار سے اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کے اعتبار سے اور افضل کو اختیار کرنے کے اعتبار سے)

قطع و برید کے بعد عبارت یوں بن گئی اور مسئلے الگ الگ ہوگئے پہلے مسئلے میں اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ لے لیا اور جَمِیْعُ مَاصَحَّ محذوف کر دیا اور دوسرے مسئلے میں اھلہ فی اَصْلِہٖ سَوَآءٌ لے کر یہ عبارت بنادی لَایَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ امام صاحب ؒ کی عبارت میں اب یہاں قطع و برید ہوئی ہے کہ او پر والا حصہ حذف کر دیا اور کہا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔

تبصرہ

دراصل اسلاف کے سامنے ایمان کی تعریف میں دو فرقوں مرجئہ اور معتزلہ اور خوارج کا رد کرنا مقصود تھا مرجئہ پر رد کرنے کے لیے اعمال کو جزء قرار دیا کیونکہ اس زمانے میں مرجئہ اعمال کو بالکل بے حیثیت قرار دیتے تھے تو انہوں نے کہا الایمان معرفة بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یہاں تک تو مُرجِئہ پر رد ہے۔

معتزلہ اور خوارج پر رد کرنے کے لیے یزید بالطاعة وینقص بالمعصية لائے کہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ ایمان کم زیادہ ہوتا ہے کہ نیکی کرنے سے بڑھ جاتا ہے اور گناہ کرنے سے کم ہو جاتا ہے کیونکہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ ؒ کی تعریف اسلاف کی تعریف کی تشریح ہے وہ اس طرح کہ انہوں نے فرمایا اَلْاِیْمَانُ وَاحِدٌ تینوں مل کر بمنزلہ ایک چیز کے ہیں جس طرح درخت میں جڑیں، تنا، ٹہنیاں مل کر ایک درخت کہلاتے ہیں لیکن شجر میں کچھ چیزیں اصل ہیں کہ وہ نہ ہوں تو درخت ہی نہیں جیسے جڑیں اور تنا اور کچھ چیزیں فرع ہیں جیسے پتے اور ٹہنیاں کہ ان کے بغیر بھی درخت رہتا ہے۔

یہاں امام صاحب ؒ نے تجزیہ کیا ہے کہ ایمان میں کون سی چیز اصل ہے اور کون سی فرع ہے جیسے پیغمبر علیہ السلام کی نماز کی تفصیل فرض واجب اور مستحبات سے کہ ان میں سے کس پر عمل کرنے سے نماز ہوگی اور کن سے نہیں ہوگی تو فقہاء نے کہا کہ تکبیر تحریمہ واجب ہے ثناء پڑھنا سنت ہے اور اس کے بعد فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور سورۃ ملانا واجب ہے اور قرآن پڑھنا فرض ہے اور رکوع کرنا فرض اور تسبیح سنت ہے اب انہوں نے نماز کے اندر مراتب قائم کیے کہ کون سی چیز کیا حیثیت رکھتی ہے تو تعریف ایمان کی اسلاف سے نقل ہو کر آئی تھی اس کو امام صاحب ؒ نے خوب کھولا ہے اور اس کے اجزاء کی تحلیل کی ہے کہ کون سا اصل اور کون سے فرع ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ نے اولاً معتزلہ اور خوارج پر رد کیا ہے کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی اور اقرار لسانی ہے اور تفاضل کہہ کر مرجئہ پر رد کیا ہے کہ اعمال بیکار نہیں ہیں بلکہ درجات و تفاضل اصل ایمان میں اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ

اپنے اپنے زمانے میں جس فرقے کا زور زیادہ تھا اس کا رد پہلے کیا ہے دونوں عبارات کے تجزیے سے یہ سامنے آتا ہے کہ امام صاحب ؒ بھی تین چیزوں (تصدیق اقرار، اعمال) کے قائل ہیں حتیٰ کہ امام صاحب ؒ نے ان کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اسلاف نے بھی تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور انہوں نے بالطاعۃ اور بالمعصیۃ کی قید لگائی ہے اب یہاں قطع و برید سے اختلاف پیدا ہوا اور بات کہاں سے کہاں چلی گئی لہذا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ ؒ سے عقیدہ طحاویہ میں جو تعریف نقل ہے اس کو دیکھا جائے اور محدثین کی تعریف کو دیکھا جائے تو کوئی فرق نہیں ہے دونوں میں اعمال کا ذکر ہے حضرت عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ واھلہ فی اصلہ سواء کہہ کر پہلے امام اعظم ؒ نے معتزلہ خوارج پر رد کیا ہے کہ تصدیق قلبی ہے تو وہ مومن ہے اور بعد میں مرجئہ پر رد کیا ہے والتفاضل بینھم تم جو اعمال کو بیکار سمجھتے ہو اعمال تو انسان کے درجات کو بلند کرتے ہیں یہ اختلاف زمانی اختلاف ہے۔

حضرت عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ بڑے سالوں کی تحقیق کے بعد یہ بات حاصل ہوئی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں صرف قطع و برید کی گئی ہے جیسے لاتقربوا الصلوۃ (النساء:۴۳) نماز کے قریب نہ جاؤ اگر وانتم سکریٰ کو نظر کرو تو بہت سے اشکالات پیدا ہو جائیں گے اسی طرح یہاں بھی اشکالات پیدا ہو گئے اور اشکالات کی وجہ عبارات میں قطع و برید ہے۔

اسلام اور ایمان کی تحقیق

اسلام لغۃً

اسلام کا لغوی معنیٰ «التَّسْلِيمُ والتَّسَلُّمُ» ہے یعنی تسلیم اور استسلام تسلیم کہتے ہیں تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ لا مُلَائِمَةٌ یعنی غیر مناسب اعتراض کو چھوڑ دینا اور استسلام کہتے ہیں اَلْاِنْقِيَادُ وَتَرْكُ التَّمَرُّدِ وَالْعِنَادِ وَالْاِعْتِرَاضِ کو یعنی منقاد ہو جائے اور عناد اور ضد چھوڑ دے یہ اسلام ہے۔

اسلام اصطلاحاً

اصطلاح شریعت میں اِسْتِسْلَامٌ ظَاهِرِيٌّ او اِنْقِيَادٌ ظَاهِرِيٌّ مَعَ الْاِيْمَانِ اِجْلَالاً وَعَظْمَةً لَا اسْتِخْفَافاً ہے یعنی ایمان کے ساتھ ظاہری طور پر جھک جائے جلال اور عظمت کی وجہ سے جھکے نہ کہ تمسخر کرتے ہوئے جھکے جیسا کہ کافر کرتے تھے اس کا اعتبار نہیں ہے لہذا انقیاد ظاہری کے خلاف اگر کوئی عمل کرے گا تو کافر ہو گا مثلاً ایمان کے ساتھ بتوں کو سجدہ کرلے، قرآن پاک کو گندگی میں پھینک دے یا صلیب گلے میں لٹکالے تو کافر قرار دیا جائے گا (نعوذ باللہ منھم وغیرھم)

اسلام اور ایمان میں فرق

اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے ؟یہ ایک اہم بحث ہے اس میں مختلف نظریات ہیں۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام انقیاد ظاہری کا نام ہے اسلام تسلیم سے ہے یُسَلِّم تسلیماً کہ انقیاد اور تسلیم ظاہری کا نام تو اسلام ہے جبکہ ایمان انقیاد باطنی کا نام ہے۔

امام غزالیؒ کی تحقیق

امام غزالی ؒ نے احیاء العلوم میں اسلام اور ایمان کی تحقیق فرمائی ہے احیاء العلوم لکھنے سے پہلے امام غزالی ؒ نے دمشق کی جامع مسجد میں سات سال اعتکاف کیا ہے یہ کتاب تصوف اور علوم باطنی پر مبنی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسلام اور ایمان کا لفظ قرآن و حدیث میں تین طرح استعمال ہوا ہے۔

پہلا استعمال

(۱) عَلٰی سَبِیْلِ التَّرادُفِ والتوارد یعنی اسلام اور ایمان دونوں ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں قرآن پاک سے اس کی دلیل لائے ہیں۔

(۱) ترادف کی ایک دلیل قصہ لوط علیہ السلام میں ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الذاریات:۳۵،۳۶) ہم نے وہاں سے جتنے مومن تھے نکال دیئے اور ہمیں مسلمانوں کا ایک ہی گھر ملا۔

وہ گھر لوط علیہ السلام کا تھا سات بستیوں میں صرف ایک گھر مسلمانوں کا تھا ب ان میں ایک ہی گھر جو لوط علیہ السلام کا ہے جس پر مؤمنین اور مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح فرمایا قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس:۸۴) یہاں پر بھی امنتم باللہ اور مسلمین وہی لوگ ہیں جن کو خطاب کیا جا رہا ہے تو یہ دونوں علی سبیل الترادف آئے ہیں کہ جو ایمان کا مفہوم ہے وہی اسلام کا مفہوم ہے۔

(۳) بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ الخ اور وفد عبد قیس کی روایت میں ایمان کی تشریح میں وہی چیزیں ہیں جو بنی الاسلام کی تشریح میں ہیں لہذا دونوں کا ایک ہی مفہوم اور مصداق ہے۔

دوسرا استعمال

(۲) عَلٰی سَبِیْلِ الاختلاف والتَّقَابُلِ یعنی ایمان اور اسلام الگ الگ معنیٰ میں آئے ہیں جیسے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا (الحجرات:۱۴) اعراب نے کہا کہ ہم مومن ہو گئے اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ تم اپنے کو مومن نہ کہو بلکہ کہو کہ مسلمان ہوئے ہو یہاں پر امنا اور اسلمنا کو الگ الگ کر دیا تو قرآن پاک میں یہاں دونوں علی سبیل التقابل آئے ہیں اور اسی طرح حدیث جبرئیل میں ایمان اور اسلام کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ جواب دیا۔

تیسرا استعمال

(۳) عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاخُلِ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ کہ کون سا عمل افضل ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا اَلْاِسْلَامُ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اَلْاِیْمَانُ تو یہ تداخل ہے کہ ایمان کو اسلام میں داخل مانا گیا ہے۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی تحقیق

یہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے ابن رجب حنبلی بہت بڑے آدمی ہیں اس نام کے دو آدمی ہیں ایک نحوی ہے اور ایک محدث ہے ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی شرح خمسین الحمد للہ احقر کے پاس ہے جو پچاس احادیث کی عجیب و غریب شرح پر مشتمل ہے اور یہ احقر کے پسندیدہ مصنفین میں سے ہے وہ ایمان اور اسلام کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کا لفظ جب قرآن و حدیث میں آتا ہے تو اگر دونوں لفظ کسی آیت یا حدیث میں اکٹھے استعمال ہوں تو دونوں کا مفہوم الگ الگ ہوگا اگر ایک استعمال ہو دوسرا نہ ہو تو وہاں ایک ہی کے اندر دونوں مراد ہوں گے انہوں نے اس کی ایک بہترین مثال دی ہے کہ ایمان اور اسلام کی مثال مسکین اور فقیر کے لفظ کی طرح ہے مسکین اور فقیر کا لفظ قرآن پاک میں بہت جگہوں پر استعمال ہوا ہے صدقات کے مصارف اور دیگر کئی جگہ میں ذکر آیا ہے اور اس میں فقیر و مسکین کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اِذَا اجْتَمَعَا اِفْتَرَقَا کہ جب یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں گے تو الگ الگ مفہوم ہوگا اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ والمساکین (التوبۃ:۶۰) اس آیت میں ان دونوں کا مفہوم ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے وَاِذَا افْتَرَقَا اجْتَمَعَا اور جب الگ الگ استعمال ہوں گے وہاں اکٹھے ہو جائیں گے جیسے وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ یہاں مسکین میں فقیر بھی شامل ہے اور للفقراء المھاجرین الذین اخرجو من دیارھم (الحشر:۸) یہاں فقیر میں مسکین داخل ہے فقیر اس کو کہا جاتا ہے جس کے پاس تھوڑا مال ہو یعنی مال تو ہے لیکن اس کی ضرورت پوری نہیں کرتا۔

مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے مسکین مسکنت سکون سے ہے اس لیے کہ جب آدمی کے پاس پیسہ ہو تو وہ کہتا ہے یہ خریدوں وہ خریدوں یہ کھاؤں وہ کھاؤں لیکن اگر کچھ بھی نہیں ہے تو ایک جگہ پر سکون سے بیٹھا رہتا ہے لہٰذا جہاں لفظ ایمان اور اسلام دونوں آئے ہیں تو دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے جیسے حدیث جبرئیل ہے اور جہاں ایک آتا ہے تو وہاں اس میں دوسرا داخل ہے جیسے حدیث وفد عبد القیس ہے اذا اجتمعا أفترقا واذا افترقا اجتمعا۔

علامہ ابن ہمامؒ کی تحقیق

علامہ ابن ہمامؒ جس نے ہدایہ کی شرح (فتح القدیر) لکھی ہے یہ احناف میں بہت بڑے آدمی ہیں مقام اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے وہ اپنی کتاب المسایرہ اور اس کی شرح میں تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کا تلازم ہے شریعت میں اگرچہ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے لیکن یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں لہٰذا جو مومن ہے وہ مسلم بھی ہے اور جو مسلم ہے وہ مومن بھی ہے ان میں انفکاک نہیں ہو سکتا لیکن ان پر اعتراض ہوا کہ جنہوں نے کہا تھا اٰمنّا تو قرآن پاک نے کہا کہ لم تؤمنوا ایمان مت کہو بلکہ تم اسلمنا کہو تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں مومن کہنے کی بجائے مسلم کہنے کی اجازت تھی کہ تم ایمان کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے اسلام کا لفظ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ بہت بڑے محقق تھے اور ان کی تحقیقات بھی بڑی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام ظاہری ہے ظاہری طور پر آدمی نماز روزہ کرتا ہے لیکن اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے یہ اسلام ظاہری ایمان سے منفک ہو سکتا ہے یعنی الگ ہو جائے گا اور ایک اسلام حقیقی ہے کہ دل و جان سے اللہ جل جلالہ کا انقیاد کرتا ہے شریعت ظاہرہ کا یہ اسلام حقیقی ایمان سے منفک نہیں ہو سکتا قلب اور قالب دونوں سے منقاد ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں ان میں بس ایاب اور ذہاب کا فرق ہے کہ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور قالب تک آتا ہے اور اسلام قالب سے شروع ہو کر قلب تک آتا ہے جیسے ایک آدمی نے نماز روزہ شروع کر دیا جب نماز روزہ کا پابند ہوا تو اس وقت اس کے دل میں ایمان مضبوط ہونا شروع ہو جائے گا اور قالب کا اثر قلب میں پڑے گا یہ چیزیں تو ڈھیرے ڈھیرے نصیب ہوں گی اور ایک آدمی کا کسی اللہ والے کی صحبت سے اور اس کے انوارات باطنی سے اس کا ایمان چمک گیا تو اس کی وجہ سے وہ اعمال پر آجاتا ہے نماز، روزہ شروع کر دیتا ہے۔

روافض و معتزلہ کا نظریہ

معتزلہ اور روافض دونوں کا مذہب یہ ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اہل سنت والجماعت ان کے

ہاں مسلمان تو ہیں لیکن مومن نہیں ہیں یاد رکھو شیعہ اتحاد بین المسلمین کی بات کرے گا اتحاد بین المومنین کی بات کبھی بھی نہیں کرے گا اس لیے کہ وہ ہمیں مومن نہیں سمجھتا صحاب کبیر ان کے ہاں مسلمان تو ہیں لیکن مومن نہیں ہیں لہذا اگر کوئی وصیت کرے کہ میری یہ چیزیں فقراء مومنین کو دے دینا تو شیعہ اور معتزلہ کے ہاں اہل سنت والجماعت اور مرتکب کبیرہ فقراء کو نہیں ملیں گی لیکن اگر اَوْصٰی لِلْفُقَرَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ کہا تو پھر سب کو ملیں گے اس میں وہ بد بخت خود بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

مَسْئَلَۃُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْاِیْمَانِ

اگر کوئی مشیت الہی کے ساتھ اپنے مومن ہونے کا استثناء کرے تو اسے استثناء فی الایمان کہتے ہیں مثلاً اَنَا مومنٌ اِنْ شَآءَ اللہ ہے یا اِلَّا اَنْ یشاء اللہ ہے کہ میں انشاءاللہ مومن ہوں اس کے بارے میں متکلمین کی اکثریت فرماتی ہے کہ مومن بتلاتے وقت انشاءاللہ ساتھ لگائے۔

دوسرا نظریہ اہل تحقیق کا ہے وہ فرماتے ہیں استثناء فی الایمان نہ کرے فقط اَنَا مومِنٌ کہے۔

امام اوزاعیؒ (جن کے مسلک پر شام والے دوسو سال رہے) کے ہاں دونوں صورتیں جائز ہیں اَنَا مومِنٌ بھی کہہ سکتا ہے اور انا مومن ان شاء اللہ بھی کہہ سکتا ہے۔

تینوں اقوال مختلف اعتبار سے درست ہیں جس نے حال پر نظر کی تو کہا کہ استثناء نہ کرے اور جنہوں نے اجازت دی تو عاقبت کے اعتبار سے کہا تشکیک مقصود نہیں اور جنہوں نے تخییر کہا وہ دونوں کو سامنے رکھتے ہیں یہ قول حسن ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ استثناء نہ کرے انا مومن کہے ان شاء اللہ ساتھ نہ لگائے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے دلائل

۱۔ انشاءاللہ میں شک و شبہ کا وہم ہوتا ہے اور ایمانیات یعنی عقیدے میں وہم اور شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے لہذا شک اور ایہام سے بچنا ضروری ہے۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو آپ سے سوال کرے گا وہ آپ کی موجودہ حالت کے بارے میں سوال کرے گا کہ آپ اس وقت کیا ہیں تو آپ انا مومن الحمد للہ کہیں یہ سوال ایمان حالی کے بارے میں ہے ایمان استقبالی کے بارے میں نہیں ہے جیسے اب آپ سے کوئی سوال کرے کہ اب آپ کیا ہیں؟ تو آپ جواب دیں گے کہ طالب علم ہوں بعد میں بے شک آپ علامۃ الدھر بن جائیں۔

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مستقبل کا خیال رکھا جائے تو پھر اس وقت کسی کو حتمی طور پر مومن یا کافر نہیں کہہ سکتے آپ

جس کو مومن کہیں گے ہو سکتا ہے کہ وہ آئندہ کافر ہو جائے اور آپ جس کو کافر کہیں گے ہو سکتا ہے کہ وہ آئندہ مومن ہو جائے لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ شریعت کے جو احکام ہیں وہ ایمان حالی پر مرتب ہوتے ہیں نہ کہ ایمان استقبالی پر اور استثناء میں استقبال کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ حال کا۔

۵۔ صحابہ کرام کی کثریت سے أنا مُؤمِنٌ کا لفظ بغیر استثناء سے آیا ہے اگر کسی سے ان شاء اللہ ثابت ہے تو وہ غلبہ خشیت اور خوف کی وجہ سے ہے بعض صحابہ کرام ؓ پر خشیت کا غلبہ تھا اور غلبہ حال کی کیفیت قابل تقلید نہیں جیسے اویس قرنی ؒ کا دانت توڑنا حتی کہ پیغمبر علیہ السلام کا عمل بھی جو غلبہ حال کی وجہ سے ہوا ہے جیسا کہ اوجھڑی کا کھاجانا اور آپ علیہ السلام کا اسی حالت میں نماز پڑھتے رہنا اس کی بھی اتباع نہیں ہوگی۔

امام باقلانی ؒ فرماتے ہیں کہ انا مُومِنٌ حقاً بھی کہہ سکتے ہیں باقی رہا مستقبل کے بارے میں تو فرماتے ہیں کہ اگر آپ اپنے ماضی اور موجودہ حالت کو بتلاتے ہیں تو انا مومن حقاً کہیں اور اگر مستقبل آپ کے ذہن میں ہے تو تب ان شاء اللہ کہیں۔

کتاب الایمان

کتاب کتب یکتب سے ہے ملانا ضم کرنا ہے مراد علم کا وہ مجموعہ ہے جس میں مختلف انواع علم جمع ہوں۔

امام بخاریؒ کا مقصد

امام بخاری ؒ نے پوری کتاب الایمان میں ایمانیات کی تحقیق کے ساتھ مرجئہ پر رد کیا ہے اور بعض ابواب میں معتزلہ اور خوارج پر بھی رد کیا ہے یعنی مرجئہ پر بالقصد رد ہے اور معتزلہ خوارج پر تبعاً رد ہے اور بعض ابواب معتزلہ اور خوارج کے رد پر بالقصد ہیں اور مرجئہ پر تبعا ہیں تو باطل فرقے تمام کے تمام امام بخاری ؒ کے سامنے ہیں لہذا ایمانیات کی بھی تحقیق کریں گے اور ان پر رد بھی کریں گے۔

امام بخاری ؒ کے ہاں اسلام، ایمان، دین، تقوی، یقین، برٌ اور ہدایت تمام الفاظ مترادف ہیں ان لفظوں میں سے جو لفظ بھی آئے گا اس سے مراد ایمان ہو گا اور وہ ان سے ایمان ثابت کریں گے۔

لا تحجر فی الاطلاقات

احناف کی طرف سے جواب آسان ہے کہ ایمان کی حقیقت الگ اور باقی چیزوں کی الگ ہے اگر امام بخاری ؒ نے یہ اصطلاح قائم کر لی ہے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے ایک آدمی کی اصطلاح دوسرے پر لاگو نہیں ہوتی۔

بَابُ قولِ النبی ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ وھو قول وفعل ویزید وینقص

قال الله تعالیٰ لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم وزدناھم ھدًی ویزید الله الذین اھتدوا ھدًی والذین اھتدوا زادھم ھدًی واٰتٰھم تقوٰھم ویزداد الذین اٰمنوا ایمانا وقوله عزوجل ایکم زادته ھذه ایمانا فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا وقوله فاخشوھم فزادھم ایمانا وقوله وما زادھم الا ایمانا وتسلیما والحب فی الله والبغض فی الله من الایمان و کتب عمر بن عبدالعزیز الیٰ عدی بن عدی ان للایمان فرائض وشرائع وحدودا وسننا فمن استکملھا استکمل الایمان ومن لم یستکملھا لم یستکمل الایمان فان اعش فسابینھا لکم حتیٰ تعملوا بھا وان امت فما انا علیٰ صحبتکم بحریص، وقال

ابراھیم علیه الصلوٰۃ والسلام ولکن لیطمئن قلبی وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعة۔ وقال ابن مسعود الیقین الایمان کله۔ وقال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقة التقویٰ حتیٰ یدع ما حاك فی الصدر وقال مجاھد شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحا۔ اوصیناك یا محمد وایاہ دینا واحدا وقال ابن عباس شرعة ومنهاجا سبیلا وسنة۔ ودعائکم ایمانکم۔

باب رسول اکرم ﷺ کا ارشاد کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور وہ قول و فعل دونوں پر مشتمل ہے اور وہ زیادتی و کمی کو قبول کرتا ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اس سورت نے تم میں سے کسی کے ایمان میں ترقی دی، سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو ترقی دی ہے اور فرمان الٰہی ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے تو اس لیے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس سے ان کے ایمان و طاعت میں اور ترقی ہو گئی۔

اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اس کے لیے بغض رکھنا بھی داخل ایمان ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان کے لیے فرائض، شرائع، حدود اور سنن ہیں پس جس شخص نے ان تمام چیزوں کو پورا کر لیا اس نے ایمان کو پورا کر لیا اور جس نے ان تمام چیزوں کو پورا نہیں کیا اس نے ایمان کو کامل نہیں کیا پس اگر میں زندہ رہا تو ان چیزوں کو تمہارے لیے بیان کر دوں گا تا کہ تم ان پر عمل کر سکو اور اگر میں مر گیا تو میں تمہاری صحبت کے لیے حریص نہیں ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لیکن اس کے لیے میرے قلب کو سکون ہو جائے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ کچھ دیر ایمان تازہ کریں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یقین کل کا کل ایمان ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت نہیں پا سکتا جب تک ان باتوں کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتی ہیں مجاہد نے شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحا کی تفسیر میں فرمایا کہ اے محمد ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا میں شرعۃ کے معنی سبیل و منہاجا کے معنی سنت ہیں اور تمہارا پکارنا ایمان ہے۔

حدیث

حدثنا عبید الله بن موسیٰ قال انا حنظلة بن ابی سفیان عن عکرمة بن خالد عن ابن عمر قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شھادة ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والحج وصوم رمضان۔

ترجمہ: عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی فرمایا کہ انہیں حنظلۃ بن ابی سفیان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ عکرمہ بن ابی خالد یہ بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جب اسلام مرکب ہے تو ایمان بھی مرکب ہے **وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ** سے ایمان کی تعریف کی ہے امام بخاری ؒ نے سلف سے منقول عقیدے میں یہاں دو تبدیلیاں کی ہیں (۱) **مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ** یا **تصدیق قَلْبِیْ** کا ذکر ایمان کی تعریف میں نہیں کیا۔

(۲) **عَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ** کی جگہ **فِعْلٌ** لے آئے اگرچہ لغت میں فرق ہے۔

مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ کو ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ متفق علیہ ہے اس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے یعنی معرفت قلبی کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں اس لیے اسے بحث کا حصہ نہیں بنایا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قول کو عام قرار دے دیا جائے قول قلبی اور قول لسانی پہلا تصدیق اور دوسرا اقرار ہو گیا فعل کو عام کردیں تو فعل قلبی تصدیق ہو گا اور دوسرا فعل بالارکان ہو گا یعنی غیر فعل قلبی عمل بالارکان ہو گا کہ وہ اعضاء کا فعل ہے جو کہ غیر قلبی ہیں **یزید وینقص** پر مکمل بحث ما قبل گزر چکی ہے کہ نفس ایمان نہیں گھٹتا بڑھتا بلکہ اس کے ملحقات گھٹتے بڑھتے ہیں اب امام بخاری ؒ نے ایمان کی زیادتی و نقصان پر **قال اللہ تعالیٰ** سے دلائل پیش کیے ہیں۔

ان آیات اور احادیث مبارکہ کے چند کلی جوابات ما قبل دیئے گئے تھے اب ہر آیت کا ہم جائزہ لیتے ہیں کہ اس میں نفس ایمان کی زیادتی مراد ہے یا ملحقات ایمان کی زیادتی مراد ہے۔

آیت نمبرا

قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایماناً مع ایمانھم (الفتح:۴) تاکہ بڑھ جائیں وہ لوگ ایمان میں اپنے ایمان کے ساتھ امام بخاری ؒ نے اپنے دعوے پر یہ آیت مبارکہ پیش کی ہے اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

جواب

یہ سورۃ فتح کی آیت ہے اور یہ آیت بیعت رضوان کے سلسلے میں صلح حدیبیہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر بھیجا تھا اور یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا گیا ہے تو اس وقت آپ علیہ السلام نے کیکر کے درخت کے نیچے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لی لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونك تحت الشجرۃ (الفتح:۱۸) سب صحابہ کرامؓ تیار ہو گئے اور ان میں ایک عجیب جوش پیدا ہو گیا اور وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد حکم آیا کہ ہتھیار ڈال دو اب لڑنا نہیں ہے صلح کرنی ہے اب ایک آدمی کو جان دینے پر تیار کرنا آسان کام نہیں ہے لیکن جب وہ جان دینے پر تیار ہو جاتا ہے تو اس وقت ایسے پر جوش مجاہد کو روکنا آسان کام نہیں اس لیے حضرت عمرؓ بار بار یہ پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ جو آپ صلح کرنے کو فرما رہے ہیں کیا یہ فتح ہے؟

لیکن صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت میں دب کر صلح کی وہی صلح فتح مکہ کا ذریعہ بنی پورے عالم میں اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ بن گئی۔

اس سے ایک اہم سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جو آدمی خیر کے کام میں مشغول ہو اس کو چاہیے کہ کم سے کم جھگڑوں میں پڑے اس لیے کہ دوسرا تو بے کار آدمی ہے وہ تو چاہے گا کہ اس کا کام بھی نہ چلے۔

اس لیے پیغمبر علیہ السلام کی نظر دیکھ رہی تھی کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اگر پیغمبر علیہ السلام شاہان عالم کو خطنہ لکھتے تو آج اسلام کی عالمگیریت پر بھی بحث ہو رہی ہوتی کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے یا نہیں آپ علیہ السلام نے خود تبلیغ کر کے بتا دیا کہ پورے عالم کے لیے اسلام آیا ہے یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا مذہب نہیں ہے جو ایک خاص جگہ اور علاقے کے لیے آیا ہے پورے عالم کے لیے نہیں آیا۔

تو جب صحابہ کرامؓ نے پہلے قتال پر تیاری کی اور لڑنے پر اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایک خاص قسم کا نور ڈال دیا جس کو سکینہ قرار دیا سکینہ نور ہے ھو نورٌ یقذف فی قلب المومن ایک نور ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈال دیتے ہیں اس کے بعد جب دوسرا حکم آ گیا کہ لڑنا نہیں ہے اب دوسری اطاعت کی تو نور میں اضافہ ہو گیا یہ ہے لیزدادوا ایماناً مع ایمانھم (الفتح:۴) کہ پہلے سکینہ کے ساتھ دوسرا سکینہ جمع ہو گیا تو دو نور جمع ہو گئے اس کو قرآن مجید میں ایمان سے تعبیر کیا ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایماناً مّع ایمانھم (الفتح:۴) ایک سکینہ تو پہلے نازل ہوا جب وہ قتال کے لیے تیار ہوئے اور دوسرا سکینہ جب قتال سے رک گئے اور دب کر صلح کر لی پہلے ایمان سے مراد پہلا سکینہ اور نور ہے اور دوسرے ایمان سے مراد دوسرا سکینہ اور نور ہے۔

لہذا قرآن پاک کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ یہاں متعلقات ایمان مراد ہیں کہ ہم نے ان کے دل میں نور ایمانی میں اضافہ کر دیا جب صحابہ کرام ٹوٹے تو ان کے سکینہ اور نور ایمانی میں اضافہ تھا۔

امام عمر زمخشری ؒ عربیت کا امام ہے اس کی تفسیر کشاف بہت اونچے درجے کی تفسیر ہے وہ تھا تو معتزلی لیکن بڑے علم والا تھا اس نے امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کا قول آمنو بالجملة ثم بالتفصیل نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام ؓ اس بات پر ایمان لائے کہ ہم پیغمبر علیہ السلام کی مان کر چلیں گے اب یہاں دو تفصیلیں سامنے آ گئیں پہلی تفصیل کہ لڑو اور دوسری تفصیل نہ لڑو تو دونوں پر انہوں نے اطاعت کی کہ صحابہ کرام ؓ نے امنو بالجملة ثم بالتفصیل کے تحت پیغمبر کی طاعت کریں گے تو اس کی طاعت کو کر کے دکھایا تو قرآن پاک نے لیزدادو ایماناً مع ایمانھم (الفتح:۴) کہہ کر صحابہ کرام ؓ کی وفاشعاری اور ان کی طاعت کو بیان فرمایا امنو بالجملة ثم بالتفصیل یہ امام ابو حنیفہ ؒ کا جواب ہے کہ اس میں مومن بہ کا بیان ہے کہ مومن بہ جو بعد میں آتے رہے تفصیل کے ساتھ تو ان میں مومن بہ کی زیادتی مراد ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان کی۔

آیت نمبر ۲

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الکھف:۱۳)

اور ہم نے ان کو ہدایت میں بڑھا دیا امام بخاری ؒ کے ہاں ایمان و ہدایت مترادفات میں سے ہے ہدایت بڑھ گئی یعنی ایمان بڑھ گیا تو ایمان کا کم زیادہ ہونا ثابت ہو گیا۔

جواب

ہم اس آیت کا خاص جواب دیتے ہیں یہ سورۃ کہف کی آیت ہے کہ روم میں ایک دقیانوس نامی بادشاہ تھا آج ہمیں کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ دقیانوسی ہیں حالانکہ دقیانوسیت خود اختیار کر رکھی ہے یہ بادشاہت پرست تھا حالانکہ رومی لوگ عیسائی مذہب رکھتے تھے لیکن وہ بت پرستی کراتا تھا بلکہ اس بات پر مجبور کرتا تھا کہ وہ بت پرستی کریں سات نوجوان توحید کی دعوت لے کر اٹھے اور انہوں نے بادشاہ کے دربار میں تقریر کی جس کو قرآن پاک نے نقل کیا ہے "وربطنا علی قلوبھم (الکھف:۱۴) کہ ہم نے ان کے دلوں سے رابطہ کر لیا۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی بڑی عجیب بات فرما کر ترجمہ کرتے ہیں ''ہم نے ان کے دلوں سے رابطہ کر لیا تا کہ وہ بادشاہ کے سامنے گھبرائیں نہیں'' تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے تقریر کی اور پھر بعد میں اللہ جل جلالہ نے ان کو تین سو سال غار میں سلا دیا یہ سورۃ کہف میں پورا واقعہ مذکور ہے یہ ان کی کرامت تھی۔

جب انہوں نے ہمت اور جرأت کی کہ ہم توحید کی آواز بلند کریں گے تو قرآن مجید نے کہا کہ "وزدناهم هدًى (الکهف:۱۳) ہم نے ان کی بصیرت کو اور بڑھا دیا تو یہاں بصیرت کا بڑھنا مراد ہے نہ کہ ایمان کا بڑھنا کیونکہ انہوں نے بادشاہ کے ہاں تقریر کرنی تھی اور دلائل پیش کرنے تھے تو وہاں پر بصیرت اور سوجھ بوجھ چاہیے تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وربطنا علی قلوبهم (الکهف:۱۴) ہم نے ان کے دلوں سے رابطہ کیا تا کہ وہ مضبوط رہیں کمزوری نہ دکھائیں وزدناهم هدًى (الکهف:۱۳) ہم نے ان کی بصیرت اور سوجھ بوجھ کو اور بڑھا دیا لہذا وزدناهم هدًى (الکهف:۱۳) اس سے بصیرت اور سوجھ بوجھ کا بڑھنا مراد ہے نفس ایمان کا بڑھنا مراد نہیں ہے ویسے بھی ہمارے ہاں ہدایت اور ایمان میں فرق ہے۔

آیت نمبر ۳

ویزید الله الذین اهتدوا هدًى (مریم:۷۶)

اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتے ہیں ھدایت والوں کو ہدایت میں۔

جواب

یہ سورہ مریم کی آیت ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے گمراہ لوگوں کا ذکر کیا ہے ومن كان فى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لهُ الرحمن مدًّا (مریم:۷۵) یعنی جو گمراہی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں دوام دے دیتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ پہلے وهديناه النجدين (البلد:۱۰) دونوں راستے دکھاتے ہیں انسان کے اندر فرشتہ اور رباہر کی نشانیاں وہ اس کو ہدایت کی طرف لانے کی کوشش کرتی ہیں اندر سے بھی داعیہ پیدا ہوتا ہے اور خارجی دلائل بھی داعیہ پیدا کرتے ہیں لیکن آدمی نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور گمراہی میں گھسا رہا باوجود اس کے کہ بات دل پر اثر کر رہی تھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ومن كان فى الضلالة فليمدد له الرحمن مداً (مریم:۷۵) کہ ہم اس گمراہ کو اس کی گمراہی میں اور لمبا کر دیتے ہیں کہ وہ اسی گمراہی میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

ویزید الله الذین اهتدوا هدًى (مریم:۷۶) اور جو ہدایت میں رہنا چاہتے ہیں ہم ان کو ہدایت میں آگے بڑھاتے ہیں تو یہاں پر اس سے استقامت اور استمرار ہدایت مراد ہے کہ پھر اس کو ہمیشہ کے لیے ہدایت دے دیتے ہیں لیکن پہلی کوشش انسان کی ہے کہ پہلے انسان کے ذمہ ہے کہ وہ ہدایت کے لیے کوشش کرے لہذا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں پر نفس ایمان کا بڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ یہاں استقرار اور استمرار علی الہدایت مراد ہے۔

آیت نمبر ۴

وَالَّذِيْنَ اهْتَدوا زادهم هدًى وَّاٰتهم تقوٰهم (محمد:۱۷)

جواب

یہ سورۃ محمد کی آیت ہے جب کوئی اپنے اعضاء ظاہری کا استعمال نہ کرے تو کچھ عرصہ بعد بے کار ہو جاتے ہیں جیسے لیٹا ہے تو پاؤں کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح حق بات سننے اور اس پر عمل کی کوشش نہ کریں تو استعداد قبول حق ختم ہو جاتی ہے اور مہر لگ جاتی ہے اور جو ہدایت و حق کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی بصیرت ایمانی سمجھ بوجھ اور نیکی کی توفیق بڑھ جاتی ہے چنانچہ اس آیت میں ما قبل میں منافقین کا حال بیان کیا ہے وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفاً أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (محمد:۱۶) منافقین رسول اللہ ﷺ کی بات نہ توجہ سے سنتے اور نہ سمجھنے بلکہ بعد میں بطور تمسخر و استہزاء اہل علم صحابہ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے اور اس آیت میں وَالَّذِيْنَ اهْتَدوا زادهم هدًى وَّاٰتهم تقوٰهم (محمد:۱۷) اور ہدایت چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت و بصیرت اور نیکی کی توفیق بڑھا دیتے ہیں یہ نفس ایمان کی زیادتی نہیں بلکہ ملحقات ایمان کی زیادتی ہے۔

آیت نمبر ۵

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا (المدثر:۳۱)

جواب

یہ سورۃ مدثر کی آیت ہے اس سے قبل جہنم پر مقرر فرشتوں کا بیان ہے علیها تسعة عشر (المدثر:۳۰) کہ انیس فرشتے ہیں ان کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں تو اس کے عدد کی حکمت قرآن نے یہ بیان کی وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا (المدثر:۳۱) کہ یہ عدد کفار کے لیے امتحان اور آزمائش ہے چنانچہ مشرکین نے مذاق اڑایا بعض پہلوانوں نے کہا کہ میں اکیلا ان کے لیے کافی ہوں اور دوسری حکمت یہ بتلائی ليستيقن الذين اوتوا الكتاب (المدثر:۳۱) کہ اہل کتاب یقین کریں قرآن کی حقانیت اور رسول ﷺ کی سچائی پر کیونکہ ان کی کتب سماویہ میں بھی یہ عدد ہے آپ ﷺ تو امی تھے تو یہ خبر غیب کی بذریعہ وحی ہے اہل کتاب کو چار و ناچار تصدیق کرنا پڑی اس سے ایمان والوں کو خوشی اور مسرت اور خوب اطمینان قلبی حاصل ہوا تو نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں بلکہ اطمینان قلبی و انشراح قلبی و خوشی و مسرت مراد ہے۔

دوسرا غیب کی خبر پر ایمان لانے کی وجہ سے ایمان میں مزید شدت اور قوت پیدا ہو گئی۔

تیسرا آمنو بالجملة ثم بالتفصیل مراد ہے کہ تمام مغیبات پر مجمل ایمان لائے پھر ایک تفصیل یہ آ گئی۔

آیت نمبر ۶

قوله عزوجل ایکم زادته هذه ایماناً(براءۃ:۱۲۴)

یہ سورۃ براءت کی آیت ہے جب کوئی نئی سورۃ نازل ہوتی تو منافقین بطور تمسخر سادہ لوح مسلمانوں سے پوچھتے اس نے کس کا ایمان بڑھایا اس میں رکھا کیا ہے جو ایمان بڑھتا ہے نعوذ باللہ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سورت نے ایمان والوں کا ایمان بڑھایا اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ نئی سورۃ میں نئے احکامات آتے ہیں جس سے مومن یہ میں تفصیل حاصل ہوتی ہے اور آمنو بالجملة ثم بالتفصیل مراد ہے۔

دوسرا نئے دلائل آنے کی وجہ سے ایمان میں شدت اور وثوق پیدا ہو جاتا ہے۔

تیسرا نئی سورۃ کے آنے سے وساوس ختم ہو جاتے ہیں ایمان چمک اٹھتا ہے اس کے مقابلے پر منافقین کی باطنی گندگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جس کو قرآن نے رجس سے تعبیر کیا ہے **واما الذین فی قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الی رجسهم.**(براءۃ:۱۲۴)

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم وخس

آیت نمبر ۷

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً(آل عمران:۱۷۳)

جواب

یہ سورۃ آل عمران کی آیت ہے اس میں غزوہ احد کی طرف اشارہ ہے جب ابو سفیان واپس ہوا تو اس کو خیال آیا میں نے غلطی کی آج مکمل مسلمانوں کا خاتمہ کر دینا چاہیے تھا تو اس نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن اس پر رعب طاری ہو گیا عبد القیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا ان سے کہا کہ جا کر مشہور کر دینا کہ مکہ والے بڑی تیاری کر کے آ رہے ہیں نعیم بن مسعود اس خبر کو پھیلانے والا تھا جب مسلمانوں کو خبر ملی تو انہوں نے بے ساختہ کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور خوب جوش و جذبہ پیدا ہوا اور ایسی حالت میں لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حمراء الاسد جو ساٹھ میل مدینہ سے ہے تک آئے تو زیادتی ایمان سے مراد جوش ایمانی اور اعتماد علی اللہ کی زیادتی مراد ہے جو ملحقات ایمان میں سے ہے۔

آیت نمبر ۸

وقوله وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَاناً وَتَسْلِيماً (الاحزاب:۲۲)

جواب

آخری آیت جو امام بخاری نے پیش کی یہ سورۃ احزاب کی آیت ہے غزوہ احزاب غزوہ خندق تمام غزوات میں مشکل ترین غزوہ ہے جس میں پورا کفر جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف آیا ہے۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا (الاحزاب:۱۰) کلیجے منہ کو آگئے اور بد گمانیاں دل میں آنے لگی اللہ کی ذات کے بارے میں ایسی حالت ہو گئی کہ ایک صحابی اکیلا پیشاب کے لیے نہیں جا سکتا تھا دوسرے کو ساتھ لے کر جاتا تھا حالانکہ خندق درمیان میں کھودی گئی تھی لیکن ہر طرف آدمیوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے اور صحابہ کی تھوڑی جماعت مدینہ میں تھی اور منافقین ہنستے تھے اور کچھ تو مدینہ چھوڑ کر نکل گئے تھے اب دیکھیں گے ان کا کیا حشر ہوتا ہے اب ایسی حالت تھی کہ ہر طرف سے ناکامی ہی نظر آرہی تھی اس کی خبر پیغمبر علیہ السلام نے پہلے دے دی تھی کہ جب تک تم پر ایسی حالت نہیں آئے گی کہ وزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِيداً (الاحزاب:۱۱) کہ تمہیں ایسے زور زور سے ہلا نہ دیا جائے اور تم پر وہ کیفیت نہ آئے جو پہلے پیغمبروں پر آئی کہ ویقول الرسول والذين معه متى نصر الله (البقرۃ:۲۱۴) کہ اللہ کی مدد کب آئے گی نبی بھی کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی کیونکہ کفر سر پر چڑھا ہے اللہ کی مدد کب آئے گی تو اس وقت تک تمہارا راستہ نہیں کھلے گا تو جب یہ حالت دیکھی تو صحابہ کرام کو یقین ہو گیا کہ اب راستہ کھلنے والا ہے عجیب بات ہے یعنی ایک طرف ڈر رہے تھے اتنا ڈر اور اندر سے یہ یقین تھا کو مازادهم الا ايمانا وتسليما (الاحزاب:۲۲) کہ یہ حالت ان کے ایمان کو بڑھا رہی تھی اور وہ سر تسلیم خم کر رہے تھے پیغمبر کو چھوڑ نہیں رہے تھے کہتے تھے حضرت جیسے فرمائیں ان کو اللہ کے وعدوں پر یقین ہونے لگا پیغمبر نے بتایا کہ یہ حالت آنے والی ہے تم پر اس کے بعد راستہ کھلے گا لہذا غزوہ احزاب کے بعد پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی فتح مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی بعد میں کوئی جنگ نہیں ہوئی ایسے ہی سب فتح ہو گیا چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی صحابہ ؓ کا غلبہ ہوتا تھا اس لیے صحابہ کرام ؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے بعد دنیا میں ہم نے اتنی جنگیں لڑیں لاکھوں کے لشکر ہوتے تھے خوف نام کی کوئی چیز کبھی دل میں نہیں آئی سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں ہی نمٹا دیا ومازادهم ايمانا وتسليما کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہو گیا کہ وہ پہلے والی بات تو پوری ہو گئی تو دوسری بھی پوری ہو گی کہ ہمارے لیے راستہ کھل جائے گا کہ الا ان نصر الله قريب (البقرۃ:۲۱۴) وہی ہوا بغیر جنگ کے سارے دوڑ گئے یہاں ایمانا وتسليما سے مراد اللہ کے وعدوں پر یقین اور بھروسہ مراد ہے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہو گیا اور بھروسہ بڑھ گیا کہ ایک

حالت آ گئی اب دوسری حالت بھی آئے گی چنانچہ دوسری بعد میں آ گئی اور بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آزاد ہو گئے پھر کبھی کسی کی پرواہ ہی نہیں کی اور صحابہ ؓ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے پھر اس کے بعد مکہ اور مدینہ پر کسی نے چڑھائی نہیں کی نہ قریش نے کی نہ رومیوں نے اور نہ ایرانیوں نے پھر صحابہ مکہ میں گئے پھر توک میں گئے اور اس کے بعد ایران میں گئے پانی پر گھوڑے دوڑا دیے ایرانی کہتے دیو آمدن دیو آمدن جن آ گئے جن آ گئے پانی پر دوڑ رہے ہیں چھوڑ کر چلے گئے یہ جب مدائن کو فتح کیا فتوح الشام پڑھ کر دیکھو تو یہ جتنی بھی آیات مبارکہ ہیں ان میں نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں بلکہ متعلقات ایمان ہیں ہر آیت کے سیاق وسباق سے پتا چل جاتا ہے کہ وہاں پر کس چیز کا بڑھنا مراد ہے۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو حب فی اللہ، بغض فی اللہ ایمان کا جزء ہے اور حب فی اللہ بغض فی اللہ میں تفاوت ہے کسی میں زیادہ اور کسی میں کم ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی زیادتی ہے یہ دلیل ہے اس طریقے پر کہ حب فی اللہ بغض فی اللہ من الایمان میں من تبعیضیہ ہے کہ حب فی اللہ بغض فی اللہ ایمان کا حصہ ہے

جواب میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ من الایمان میں من تبعیضیہ نہیں ہے یہ من انشائیہ ہے کہ حب فی اللہ بغض فی اللہ وہ چیزیں ہیں جو ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جتنا انسان کا ایمان مضبوط ہو گا تو اللہ کے لیے محبت کرنا اور بغض کرنا آسان ہو گا گر ایمان نہیں ہے تو اللہ کے لیے کچھ نہیں سب کچھ دنیا داری کے لیے ہے تو من ابتدائیہ اور انشائیہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث اس طرح نہیں ہے جس طرح امام بخاری ؒ لائے ہیں یہ روایت زاد الطالبین میں بھی ہے کہ من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان جس نے اللہ کے لیے محبت کی اللہ کے لیے بغض کیا اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا تو اس میں صاف واضح ہے کہ یہ ایمان کامل کا حصہ ہیں اس میں ہمارا بھی اختلاف نہیں ہے کہ ایمان کامل کا اعمال جزء بنتے ہیں ایمان کامل کے لیے اعمال ضروری ہیں ہماری بحث تو نفس ایمان پر ہے جبکہ روایت ایمان کامل کے بارے میں بتلا رہی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز ؒ کا ارشاد

کتب عمر بن عبد العزیز حضرت عمر بن عبد العزیز عمر ثانی ور امام عادل ہیں انہوں نے عدی ابن عدی کو لکھا جو کہ موصل کے گورنر تھے یہ موصل (بضم المیم) کے یا مَوصل (فتح المیم) صل لفظ یہ ہے لیکن مُوصل پڑھتے ہیں موصل عراق میں بڑی مشہور جگہ ہے یہ حضرت یونس علیہ السلام کی بستی نینوا کے ساتھ ہے بلکہ اب موصل کے اندر ہی ہے وہاں کے یہ گورنر ہیں عدی ابن عدی ان کو

لکھتے ہیں ان للایمان فرائض ایمان کے لیے کچھ چیزیں فرض ہیں وشرائع اور چند شریعتیں ہیں وحدودا اور چند حدود دیں ہیں وسننا اور چند سنتیں ہیں فمن استکملھا استکمل الایمان جس نے ان چار چیزوں کو پورا کر لیا اس نے ایمان کامل کر لیا ومن لم یستکملھالم یستکمل الایمان جس نے اس کو کامل نہیں کیا اس نے ایمان کو کامل نہیں کیا فان اعش اگر میں زندہ رہا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا فسأبینھالکم میں ضرور تمہیں بیان کروں گا حتی تعملوابھا یہاں تک کہ تم ان چیزوں پر عمل کرسکو وان امت اگر میں مر گیا فما اناعلی صحبتکم بحریص تو میں تمہارے ساتھ رہنے پر حریص نہیں ہوں مجھے زندہ رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے زندہ رہا تو یہ چیزیں واضح کر کے جاؤں گا کہ ایمان میں فرائض سنتیں اور شرعتیں اور حدود کیا ہیں اور اگر میں مر گیا تو میں بالکل حریص نہیں ہوں تمہارے ساتھ رہنے پر یعنی دنیا میں رہنے کے لیے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ عجیب وغریب مزاج کے آدمی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب نوازہ تھا کہتے ہیں جتنے بھی انسان گزرے ہیں اور پہلے انبیاء علیہ السلام کی امتیں گزریں ان کے بادشاہوں کا عدل ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور عمر بن عبد العزیز کا عدل ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو ان کا عدل بھاری ہو جائے گا بکری اور شیر ایک گھاٹ سے پانی پیتے تھے شیر کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ بکری پر حملہ کرے عمر بن عبد العزیزؒ جنہوں نے حدیث کی تدوین کی بنیاد رکھی ہے اس خط میں فقہ کی تدوین کی طرف اشارہ کیا ہے اور فقہ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو موقعہ نہیں دیا دو سال کے بعد زہر دے کر شہید کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے سب کی ٹھاٹ باٹھ ختم کر دی تھی سب کو درویش بنا دیا تھا مال چھینا ہوا لوگوں کو واپس کروایا سب جائیدادیں واپس کروائیں سب اپنے بھی ناراض تھے یہ ۹۹ھ میں خلیفہ بنے تھے اور ۱۰۱ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا تو فقہ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے لیکن ان سے نہ ہوا تو یہ سعادت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حصہ میں آئی اور آپ نے فقہ کی بنیاد رکھی اس لیے امام شافعیؒ کا مشہور مقولہ ہے الناس عیال ابی حنیفة فی الفقه لوگ بچے ہیں ابو حنیفہ کے فقہ میں۔

شرح

ان للایمان فرائض ایمان میں کچھ چیزیں فرض ہیں فرائض سے مراد فرض عبادات ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ فرض ہیں شرائع سے مراد عقائد ہیں شریعت یعنی عقیدہ جو سب انبیاء علیہم السلام کا ایک ہے حدود آگے حدود دیں حدود کے تین مصداق ہیں حدود کا (۱) ایک مصداق عبادت کا اول اور آخر ہے ہر عبادت کی حد ہے ابتداء یہاں سے ہوگی انتہاء یہاں پر ہوگی جیسے روزہ ہے شروع ہو رہا ہے خیط الابیض سے یہ ابتداء ہے اور اتموا الصیام الی اللیل یہ انتہاء ہے نمازوں کے اوقات ہیں اس وقت شروع ہوگی اس وقت ختم ہو جائے گی حج کا وقت ہے اس وقت شروع ہوگا اس وقت ختم ہو جائے گا یہ حدود دیں تو حدود سے مراد

عبادات کی حدود ہیں اول آخر ہے (۲) دوسری مراد ہے سزائیں حد سرقہ اور حد زنا یہ حدود مراد ہیں (۳) تیسرا مصداق ہے منہیات اور محرمات اللہ کی حرام کردہ چیزیں تلك حدود الله فلا تقربوها (البقرۃ:۱۸۷) یہ اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں ان کے قریب مت جانا ومن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العدون (المؤمنون:۷) حد سے بڑھ جاؤ گے اس سے آگے نہیں جانا بس یہیں رک جاؤ یہ حدود ہیں کیونکہ حد ایک چیز کو روک دیتی ہے تو حدود سے مراد منہیات اور محرمات ہیں تو تینوں قسم کی چیزیں مراد ہیں و سنناً اور سنتیں ہیں یعنی مندوبات و مستحبات ہیں جس نے ان کو مکمل کر لیا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔

جواب

یہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ ایمان کامل کے بارے میں ہے لہذا یہ ایمان کامل ہے جو گھٹتا بڑھتا بھی ہے یہ ایمان مُعلی ہے جو اول جنت میں لے جائے گا اور ایمان منجی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں تو حضرت عمر بن عبد العزیز ؒ نے ایمان کامل کی بات فرمائی ومن لم یستکملها لم یستکمل الایمان جس نے اس کو مکمل نہیں کیا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا تو یہ ایمان کامل کی بات فرما رہے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔

وقال ابراهیم علیه السلام ولٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (البقرۃ:۲۶۰)

امام بخاری ؒ نے اپنے دعوے پر یہ بھی دلیل پیش کی ہے کیونکہ اطمینان قلبی کے درجات ہیں تو معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی درجات ہیں اور امام بخاری ؒ کے ہاں اطمینان قلبی اور ایمان دونوں ایک چیز ہیں

اس آیت مبارکہ کو امام بخاری ؒ الگ کیوں لائے ہیں جبکہ جہاں پہلے قرآن پاک کی آیات لائے ہیں تو یہ آیت بھی وہاں لاتے۔

اس کا جواب ہے کہ یہاں امام بخاری ؒ کو یاد آیا تو لکھ دیا یا یہ کہ اس میں صریح زیادتی ایمان کا بیان نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیات میں صاف موجود ہے لِيَزْدَادُوا ايماناً، فزادتهم ايماناً وغیرہ اس میں لفظ اطمینان ہے اس لیے امام بخاری نے اس کو الگ ذکر کیا ہے۔

وَلٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي پر تفسیری بحث

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے پہلے فرمایا کہ واذ قال ابراهیم رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ (البقرۃ:۲۶۰) اے اللہ آپ کیسے مردوں کو زندہ کرتے ہیں تو کَیۡفَ سے سوال کیا ہے کیف کبھی کیفیت پوچھنے کے لیے آتا ہے یعنی کس کیفیت سے زندہ کرتے ہیں کبھی کَیۡفَ آتا ہے کسی چیز کے محال ہونے کے بارے میں جیسے میں دیکھوں گا تم کیسے یہ کام کرو گے یعنی تم نہیں

کر سکتے یہاں کَیْفَ سوال کے لیے ہے شک کے لیے نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا کہ زندہ نہیں کر سکتے بلکہ پورا یقین تھا لیکن اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ کہ خبر اور معائنہ میں فرق ہوتا ہے سن کر یقین کرتے ہیں لیکن جب دیکھتا ہے تو کیفیت اور ہو جاتی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ "اضلھم السَّامِرِی" کہ تمہاری قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ آپ علیہ السلام کو بہت غصہ آیا لیکن ہاتھ میں جو تختیاں تھیں تورات کی وہ نہیں ڈالیں لیکن جب آئے اور قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھا تو اتنا غصہ آیا کہ القیٰ الالواح تختیاں تورات کی زمین پر ڈال دیں وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ (الاعراف:۱۵۰) اور اپنے بھائی کے سر کو کھینچنے لگے تو دیکھو پہلے تختیاں نہیں ڈالیں جب دیکھا تو کیفیت بدل گئی کیونکہ لیس الخبر کالمعاینۃ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو سوال کیا یقین تو تھا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کر سکتے ہیں لیکن وہ کیفیت دیکھنا چاہتے تھے۔

سوال

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا اولم تومن کیا تم ایمان نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ خود سوال کر رہے ہیں کہ کیا تجھے شک ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ولکن لیطمئن قلبی تو اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شک ہے۔

جواب

اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا اپنے پیغمبر کی نزاہت کے لیے ہے اپنے پیغمبر کو تہمت سے بچانے کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی ضرور حفاظت فرماتے ہیں جب بھی کسی پیغمبر پر کوئی الزام لگا اللہ تعالیٰ نے ضرور براءت کی چنانچہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگی بچے نے گواہی دی موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا تو اللہ تعالیٰ نے الزام کو دور کرنے کے لیے برہنہ کر کے قوم کو دکھلایا تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس لیے سوال کیا تاکہ واضح ہو جائے یہ سوال شک کی وجہ سے نہیں بلکہ کیفیت دیکھ کر اطمینان قلبی کے لیے ہے اگر سوال نہ کرتے تو آئندہ کوئی الزام لگا سکتا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرت خداوندی میں شک تھا۔

بہر حال امام بخاری ؒ نے یہ دلیل قائم کی ہے زیادت و نقصان پر۔ جواب بہت آسان ہے کہ اطمینان قلبی اور رہے اور ایمان اور رہے ایمان تو تصدیق قلبی کا نام ہے اطمینان قلبی کا نام نہیں ہے اطمینان قلبی تو ایمان پر ایک زائد چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں اگر ایمان اور اطمینان قلبی ایک ہوتا تو کوئی صاحب ایمان پریشان نہ ہوتا سب مزے میں ہوتے۔

"قال معاذ رضی اللہ عنہ اجلس بنا نومن ساعۃ"

حضرت معاذؓ جو حرام اور حلال کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں وہ اپنے ساتھی اسود بن ہلال تابعی سے کہہ رہے ہیں اجلس بنا ہمارے ساتھ بیٹھو نومن ساعة ہم تھوڑی دیر کے لیے ایمان لے آئیں امام بخاری نے اس سے ثابت کیا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے تو جواب بہت آسان ہے کہ یہ تجدید ایمان کی بات کر رہے ہیں کیونکہ انسان کو دنیا کے مشاغل کی وجہ سے دل پر ایک میل سا چڑھ جاتا ہے لیکن جب بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ میل اتر جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ جددوا ایمانکم بلا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہ اپنے ایمانوں کو لا الہ الا اللہ کے ذریعے تازہ کرتے رہا کرو یا ایمان کو تازہ کرنا ہے نومن ساعة ای نجدد ساعة کہ ہم اپنے ایمان کو تازہ کرلیں ذکر آخرت سے ذکر موت سے ذکر اللہ سے۔

وقال ابن مسعود الیقین الایمان کله

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یقین پورے کا پورا ایمان ہے امام بخاریؒ کی دلیل لفظ کل سے ہے کہ پورا الیقین کل کا کل ایمان ہے تو لفظ کل وہاں آئے گا جہاں ذی اجزاء ہوں یعنی کسی چیز کے اجزاء ہوں جب ایک چیز کے اجزاء ہیں تو وہ گھٹتا بڑھتا بھی ہوگا الیقین الایمان کله یقین پورے کا پورا ایمان ہے۔

جواب آسان ہے کہ یقین ایمان کی کیفیات میں سے ہے اس کے تین درجات ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین جیسے یہ بات سنی کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بہت لذت ہے تو یہ علم الیقین ہے اور جب دیکھا کہ کوئی اللہ والا مزے لے رہا ہے اس کو دیکھ کر پتا چلا تو یہ عین الیقین ہوگیا اور جب خود کو قرب الٰہی ملا تو یہ حق الیقین ہے۔

مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی خوب مثال دیتے تھے کہ کسی نے کباب نہ کھایا ہو اسے کباب کی لذت کے بارے میں بتلایا جائے تو یہ علم یقین ہے وہ کسی کو کھاتا دیکھ لے اور وہ کھانے والا مزے لے کر کھا رہا ہو تو یہ عین الیقین ہے اور جب خود کھانے کو ملے اور کباب کی لذت سے آشنا ہو جائے تو حق الیقین اور پکار اٹھے گا۔

کباب کی لذت جیسے شباب کی لذت

وقال ابن عمر رضی اللہ عنه لایبلغ العبد حقیقة التقوی

کہ بندہ تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا حتی یدع ما حاك فی الصدر جب تک چھوڑ نہ دیں وہ چیزیں جو دل میں کھٹکتی ہیں انسان دل میں کھٹکنے والی چیزوں کو جب تک نہیں چھوڑے گا اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پائے گا صرف حلال حرام پر نہ رہے بلکہ جو چیز دل میں ایک کھٹک پیدا کرے اسے بھی چھوڑ دے تب تقویٰ کی حقیقت ملتی ہے امام بخاریؒ کے ہاں تقویٰ اور ایمان ایک چیز ہے تو اس سے استدلال کیا ہے کہ تقویٰ کی ایک حقیقت ہے اور ایک کم درجہ ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی بھی ایک حقیقت اور کمال ہے تو ایمان کے بھی درجات ہیں جب درجات ہوگئے تو یہ گھٹتا بڑھتا ہے۔

جواب آسان ہے کہ تقویٰ اور چیز ہے ایمان اور چیز ہے تقویٰ کی حقیقت اور ہے اور ایمان کی حقیقت اور ہے تقویٰ کہا جاتا ہے **کف النفس عن الھوی** نفس کو حرام خواہشات سے روکنا خواہشات نفسانی سے اپنے نفس کو کھینچنا تو اس کا نام تقویٰ ہے اور گناہ بمنزل زہر کے ہے اور یہ بہت مضر ہے۔

درجات تقویٰ

تقویٰ کے سات درجات بیان کیے گئے ہیں سب سے ادنیٰ درجہ کفر اور شرک سے بچنا ہے کیونکہ یہ ایسا زہر ہے جس سے حیات ایمانی ختم ہو جاتی ہے یہ پہلا درجہ ہے دوسرا درجہ بدعات سے بچنا تیسرا درجہ ہے کہ کبائر سے بچنا زنا چوری وغیرہ بد نظری بھی اس میں شامل ہے اور چوتھا درجہ صغائر سے بچنا صغیرہ گناہ نہ کرے اور پانچواں ایسے مباحات سے بچے جس کے کثرت استعمال سے گناہ میں پڑ جائے اور چھٹا درجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس درجہ کو بیان کر رہے ہیں آخری درجہ تقویٰ کا یہ ہے کہ ہر غیر اللہ سے بچے یہی صوفیاء کے ہاں مطلوب و مقصود ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو عطاء کر دیں۔ آمین

وقال مجاھد شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ہم نے ظاہر کیا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کی وصیت نوح علیہ السلام نے کی تھی **اوصیناك یامحمد وایاہ دینا واحداً** اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو اور نوح علیہ السلام کو ایک دین کی وصیت کی ہے امام بخاریؒ نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ ایک دین تھا ان دونوں حضرات کا لیکن پھر بھی دونوں کی شریعت میں کمی بیشی تھی تو معلوم ہوا کہ دین اور ایمان ایک چیز ہے تو ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ استدلال اس طرح نہیں بلکہ عبداللہ ابن عباسؓ کے قول کو شامل کر کے بنتا ہے **وقال ابن عباس شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً سبیلا وسنة**۔ شرعة معنی بڑا راستہ منهاجا معنی چھوٹا راستہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے بڑے راستے بنائے اور چھوٹے راستے بنائے تو ان دونوں قولوں کو ملاؤ تو اس سے امام بخاریؒ کی بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول دین ایک ہیں اور فروع دین میں اختلاف ہے ہر ایک کے راستے الگ الگ ہیں بہت سے احکام وہاں حرام تھے یہاں حلال ہیں وہاں حلال تھے یہاں حرام ہیں اونٹ کا گوشت استعمال نہیں کرتے تھے یہاں حلال ہے وہاں بہن کے ساتھ شادی جائز تھی یہاں حرام ہے آدم علیہ السلام کے زمانے میں صبح کو جو بچہ بچی پیدا ہوتے تھے ان کی شادی شام کے بچہ بچی سے ہوتی تھی امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اصول دین تو ایک ہیں لیکن فروعات میں اختلاف ہے اور ہے سارا دین تو معلوم ہوا جب

دین میں کمی بیشی ہے تو پھر ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوتی ہے۔

جواب بہت آسان ہے کہ ہمارے ہاں دین اور ایمان الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں دین تو پورے اسلام کا نام ہے جس پر آدمی چلتا ہے لیکن ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔

دعاؤکم ایمانکم یہ بھی عبد اللہ ابن عباس ؓ کا قول ہے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر کی ہے ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کرتا تو دعاؤکم کی تفسیر کر رہے ہیں ایمانکم امام بخاری ؒ کی دلیل ہے کہ دیکھو دعا کو ایمان قرار دیا ہے دعا میں کمی بیشی ہے تو ایمان میں بھی کمی بیشی ہے کوئی دعا زیادہ کرتا ہے اور کوئی کم کرتا ہے تو دعا کو ایمان قرار دیا ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ دعا پر ایمان کا اطلاق تو کیا ہے یہ مبالغۃً کیا ہے دعا کی قبولیت میں ایمان کا عمل دخل ہے جس قدر ایمان ہوتا ہے اس قدر انسان کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے دوسری تفصیل یہ ہے کہ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ (الفرقان:۷۷) ای ایمانکم اگر تمہارا ایمان نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کرتے تمہاری دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ تمہارے ایمان کو دیکھ کر فیصلہ فرماتے ہیں تو لہذا دعا سے مراد ایمان قرار دیا ہم تمہارے ایمان کو دیکھتے ہیں تو دعا کو ایمان قرار دیا ہے یہ دعا کی تفسیر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ دعا سے مراد پکارنا ہے کہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے جیسے واذا غشیھم موجٌ کالظلل دَعَوُا اللہ مخلصین لہ الدین (لقمان:۳۲) تو پھر اللہ تعالیٰ کو خالص پکارتے ہیں تو اللہ پاک پھر بھی ان کی سن لیتا ہے اگرچہ وہ کافر بھی ہیں۔

بہر حال تین تفسیریں ہیں اس کی یا تو دعاء کم کا مطلب دعا ہی ہے اور ایمانکم اس لیے فرمایا کہ دعا پر ایمان کا اطلاق کیا ہے یہ مجاز اور بعضوں نے کہا کہ دعا سے مراد ہے ہی ایمان کہ ایمان نہ ہو تو کیا کچھ نہ کرتے اور تیسرا یہ ہے کہ دعا سے مراد مطلق پکارنا ہے چاہے کافر ہی کیوں نہ پکارے۔

اعراب الحدیث

امام بخاری نے حدیث پیش کی ہے قال قال رسول اللہ ﷺ بنی الاسلام علی خمسٍ شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے یہ وہی روایت ہے جس پر ترجمۃ الباب بنایا ہے ان سب کو منصوب پڑھیں تو اعنی کا مفعول ہیں یعنی وہ پانچ چیزیں کون کون سی ہیں یہ ہیں اعنی شھادۃً۔ اقام الصلوٰۃ۔ ایتاء الزکوٰۃ۔ والحج۔ والصوم رمضان یا مرفوع پڑھیں علی خمس احدھا شھادۃُ ان لا الہ الا اللہ یہ اَحَدُھَا مبتداء ہے اور اگلا جملہ

اس کی خبر ہے ثانیہا اقام الصلوۃ ثالثہا ایتاء الزکوۃ یا علی خمس کا بدل بنا دو اور یہ خمس مبدل منہ ہے اور یہ بدل ہے بدل مبدل منہ کا اعراب ایک ہے تو تینوں پر کسرہ پڑھیں گے شہادۃ ان لاالہ الا اللہ واقامِ الصّلوٰۃ وَاِیْتَاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان تینوں طرح اعراب پڑھ سکتے ہیں۔

ترتیب

دوسری روایت میں صوم رمضان پہلے ہے اور حج بعد میں ہے ترتیب میں اور یہی بہتر ہے بخاری کی ترتیب سے اس لیے کہ رمضان کا حکم پہلے آیا ہے اور بعد میں حج کا حکم آیا ہے ۲ھ میں روزہ فرض ہوا اور ۶ھ میں حج فرض ہوا۔

امام بخاری ؒ کی اصطلاح میں جب اسلام مرکب ہے پانچ چیزوں سے اور اسلام ایمان ایک چیز ہے تو ایمان بھی مرکب ہے تو جواب بہت آسان ہے کہ اسلام مرکب ہے ایمان تو مرکب نہیں ہے ہمارے ہاں اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔

حدیث پر بحث

یہ پانچ چیزوں کا بیان ہے لیکن اسلام میں بے شمار چیزیں ہیں لیکن یہ پانچ بڑی چیزیں ہیں یہ پانچ شعائر اسلام ہیں مسند احمد کی روایت ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی کوتاہی کرے گا تو باقی بھی قبول نہیں ہوں گی نماز پڑھتا ہے لیکن زکوٰۃ نہیں دیتا تو نماز بھی قبول نہیں ہے اگر نماز پڑھتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے روزہ نہیں رکھتا تو نماز زکوٰۃ بھی مقبول نہیں اگر حج فرض ہو گیا حج نہیں کرتا تو نماز روزہ بھی قبول نہیں ہے۔

عن زیاد ابن نعیم الحضرمی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن اتی بثلاث لم یغنین عنہ شیئا حتی یأتی بھن جمیعا الصلوٰۃ والزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت (وھذا مرسل)

اس لیے کہ خیمہ تب ہی ہو گا جب ساری چیزیں ہوں گی اس لیے کہ ایک بڑا عمود ہوتا ہے اور چار اس کی کھونٹیاں ہوتی ہیں جس سے باندھا جاتا ہے عمود شہادتین ہیں باقی اطناب ہے اگر اطناب نہ ہو تو سردی گرمی سے کیسے بچے گا۔

اسی کے بارے میں حضرت حسن بصری ؒ نے فرزدق شاعر سے کہا تھا جو جنازے میں آیا تھا ما اعددت لھذہ الحالۃ اس حالت کے لیے تو نے کیا تیاری کی ہے اس نے کہا شہادۃ ان لاالہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں حضرت حسن بصری ؒ نے فرمایا ھذا العمود این الاطناب یہ تو بڑا استون ہے اس کی کھونٹیاں کہاں ہیں جس پر خیمہ باندھے گا تو اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

یہ بڑی بنیادی احادیث میں سے ہے کیونکہ عبادت کا تعلق یا تو زبان کے ساتھ ہوگا یا دل کے ساتھ ہوگا یا جسم کے ساتھ ہوگا یا مال کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ ہوگا زبان کے ساتھ اور دل کے ساتھ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ اور جسم کے ساتھ اقام الصلوٰۃ اور رمضان اور مال کے ساتھ زکوٰۃ ہے اور مال اور جسم دونوں کے ساتھ حج ہے اور پھر علماء نے لکھا ہے کہ عبادتیں دو طرح کی ہیں ایک غلامانہ جیسے نماز اور زکوٰۃ اس میں انسان بتاتا ہے کہ میں غلام ہوں جھک رہا ہے سجدہ کر رہا ہے مال دے رہا ہے جیسے غلام کما کر دیتا ہے اپنے آقا کو ایسے یہ مال اللہ تعالیٰ کو دے رہا ہے اور دو عبادتیں عاشقانہ ہیں حج اور رمضان کہ انسان محبت میں بھوکا پیاسا رہتا ہے خیال بھی نہیں ہوتا اور محبت میں محبوب کے گھر کے چکر لگاتا ہے اپنے کپڑوں کا بھی ہوش نہیں ہوتا یہاں تک تو بات محدثین نے لکھی تھی اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عبادت عاشقانہ اور ایک غلامانہ ایسی کر دی جس سے ہر ایک آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے نماز غلامانہ عبادت ہے سب ادا کر سکتے ہیں غریب بھی امیر بھی اور روزہ عاشقانہ عبادت ہے یہ بھی ہر بندہ ادا کر سکتا ہے کیونکہ باقی دو عبادتوں کا تعلق مال کے ساتھ ہے تاکہ کوئی ایسا نہ کہہ دے کہ ہم بوجہ غربت غلامانہ اور عاشقانہ عبادت نہ کر سکے۔

امام بخاری ؒ نے پورے دلائل ترجمۃ الباب میں پیش کیے ہیں دو چیزوں پر ایک اس پر کہ ایمان مرکب ہے اور دوسرا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ جیسا کہ پہلے بیان کیا تھا کہ امام بخاری ؒ کا اصل رخ مرجئہ، معتزلہ اور خوارج اور دیگر فرق باطلہ کی طرف ہے کہ ان کے نظریات پر رد فرماتے ہیں۔

باب امور الایمان

وقول اللہ عزوجل لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ الی قول المتقون۔ (البقرۃ:۱۷۷) **قد افلح المؤمنون الآیۃ** (المؤمنون:۱)

حدیث

حدثنا عبداللہ بن محمد الجعفی قال ثنا ابو عامر العقدی قال ثنا سلیمان بن بلال عن عبداللہ بن دینار عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وسبعون شعبۃ والحیآء شعبۃ من الایمان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اضافت کا بیان

امور الایمان میں اگر اضافت بیانیہ ہو تو عبارت یوں گی "بَابٌ فی بیان الامور الَّتِیْ هِیَ الایمان اور اگر اضافت بمعنی "لام" ہو تو عبارت یوں ہو گی بابٌ فی بیان الامور التی هی لازمةٌ للایمان اور اگر اضافت بمعنی فی ہو تو پھر یہ عبارت ہو گی بابٌ فی بیان الامور الَّتِیْ هی داخِلَةٌ فی الایمان اور اگر بمعنی مِن ہو تو عبارت یوں ہو گی بابٌ فی بیان الامور التی هی من اجزاء الایمان۔

امام بخاریؒ کا مقصد

(۱) گزشتہ باب کی حدیث بنی الاسلام علی خمس سے حصر معلوم ہوتا تھا اس کی نفی کی ہے کہ ایمان اور اسلام بہت سی چیزوں سے مرکب ہے یہ پانچ اشیاء تو بنیاد کے طور پر ہیں نہ کہ حصر کے طور پر۔

(۲) امام بخاریؒ نے پچھلے باب میں یہ بیان فرمایا تھا کہ ایمان مرکب ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے تو یہاں اجمالی طور پر ایمان کے شعبوں کو بیان فرما رہے ہیں اور اس بات پر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں اور ایمان ان سے مرکب ہے اور ان شعبوں پر عمل کرنے میں اہل ایمان مختلف ہیں تو ان کے ایمان میں بھی تفاوت اور درجات ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ اس باب میں ایمان کے شعبوں کی طرف اجمالی اشارہ فرما رہے ہیں اور آئندہ آنے والے باب میں ان کی تفصیل ہو گی اور یہی اہل بلاغت کا طریقہ ہے کہ پہلے ایک چیز کو اجمالاً بیان کرتے ہیں اور پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں جیسے باب الجہاد من الایمان، باب الصلوٰة من الایمان، باب الزکوٰة من الایمان وغیرہ۔

(۴) چوتھا مقصد فرقہ مرجئہ پر رد کرنا ہے جن کے نزدیک اعمال بے کار ہیں اور ان کا یہ مقولہ مشہور ہے "لایضر مع الایمان معصیة" یہ اور آئندہ ابواب سے اعمال کی اہمیت بیان کر کے ان پر رد کر رہے ہیں۔

(۵) حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد مقتضیات ایمان اور آثار کو بیان کرنا ہے کیونکہ اختلافی مباحث پہلے باب میں کر چکے ہیں۔

(۶) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ ان اعمال کو اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ مومن کو ان اعمال سے مزین ہونا چاہیے اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔

آیات کا انتخاب

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ:۱۷۷)

امام بخاری ؒ نے پہلے یہ آیت اس لیے منتخب کی ہے کہ یہ آیت خصال خیر اور تقویٰ میں جامع آیت ہے کہ سب ایمان کے شعبے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ اوصاف بر اور نیکی تین قسم پر ہیں۔ صحۃ الاعتقاد، حسن المعاملہ اور تہذیب النفس پہلے کی طرف من آمن سے والنبیین تک اشارہ ہے اور دوسرے کی طرف وآتی المال سے وفی الرقاب تک اشارہ ہے اور تیسرے کی طرف واقام الصلوٰۃ سے آخر تک اشارہ ہے تمام ایمان کے شعبے انہیں تین چیزوں کی طرف لوٹتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مصنف عبد الرزاق وغیرہ نے مجاہد کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری ؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

دوسری آیت

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ (المؤمنون:۱۔۹)

اس میں اہل ایمان کی تفصیلی صفات کا بیان ہے ان دونوں آیات کے قریب سورۃ انفال کی آیات نمبر ۳۔۲ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (الانفال:۲۔۳)

جواب: احناف جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں مقتضیات ایمان کا ذکر ہے اور پہلی آیت میں لفظ بر ہے جس کا معنی نیکی ہے اور بر اور ایمان میں فرق ہے دوسری آیات میں جو صفات مومنین ہیں وہ صفات مادحہ ہیں یعنی جن کی وجہ سے مومن قابل تعریف ہو جاتا ہے صفات کاشفہ نہیں جو کسی شی کی حقیقت کو بیان کرتی ہیں لہذا ان آیات سے نفس ایمان کے مرکب ہونے اور زیادتی و نقصان پر دلیل نہیں بنتی۔

حدیث پر بحث

الایمان بضع وستون شعبة

بضع کا اطلاق تین سے نو تک کے عدد پر ہوتا ہے بعض نے صرف سات مراد لیا ہے آپ ﷺ نے ایمان کو ایک درخت سے تشبیہ دی ہے جس کے اغصان او رشاخیں ہوتی ہیں جس طرح اسلام کو خیمہ سے تشبیہ دی تھی تو جب انسان ان شعبوں پر عمل کرتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

عدد میں اختلاف روایات

شعبوں کی تعداد میں امام بخاری ؒ اور مسلم کا اختلاف ہے امام بخاری ؒ نے **بضع وستون** یعنی ساٹھ سے کچھ اوپر نقل کیا ہے اور امام مسلم ایک روایت میں **بضع وستون** اور **بضع و سبعون** نقل کیا ہے شک کے ساتھ جبکہ دوسری روایت میں **بضع وسبعون** بلا شک ذکر کیا ہے۔

ترجیح

(۱) بعض علماء نے امام بخاری ؒ کی روایت کو ترجیح دی ہے کہ اس میں عدد کم ہے جو متیقن ہے۔

(۲) بعض علماء نے مسلم شریف کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے۔

(۳) قاضی عیاض ؒ نے فرمایا ہے کہ امام مسلم کی روایت کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اکثر روایات سبعون والی ہیں

تطبیق

بعض علماء نے دونوں روایات میں تطبیق دی ہے کہ دونوں روایات صحیح ہیں اس لیے ایمان کے بعض شعبے ایسے ہیں کہ انہیں الگ بھی شمار کیا جاسکتا ہے اور کسی شعبے میں درج بھی کیا جاسکتا ہے تو اگر افراز و افراد کا طریقہ اختیار کیا جائے تو تعداد بڑھ جائے گی اور اگر ادماج و ادراج کا طریقہ اختیار کیا جائے تو تعداد کم ہو جائے گی مثلاً توقیر کبیر اور شفقت علی الصغیر کو بعض نے الگ الگ شعبے قرار دیے ہیں اور بعض نے شعبہ تواضع کے تحت درج کیا ہے اسی طرح طعام الطعام اور اکرام الضیف کو الگ بھی شمار کیا جاسکتا ہے اور شعبہ جود و کرم میں بھی درج کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ امام حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ادماج و ادخال سے کام لیا ہے اور ۶۶ شعبے شمار فرمائے ہیں۔

اور علامہ بدر الدین عینی ؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں افراز و افراد سے کام لیا ہے اور ایمان کے ۷۷ شعبے شمار کیے ہیں۔

ملحوظہ

ان شعبوں میں حصر ہے یا کثرت مراد ہے قاضی عیاض ؒ اور علامہ طیبی نے فرمایا ہے کہ یہ کنایہ ہے کثرت سے لیکن اکثر کے ہاں حصر مراد ہے۔

وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيمَان

حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے حیاء کو الگ کیوں بیان کیا جبکہ بضع و ستون میں حیاء بھی شامل ہے اس کا الگ ذکر کرنے کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حیاء ایک ایسا شعبہ ہے جو انسان کو قبیح چیز سے بچنے اور اطاعت بجالانے میں موثر ہے کیونکہ حیاء دار آدمی کے لیے نیکی آسان اور گناہ سے بچنا مشکل نہیں ہوتا اس کی طبیعت پر گرانی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی طبعی حیاء ہی اسے نیکی پر ابھارتی اور گناہ سے روک دیتی ہے حیاء کا شعبہ نیکی کرنے میں اور گناہ سے بچنے میں بنیاد ہے اس لیے آپ ﷺ نے دوسری روایت میں فرمایا کہ "اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت" کہ کلام نبوت میں سے یہ ہے کہ جب تم میں حیاء فوت ہوجائے تو جو چاہے کرو ایک حیاء ہی ہے جو بندے کو گناہ سے روکتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں میں حیاء کا غلبہ زیادہ رکھا کیونکہ اگر ان کی حیاء میں قلت ہو جائے تو پھر یہ عورتیں مردوں سے بھی آگے نکل جاتی ہیں اور مردوں کو ایسی عورتوں سے عزت بچانا پڑتی ہے۔

حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا جس طرح مردوں کو گناہ کے وساوس آتے ہیں عورتوں میں بہت کم ہیں بلکہ بعض عورتوں کو زندگی بھر وسوسہ گناہ نہیں آتا حیاء کے غلبے کی وجہ سے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حیاء ایک خلقی اور جبلی چیز ہے جو پیدائشی طور پر ہر آدمی میں ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ کسی میں زیادہ اور کسی میں کم ہوتی ہے وہ غرائز جو ہمارے اندر اللہ تعالیٰ نے طبعاً رکھے ہیں ان غرائز میں سے ایک غریزہ ہے تو یہ ایک خلقی چیز ہے جیسے بولنا دیکھنا وغیرہ یہ خلقاً دیکھتا ہے خلقاً سنتا ہے اس کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اس طرح حیاء ایک خلقی اور جبلی چیز ہے اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ الحیاء شعبة من الایمان اللہ تعالیٰ نے جو فطری چیز عطا فرمائی ہے اس کی حفاظت کرو اس سے کام لو کیونکہ جو غرائز اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھے ہیں اگر اس سے کام نہ لے تو ختم ہو جاتے ہیں۔

اس کو الگ ذکر کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ مختصر ہے پوری روایت مسلم میں ہے جو آپ نے زاد الطالبین میں پڑھی ہے الایمان بضع وستون شعبة اعلاھا لا الہ الا اللہ وادنٰھا اماطة الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبة من

الایمان وہاں پیغمبر علیہ السلام نے تین قسم کے شعبوں کی نشاندہی کی ہے سب سے اعلیٰ شعبہ جیسے لا الہ الا اللہ اور ادنی شعبہ جیسے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا والحیاء شعبۃ من الایمان کہ حیاء ایمان کا متوسط شعبہ ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے تین قسمیں شعبوں کی بیان کر دیں کہ ایمان کے کچھ شعبے اعلیٰ ہیں اور کچھ شعبے ادنی ہیں اور کچھ متوسط ہیں ہر چیز میں تین ہی چیزیں ہوتی ہیں اعلیٰ ادنی اور متوسط حیاء ایمان کا متوسط شعبہ ہے اور یہ حدیث مختصر ہے اس لیے ہمیں اشکال ہو گیا اور وہ حدیث تفصیلی ہے جس میں تینوں قسمیں بیان ہو گئیں تو لہذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

حیاء کی تعریف

حیاء کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک شرعی معنی ہے لغوی معنی ہے جو امام راغب اصفہانی ؒ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں ذکر کیا ہے الحیاء انقباض النفس عن القبیح کہ نفس کا قبیح چیزوں سے اجتناب کرنا۔

حیاء کے شرعی معنی

هُوَ خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى اِجْتِنَابِ الْقَبِيحِ وَعَنِ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ

حیاء انسان کا ایک اخلاق ہے جو انسان کو قبیح چیز سے بچنے اور صاحب حق کے حق میں تقصیر کرنے سے روکتا ہے ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنی ایک روایت میں اس کا مصداق بیان فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا استحیوا من اللہ حق الحیاء اللہ تعالیٰ سے حیاء کرو جیسے حیاء کا حق ہے۔

قالوا انا لنستحی من اللہ حق الحیاء صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ ہم تو حیاء ویسا ہی کرتے ہیں جیسے حق ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا لیس بذالك یہ نہیں الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعی کہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر نے جن چیزوں کو گھیرا ہے ان کی حفاظت کرو والبطن وما وعی اور پیٹ اور پیٹ نے جن چیزوں کو گھیرا ہے اس میں شرمگاہ کھانا وغیرہ ہر چیز آجاتی ہے اور پیٹ میں دل بھی آجاتا ہے اور سر میں آنکھ، کان، زبان اور سوچیں سب آگئے وتذکر الموت والبلیٰ آپ ﷺ نے فرمایا موت اور قبر میں گلنے سڑنے کو یاد رکھنا ہے وَمَنْ اراد الآخرۃ ترك زینۃ الدنیا جو آخرت چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے وَاثر الاٰخرۃ علی الاولیٰ اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے فمن فعل ذلك فقد استحیٰ من اللہ حق الحیاء جس نے یہ کام کیے اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسی حیاء کی جیسا حیاء کرنے کا حق ہے۔

حضرت جنید بغدادی ؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت حیاء کیا ہے؟ آپ ؒ نے فرمایا اِنَّ مَولاكَ لایراكَ حَیثُ نهاكَ کہ

تیرا مولا تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں سے منع کیا ہے۔

حیاء کی قسمیں

حیاء کی تین قسمیں ہیں (۱) حیاء عقلی (۲) حیاء شرعی (۳) حیاء عرفی

حیاء عقلی یہ ہے **انقباض النفس عن القبیح العقلی** نفس عقلی طور پر قبیح چیزوں سے بچے عقلی قبیح وہ چیزیں ہیں جن پر تمام کا تفاق ہو مسلمانوں کا بھی اور کافروں کا بھی تمام عقل سلیم رکھنے والے کہیں کہ یہ بے حیائی کی چیز ہے جیسے کسی کے گھر میں ایسے ہی گھس جانا اس بات کو کافر بھی پسند نہیں کرتا کسی عورت کو چھیڑنا یہ بھی کوئی پسند نہیں کرتا۔

حیاء شرعی یہ ہے **انقباض النفس عن القبیح الشرعی** کہ شریعت نے جن چیزوں کو قبیح قرار دیا ہے ان سے بچے جیسے مرد، عورتوں کا اختلاط چاہے لوگوں کی عقل میں آئے یا نہ آئے لیکن یہاں پر شریعت منع کرے گی بہت سی چیزوں سے شریعت منع کرتی ہے جو آج کے عقلاء کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

حیاء عرفی یہ ہے کہ **انقباض النفس عن القبیح العرفی** کہ نفس ان چیزوں سے بچے جو عرف میں قبیح ہیں خواہ شریعت منع نہ کرے مثلاً ایک آدمی عالم دین ہو کر ننگے سر بازار میں پھرتا ہے اور ہوٹلوں پر بیٹھ کر چائے وغیرہ پیتا ہے اب شریعت اس کو جائز قرار دے لیکن عرفا اس کو منع کرتا ہے۔

یاد رکھیں کہ حیاء عقلی اور حیاء شرعی میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ جو چیزیں شرعاً قبیح ہیں وہ عقلاً بھی ہیں جیسے کافر بھی کہتا ہے کہ میری بیوی، بہن ماں کو کوئی نہ دیکھے اور چھیڑ چھاڑ نہ کرے تو شریعت نے پابندی لگا دی **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** (النور: ۳۰) لیکن حیاء شرعی اور حیاء عرفی میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ عرف میں ایک چیز قبیح ہو لیکن شریعت میں نہ ہو جیسے ہدیہ دینے کے موقعہ پر ہدیہ نہ دینا۔

اس طرح بہت سی چیزیں ہیں جو رواج پا جاتی ہیں عرف میں ان کو برا سمجھا جاتا ہے لیکن شریعت میں اس کو برا نہیں کہتے تو اس میں شریعت کی اتباع کی جائے گی لیکن جہاں شریعت نے کچھ نہیں کہا شریعت خاموش ہے تو وہاں عرف کی اتباع کر سکتے ہیں۔

جیسے عالم دین کا بازاروں میں جاہلوں کی طرح گھومنا پھرنا اور جاہلوں کی ہیئت اختیار کرنا شریعت اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتی تو اس میں عرف کی اتباع کرنی چاہیے۔

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

باب مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

حدیث

حدثنا آدم بن ابی ایاس قال حدثنا شعبة عن عبدالله بن ابی السفر و اسماعیل عن الشعبی عن عبدالله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر ما نهی الله عنه۔

قال ابو عبدالله وقال ابو معاویة حدثنا داؤد بن ابی هند عن عامر قال سمعت عبدالله بن عمرو یحدث عن النبی صلی الله علیه وسلم وقال عبد الاعلیٰ عن داؤد عن عامر عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے ان کاموں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ابوعبداللہ نے کہا اور ابو معاویہ نے کہا کہ داؤد نے عامر شعبی سے حدیث بیان کی اور عامر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سنا اور عبدالاعلیٰ نے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بسند داؤد عن عامر عن عبداللہ بیان کیا۔

حدیث پر بحث

یہاں سے امام بخاری ؒ نے امور الایمان کی تفصیل شروع کر دی ہے یہ تفصیل اس اجمال کی ہے جس کو پیغمبر علیہ السلام نے بضع وستون شعبة کہہ کر بیان فرمایا تھا یہ سب سے پہلا باب باندھا ہے یہ تروک میں سے ہے تروک کا مطلب ہے وہ کام جو نہیں کرنے چاہیے اس کے بعد وہ ہیں جو کام کرنے والے ہیں۔

امام بخاری ؒ نے تروک سے ابتداء کی ہے اس اصول کے تحت کہ تخلیہ مقدم ہے تحلیہ سے تخلیہ کہتے ہیں کہ انسان برائیوں اور رذائل سے پاک ہو جائے اس کے بعد تحلیہ ہے یہ حلّی سے ہے زیور سے مزین ہونا مراد اچھے اخلاق سے مزین اور متصف ہونا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ انسان پہلے صابن سے نہاتا ہے پھر خوشبو لگاتا ہے اس لیے کسی نے میرے شیخؒ سے پوچھا کہ حضرت استغفار پہلے کریں یا درود شریف پہلے پڑھیں تو حضرت نے یہی فرمایا کہ صابن سے پہلے نہایا جاتا ہے پھر عطر لگایا جاتا ہے تو استغفار صابن ہے اور درود شریف عطر ہے اس لیے پہلے استغفار کرو اس سے روح پاک ہو جائے گی پھر درود شریف پڑھو۔

امام بخاری ؒ نے بھی اسی اصول کے تحت تخلیہ کو تحلیہ سے مقدم کیا حکماء کے ہاں بھی یہی ہے کہ پہلے جلاب دے کر اندر کی گندگی کو نکالتے ہیں پھر طاقتور دوائیاں دیتے ہیں تاکہ اس کی کمزوری دور ہو جائے جو اسے لاحق ہوئی ہے ایسے ہی قرآن مجید اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم سے شروع کرتے ہیں یہ تخلیہ ہے پھر بسم اللہ پڑھتے ہیں یہ تحلیہ ہے یعنی پہلے پناہ مانگی جاتی ہے شیطان سے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کی جاتی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یہ روایت ان روایات میں سے ہے جسے امام اعظم ابو حنیفہ ؒ نے دین کی بنیاد قرار دیا ہے اس ترجمۃ الباب کا جو مقصد اور جتنے بھی تراجم الابواب آرہے ہیں اکثر میں وہی چار مقاصد ہیں۔

۱۔ مرجئہ پر رد کرنا مقصود ہے جو اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں۔

۲۔ ایمان کا مرکب ہونا اور کمی زیادتی ثابت کرنا مقصود ہے۔

۳۔ ان تقاضوں پر مومن کو عمل کرنا چاہیے بتانا مقصود ہے۔

۴۔ بُنی الاسلام علی خمسٍ سے جو وہم ہوتا تھا کہ اسلام پانچ چیزوں میں بند ہے اس حصر کے وہم کو دور کرنا مقصود ہے

اس باب میں امام بخاری ؒ عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی روایت لائے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں یہاں **المسلم** پر الف لام یا تو کمال کے لیے ہے یا مدح کے لیے کہ قابل تعریف مسلمان وہ ہے یا کامل مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں یعنی یہ شعبہ ہے **الاجتناب عن الاذی والضرر** کا، کہ اذی اور ضرر سے اجتناب کرے۔

سوال یہ ہے کہ زبان کو مقدم کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ زبان ایذاء رسانی کا کام زیادہ کرتی ہے ہمارے استاذ فرماتے تھے کہ لوگ کسی کو گالیاں سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے اسے کوئی مارا ہے ؟ میں نے اس کی کوئی چوری کی ہے ؟ بس میں نے تو بات ہی کی ہے یعنی اس کو معمولی سمجھتے ہیں حالانکہ شرح جامی میں ہے۔

جراحات السنان لها التيام ولايلتام ماجرح اللسان

ترجمہ: تلوار کا زخم مندمل ہو جاتا ہے جبکہ زبان کا زخم کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ یعنی زبان سے نکلی ہوئی بات کا اثر ختم نہیں ہوتا جبکہ زخم کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں اور قرآن پاک نے خود پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا **ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون** (الحجر:۹۷) آپ ﷺ کا سینہ ان کی باتوں کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے یعنی منافقین، مشرکین اور یہودیوں کی باتوں کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا صبر کرو اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرو یہ اس کا علاج ہے۔

لسان اور زبان سے استہزاء کرنا بھی مراد ہے کہ کوئی زبان نکال کر چڑانا شروع کر دے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

"ویدہ" اس میں خط و کتابت بھی داخل ہے یعنی کسی کو گالیاں لکھ کر بھیج دیں اور ہاتھ سے تکلیف پہنچانا بھی داخل ہے۔

دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ عام طور پر تکلیف زبان اور ہاتھ سے ہی پہنچائی جاتی ہے بلکہ اگر پاؤں سے بھی کرے تو ہاتھ سے ہی کہتے ہیں یعنی اس کے ہاتھ سے کام ہوا ہے۔

وَالمهاجر من هجر ما نهى الله عنه

المهاجر میں الف لام یا تو کمال کے لیے ہے یا مدح کے لیے کامل ہجرت کرنے والا وہ ہے یا قابل تعریف ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے اب ہجرت کی دو قسمیں ہیں (۱) ہجرت ظاہری (۲) ہجرت باطنی

ہجرت ظاہری کہتے ہیں کہ دار الکفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنا اور ہجرت باطنی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزیں چھوڑنا جب تک ہجرت باطنی نہیں ہوگی کمال نہیں ہوگا ہجرت کر کے آجائے پر گناہ نہ چھوڑے تو اس کی ہجرت کا کوئی فائدہ نہیں **جَسَدٌ لَا رُوْحَ فِيهِ** ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے۔

مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

اصل ہجرت نہیں صرف ترک وطن ہے ضروری گناہوں کو بھی چھوڑدے

ایک روایت میں آتا ہے **وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَه** اور کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے کافروں کے ساتھ جہاد آسان ہے لیکن نفس کے ساتھ جہاد مشکل ہے اس لیے کہ اس کے دل میں بڑائی، تکبر، غرور اور دکھلاوا، مال غنیمت کا لالچ، مال دبانا یہ ساری چیزیں اس میں پائی جائیں تو کیا یہ مجاہد ہے لہذا کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے پھر اس کے بعد جہاد میں بھی رنگ پیدا ہوگا۔

یہاں پیغمبر علیہ السلام نے نام کے ذریعے غیرت دلائی ہے جیسے کسی کا نام حبیب اللہ ہو اور وہ عدو اللہ والا کام کرے اس کو نام سے عار دلائی جاتی ہے یہاں پر بھی آپ ﷺ نے نام سے عار دلائی ہے کہ مسلمان کا مطلب ہی یہی ہے سلامتی والا۔ ایذاء دینے والے میں سلامتی کہاں ہے؟ مہاجر کا مطلب ہے چھوڑنے والا تو گناہ چھوڑ نہیں رہا تو کیسے مہاجر ہوا؟ مجاہد کا معنی محنت و مشقت کرنے والا تم اپنے گھر کے دشمن سے جہاد نہیں کرتے تم کہاں کے مجاہد بن گئے تو نام کے اشتقاق سے پیغمبر علیہ السلام نے عار دلائی ہے اور عمل خیر پر ابھارا ہے۔

سند کی بحث

قال ابو عبد الله کہہ کر سند کے بارے میں بتار ہے ہیں وقال ابو معاویہ حدثنا داؤد ابن ابی ہند عن عامر امام بخاریؒ بتار ہے ہیں کہ متن والی سند میں عبد الله بن ابی السفر و اسمعیل عن الشعبی ہے اور یہاں پر عامر ہے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شعبی ان کا لقب ہے اور عامر ان کا نام ہے دونوں ایک ہی ہیں۔

متن کی سند میں ہے عن الشعبی عن عبد الله بن عمرو اور یہاں پر عامر قال سمعت عبد الله بن عمرو ہے۔

دوسری بات یہ کہ متن کی سند میں عبد اللہ بن عمرو عن کے ساتھ ہے اور عن کے لفظ میں احتمال ہوتا ہے کہ شاید نہ سنا ہو تو نیچے قال سمعت عبد الله بن عمرو۔ یحدث سماع کی تصریح کر دی کہ سند متصل ہے اور سمعت کا لفظ موجود ہے سمعت لا کر بتادیا کہ یہ سند متصل ہے۔

وقال عبد الاعلیٰ عن داؤد عن عامر عن عبد الله عن النبی ﷺ یہ سند اس لیے لائے ہیں کہ طبقہ صحابہ میں جب لفظ عبد اللہ آتا ہے تو عبد اللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں لیکن اس سند میں عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن عمرو ہیں یا ایک سند ایسی ہے کہ جس میں عبد اللہ ہے اور آگے والد کا نام نہیں ہے لیکن اس میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص مراد ہیں اس لیے یہ عبارت لائے ہیں۔

بَابٌ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ

باب کون سا اسلام افضل ہے

حدیث

حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی القرشی قال ثنا ابی قال ثنا ابو بردة بن عبد الله بن ابی بردة عن ابی بردة عن ابی موسیٰ قال قالوا یا رسول الله ایُّ الاسلام افضل قال من سلم المسلمون من لسانه ویده۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول کرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

حدیث پر بحث

کون سا اسلام افضل ہے اس کو بیان فرما رہے ہیں اجتناب عن الایذاء یا اسلام کا اول درجہ ہے کہ تم سے کسی کو تکلیف نہ

پہنچا گر تم کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا ضرور کرو کسی کو تکلیف نہ دو یہ بہت بڑی بات ہے ای الاسلام افضل اس پر اگلے باب میں بحث آرہی ہے۔

حدثنا سعید ابن یحییٰ بن سعید الاموی القرشی قال حدثنا ابی قال حدثنا ابو بردہ بن عبد اللہ بن ابی بردہ عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

عجیب اتفاق کہ استاد محترم مفتی ولی حسن ٹونکی ؒ نے فرمایا کہ ابو بردہ یہ پڑپوتا ہے اس کی کنیت بھی ابو بردہ ہے اس کے باپ کی کنیت بھی ابو بردہ ہے دادے کی کنیت بھی ابو بردہ ہے اور پردادا کی کنیت بھی ابو بردہ ہے اور ان کا جو سکڑ دادا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں یہ صحابی رسول ہیں یہ امام بخاری ؒ کے دادا استاذ ہیں ابو بردہ بہت بڑے محدث ہیں یہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سکڑ پوتے ہیں سب کی ایک ہی کنیت ہے۔

حضرت ابو بردہ بن عبد اللہ یہ عبد اللہ ہیں ان کی کنیت بھی ابو بردہ ہے لیکن یہاں اس سند میں نہیں لائے آگے لائے ہیں ابو بردہ بن ابی بردہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری ؓ یہ سلسلہ نسب ہے یہ ایک ہی خاندان کے لوگ ہیں یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کی اولاد ہیں تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون سا اسلام افضل ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا من سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ من لسانہ ویدہ اس آدمی کا اسلام افضل ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

بَابٌ اِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الْاِسْلَامِ

باب کھانا کھلانا اسلام میں داخل ہے

حدیث

حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا اللیث عن یزید عن ابی الخیر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایّ الاسلام خیر فقال تطعم الطعام وتقرء السلام علیٰ من عرفت ومن لم تعرف۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کون سا اسلام خیر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ اور سب کو سلام کرو عام اس سے کہ تم سے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

حدیث پر بحث

اب امام بخاری ؒ تروک کے بعد مثبت ترجمہ لائے ہیں تروک کے بعد افعال خیر کو شروع کیا ہے کہ اب یہ کام ایصال الخیر

الی الغیر کرنا چاہیے کہ اپنے غیر کو خیر پہنچاؤ یہ ترک کے بعد افعال کا درجہ ہے امام بخاری ؒ نے بہت عجیب طرز اختیار کیا ہے پہلے تو فرمایا کہ ایذاء نہ پہنچاؤ جب آدمی ایذاء پہنچانے سے بچ گیا تو فرمایا اب خیر پہنچاؤ پھر اس سے آگے فرما رہے ہیں کہ دوسرے کے لیے وہ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اور رسول ﷺ پر ایسے جان چھڑکو کہ تم اسے اپنی جان سے بھی عزیز سمجھو امام بخاری ؒ ایک سیڑھی، دوسری سیڑھی سے اگلی سیڑھی کے ذریعے آپ کو اوپر چڑھا رہے ہیں پہلے اجتناب عن ایذاء الغیر تھا اب ایصال الخیر الی الغیر ہے۔

سوال یک جواب مختلف کیوں

یہاں پر ایک بحث ہے کہ دونوں حدیثوں میں سوال ایک ہی ہے لیکن آپ ﷺ نے دونوں کے سوالات کے جوابات الگ الگ کیوں دیئے ہیں؟

اس کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ زمانے کے اختلاف کے اعتبار سے ہے ایک وقت میں یہ جواب دیا اور جبکہ دوسرے وقت سوال ہوا تو دوسرا جواب دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سائلین کی حالت کی وجہ سے الگ الگ جواب دیے کہ سائل اول اور مجلس کو جس چیز کی ضرورت تھی اور جس چیز پر تنبیہ کرنا مقصود تھا آپ ﷺ نے وہ بات ارشاد فرمائی مثلاً سائل نے سوال کیا ایّ الاسلام افضل تو سائل میں ایذاء رسانی کا عنصر پایا جاتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہٖ جب دوسرے سائل نے سوال کیا تو اس میں بخل کا عنصر پایا جاتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف۔

تیسری وجہ یہ ہے جو کہ علامہ ابن کثیرؒ نے ذکر کی ہے کہ فضیلت اور خیر والی چیزیں ایک کلی مشکک کی حیثیت رکھتی ہیں اس کلی کی بہت سی جزئیات ہیں جیسے انسان کلی ہے اور اس کی جزئیات بے شمار ہیں تو اعمال خیر اور اعمال فضیلت یہ کلی ہے اس کلی کے تحت بہت سی جزئیات ہیں پیغمبر علیہ السلام نے ایک جزئی کا ایک جگہ پر ذکر کر دیا اور دوسری جزئی کو دوسری جگہ پر ذکر کر دیا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن:٢٩) کہ ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی نئی شان ہوتی ہے تو پیغمبر علیہ السلام کی جو شانیں تھیں یہ اللہ تعالیٰ کی شئون کے تابع تھیں جو شان رحمان کی ہوتی تھی وہی رحمۃ العالمین کی شان ہوتی تھی لہذا جس شان کا غلبہ آپ ﷺ پر ہوتا تھا اس وقت آپ ﷺ وہی بیان فرما دیتے تھے اس لیے ایک ہی سوال کے مختلف جواب ارشاد فرمائے۔

پانچویں وجہ جو حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نفس سوال ہی مختلف ہے تو جب سوال مختلف ہے تو جواب بھی مختلف ہو گا پہلا سوال ہے ای الاسلام افضل دوسرے سوال میں ہے ای الاسلام خیرٌ خیر اور افضل کے لفظ میں لغوی فرق ہے فضلیت ہوتی ہے اوصاف لازمہ میں جیسے کسی کے پاس علم ہے تو کہیں گے کہ بڑا عالم ہے اور خیر ہوتی ہے اوصاف متعدیہ میں جو دوسروں تک پہنچائی جاتی ہے لہذا اَیُّ الاسلام افضلُ بتائیے کہ کون سا اسلام افضل ہے کہ جس سے اپنی ذات کامل ہو جائے تو آپ نے فرمایا من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ۔

جب سائل نے کہا ای الاسلام خیرٌ کہ کون سا اسلام بہتر ہے جس کا نفع دوسروں کو پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف

جب نفس سوال الگ الگ ہے ایک میں وصف لازم کا سوال ہے اور دوسرے میں وصف متعدی کا سوال ہے تو جواب بھی مختلف ہو گا۔

چھٹی اور آخری وجہ یہ ہے کہ افضل ثواب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور خیر نفع کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا اَیُّ الاسلام افضل کس اسلام میں ثواب زیادہ ہے ای الاسلام خیرٌ کہ کس اسلام میں زیادہ نفع ہے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا تطعم الطعام الخ ۔

اطعام الطعام

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا کھلانے کا عمل بہت اونچا ہے اور یہی بات حضرت سید عبد القادر جیلانی ؒ نے اپنے ملفوظات میں لکھی ہے کہ میں نے قرب الہی میں اس عمل سے بڑھ کر کوئی نفلی عمل نہیں پایا اسی وجہ سے بزرگوں کے ہاں لنگر ہوتا ہے اور خانقاہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور بہت سے ایسے بزرگ جنہوں نے خانقاہیں بنائیں اور لنگر کا اہتمام نہیں کیا تو بڑوں نے خواب میں آکر تنبیہ فرمائی کہ لنگر وغیرہ کیوں نہیں چلاتے آج کل بھی لنگر چل رہے ہیں اس کی عجیب برکات ہیں۔

تطعم الطعام میں تخصیص نہیں ہے کہ وہ غریب ہو یا مسلمان ہو یا مہمان ہو بلکہ عام ہے چاہے کافر ہو یا مسلمان یہاں تک کہ جانور بھی ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے لیکن مسلمان کو کھلانا سب سے افضل ہے اس کے بعد انسان کو چاہے کافر ہو اس کے بعد حیوان کو کھلانا سب داخل ہیں لہذا اگر کسی جانور کو کھلاتا ہے تو وہ بھی اس میں داخل ہے اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے عام فرمایا ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے ان تشبع کبداً جائعاً کہ بھوکے جگر کو کھلانا باعث فضیلت ہے

وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف سلام کہو اس پر جس کو تم جانتے ہو یا نہیں جانتے ہو یہ مسلمانوں کے

ساتھ مخصوص ہے سلام صرف مسلمان کو کیا جاتا ہے حدیث میں آتا ہے لا تبدأ النصارٰی و الیہود بالسلام فرمایا ہود و نصاریٰ کو سلام ابتداً نہ کہو انگریز کے ہاں جاؤ گے تو وہ ہیلو کہتے ہیں تم بھی ان کو ہیلو کہو لیکن سلام نہ کہو یہاں ایک خاص لفظ ہے جس سے کافر کو سلام کیا جاتا ہے السلام علی من اتبع الھدٰی جیسا کہ آپ نے پیچھے پیغمبر علیہ السلام کا خط پڑھا تھا جو ہرقل کے نام لکھا تھا۔

سلام کہو یا ابتداءً سلام کہنا مراد ہے کیونکہ البادی بالسلام برئ من الکبر کیونکہ سلام نہ کرنا تکبر کی علامت ہے و تقرء السلام کہا تسلم نہیں کہا تاکہ مکتوب میں لکھنا بھی شامل ہو جائے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی ؒ ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے تھے ان سے سلام میں پہل کرنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی تھی اگر ان کو شک بھی ہو جاتا کہ کوئی آ رہا ہے اگرچہ آنے والا بچہ بھی ہو تو سلام میں پہل فرماتے ان کی یہ عجیب عادت تھی کہ اتنے سلام کرتے ہوئے ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا ہم نے بھی سلام کرنے کی عادت ان سے سیکھی یہ عمل بعد میں کام آتا ہے لہذا سلام کرنا چاہیے اس میں کنجوسی نہیں کرنی چاہیے۔

باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

باب یہ ایمان میں داخل ہے کہ اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جسے اپنے لیے پسند کرتا ہے

حدیث

حدثنا مسدد قال حدثنا یحیٰی عن شعبۃ عن قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن حسین المعلم قال حدثنا قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

ترجمہ: مسدد نے حدیث بیان کی فرمایا کہ یحییٰ نے شعبہ سے حدیث بیان کی اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بروایت قتادہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرمایا اور حسین معلم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت قتادہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکے گا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

حدیث پر بحث

یہ امام بخاری ؒ نے باب امور الایمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک اور باب باندھا ہے پہلے بیان ہو چکا کہ امام بخاری ؒ نے پہلے اس باب کو باندھا تھا جو ترو ک سے تھا کہ کم از کم اسلام یہ ہے کہ آپ کسی کو ایذا نہ پہنچائیں یہ اسلام کا اول درجہ ہے اس کے بعد امام بخاری ؒ اس باب کو لائے کہ دوسروں کو نفع پہنچاؤ کھانا کھلاؤ سلام کرو سلام کرنا بھی نفع ہے اب امام بخاری ؒ نے

تیسرا باب باندھا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو اپنے برابر سمجھو یہ اور ترقی ہے نفع ہی نہ پہنچاؤ بلکہ معاملات میں بھی اپنے برابر سمجھو اس کے لیے بھی وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو یہ اسلام کا درس مساوات ہے ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو یہ مزید ترقی ہے کہ آدمی ہر مسلمان کو اپنے برابر سمجھ کر سلوک کرے خواہ اس آدمی کا کوئی بھی مقام اور مرتبہ ہو لیکن دوسرے مسلمان کو اپنے برابر سمجھ کر اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں اس کو من الایمان کہا کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے پہلے بتایا کہ جتنے ابواب آرہے ہیں ان میں امام بخاری ؒ نے چند مقاصد ملحوظ رکھے ہیں۔

۱۔ مرجئہ پر رد کرنا جو اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کے لیے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایمان کا مرکب ہونا اور گھٹنا بڑھنا ثابت کرنا۔

۳۔ بنی الاسلام علی خمس کہ اسلام پانچ چیزوں میں بند ہے اس حصر سے وہم ہوتا ہے کہ اسلام انہی پانچ چیزوں میں بند ہے اس وہم کو دور کرنا کہ اسلام میں ایسا نہیں ہے بلکہ اور بہت سی چیزیں اسلام اور ایمان کے لیے ضروری ہیں۔

۴۔ امام بخاری ؒ ہمیں دعوت دے رہے ہیں کہ یہ مقتضیات ایمان ہیں ہمیں چاہیے کہ ان تقاضوں پر عمل کریں تو ہر باب میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے۔

ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اب اس پر چند اشکالات ہیں

اشکال نمبر ۱

(۱) اس کے اندر ''ما'' کا لفظ عام ہے اگر ایک آدمی گناہ کی زندگی پسند کرتا ہے تو کیا وہ یہ پسند کرے کہ دوسرے بھی گناہ میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ لفظ ''ما'' عام ہے جس کا مطلب ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے جب ''ما'' عام ہے تو اس میں معصیت والے افعال بھی داخل ہو گئے تو کیا معصیت والے افعال بھی مراد ہیں۔

جواب: مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ من الخیر تو یہاں پر من الخیر کا جو لفظ ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خیر کے کاموں میں سے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اشکال ختم ہو گیا۔

اشکال نمبر ۲

اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت مجھے دی ہے وہ میرے بھائی کو مل جائے مجھ سے چھن جائے تو ایسا کوئی بھی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو گاڑی دی ہے میری گاڑی مجھ سے چلی جائے اور میرے بھائی کو مل جائے اللہ تعالیٰ نے یہ جو مجھے

مقام دیا ہے جو یہاں بیٹھ کر بخاری پڑھ رہا ہوں مجھ سے چھن جائے اور کسی اور کو مل جائے ایسا تو کوئی بھی نہیں چاہتا خواہ وہ کتنا ہی ایمان والا ہو اگر مراد یہ ہو کہ میرے جیسی چیز بھی اس کے پاس ہو کہ دونوں برابر ہو جائیں یہ عقلاً محال ہے تو پھر یہاں کیا مراد ہے۔

جواب نمبر ا

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ سے مراد ہے سلوک اور معاملہ کہ اپنے ساتھ جو معاملہ پسند کرتا ہے اپنے بھائی کے ساتھ وہی معاملہ پسند کرے اگر ایک آدمی چاہتا ہے کہ لوگ میری عزت کریں تو اسے بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کی عزت کرے اگر ایک آدمی چاہتا ہے کہ مجھے دعوت میں بلایا جائے تو اسے بھی چاہیے کہ جب خود دعوت کرے تو وہ بھی دوسرے کو بلائے۔

آج لوگ اپنا استحقاق جتلاتے ہیں دوسرے کا تسلیم نہیں کرتے یہ وہی بات ہے جس کے خلاف آج ہو رہا ہے لوگ کہتے ہیں ہمارا حق دو ہمارا حق دو اور جو ان کے ذمہ دوسروں کے حقوق ہیں وہ ادا نہیں کرتے۔ ہنسی آتی ہے اس بے وقوفانہ بات پر کہ فلاں میرے ساتھ یہ سلوک کرے جب میں رشتہ داروں کے پاس جاؤں وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کرے مجھے چائے پلائے مجھے خوش آمدید کہے وہ جب آپ کے پاس آئیں تو آپ بھی نہ منہ موڑیں آپ بھی خوش دلی سے ملیں اور ان کی خدمت کریں اہل علم کہتے ہیں کہ لوگ ہم سے محبت کریں اور ہماری خدمت کریں تو لازم ہے کہ ہم بھی لوگوں سے محبت کریں اور ان کی خدمت کریں لیکن اہل علم اس کو نہیں کرتے اسی وجہ سے مخدوم نہیں بنتے دراصل مخدوم بننے کا گر یہ ہے کہ آپ بھی عوام کے خادم بن جائیں ان کی ہمدردی اور محبت اور ان کی غمی خوشی میں کام آنے کا جذبہ آپ میں ہونا چاہیے ان پر خرچ کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔

اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو سلوک تم اپنے لیے پسند کرتے ہو یہ مراد ہے چیزیں مراد نہیں ہیں کہ جو نعمتیں میرے پاس ہیں ویسی نعمتیں میرے بھائی کے پاس ہوں یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

جواب نمبر ۲

دوسری مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کے مقام پر رکھو اور اس مقام پر رکھ کر دیکھو کہ اس کے کیا تقاضے اور کیا ضروریات ہیں اس کو یوں سمجھیں کہ میں شاگرد ہوں تو میں اپنے استاذ سے کیا توقع رکھوں گا کہ میرا استاذ میرے لیے کیا کرے میری کن ضروریات کو مہتمم صاحب پوری کریں تو مہتمم صاحب طالب علم بن کر سوچے پھر ان کے لیے ان چیزوں کو پسند کرے اور ان کے لیے کوشاں رہے اور طالب علم یہ سمجھے کہ میں استاذ ہوتا تو میں کیا چاہتا کہ میرے طالب علم میرے ساتھ کیا سلوک کریں تو ان تقاضوں کو پورا کرے۔

دوسرے مسلمان بھائی کی جگہ پر اپنے آپ کو رکھو ایک مفتی کے پاس ایک سائل آجاتا ہے تو اب اس کو سوچنا چاہیے کہ میں

اگر سائل کی جگہ ہوتا تو میں کیا چاہتا کہ مفتی صاحب میرا کس طرح خیال کریں اور میرے مسئلے کو کیسے حل کریں اور وہ سوچے کہ اگر میں مفتی صاحب کی جگہ پر ہوتا تو اس کا کیا تقاضا ہوتا کہ میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں اور اس کے لیے کیا پسند کروں بادشاہ عایا کی جگہ پر اپنے آپ کو رکھ کر سوچے کہ ہمیں ان کے ساتھ کیا معاملہ اور کیا سلوک کرنا چاہیے تو پہلے والی بات عام ہے کہ جو معاملہ اور سلوک آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں مقام، عزت، محبت وغیرہ کا وہی دوسروں کے لیے پسند کریں اور دوسرا یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچو کہ اس کی کیا ضرورت اور تقاضا ہے اس کو پورا کرے۔

اشکال نمبر ۳

اب اس پر ایک اور اشکال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اس حدیث کے خلاف ہے رَبِّ اغفر لی وھَبْ لِیْ مُلْکًا لاینبغی لِاحدٍ مِن بعدی (ص:۳۵) اے اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ملک دے میرے بعد کسی کو ایسا ملک نہ ملے ایک تو حرص کو بتاتا ہے ملک و مال کی حرص ہے اور دوسرا بخل کو بتاتا ہے کہ کسی اور کو نہ ملے یہ حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ کی حدیث کے خلاف ہے۔

اس کا جواب بہت آسان ہے آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر زمانے کے نبی کا معجزہ وہ ہوتا ہے جو اس زمانے میں لوگوں میں قابل فخر چیزیں ہوتی ہیں جن پر وہ فخر کرتے ہیں اس کی جنس سے ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فخر اور بڑی چیز جادو تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اسی کی جنس سے معجزہ عطاء فرمایا جو سب جادوگری ہڑپ کر گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور فلسفیوں کا بہت زور تھا اور طب سے بڑے عجیب عجیب کام کرتے تھے ارسطو اور اس جیسے بڑے بڑے طبیب عیسیٰ علیہ السلام کے دور کے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسی جنس سے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا کہ بیماروں کو صحیح کر رہے ہیں اندھے کو صحیح کر رہے ہیں۔

پیغمبر علیہ السلام کے دور میں فصاحت و بلاغت اور اشعار کا زور تھا سب دنیا کو عجم کہتے تھے کہ ہم عرب ہیں عرب کا معنیٰ ہے ''فصیح اللسان'' ہونا عَرَبَ یَعْرُبُ جب بچہ بولنے لگتا ہے اور عجم کا معنیٰ ہے گائے، بھینس کی طرح بھیں بھیں کرنا انہوں نے پورے عالم کا نام عجمی رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے پر معجزہ بھی قرآن مجید کا دیا کہ وہ لوگ جس کے مقابلے میں کوئی سورت اور آیت نہ لاسکے اور لاجواب ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اطراف عالم میں بڑے بڑے جابر لوگوں کی حکومتیں تھیں جو کہ سب کافر تھے بلقیس کا قصہ آپ کے سامنے ہے اور قرآن پاک میں موجود ہے کیسی اس کی سلطنت تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور معجزہ کے

حکومت مانگی کہ اس زمانے میں ایسا معجزہ ہو کہ وہ سب پر کھل جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی حکومت دی کہ انسان اور جن یہاں تک کہ چیونٹی پر بھی ان کی حکومت چلتی تھی ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی چرند پرند پر بھی تھی کوئی مخلوق ان کی حکومت سے باہر نہیں تھی سورۃ نمل میں چیونٹی کا تفصیلی قصہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قرآن پاک میں بڑے عجیب و غریب واقعات آئے ہیں ہُدہُد خدمت کر رہا ہے پرندے خدمت کر رہے ہیں اور تخت اُڑ رہا ہے بلقیس نے موتی بھیجا جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا اس نے کہا اس میں دھاگہ ڈالو اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کو بلایا اس نے منہ میں دھاگہ لیا اور دوسری طرف نکل گئی انہوں نے فرمایا جاؤ لے جاؤ اس طرح کے بہت سے واقعات تفسیر مظہری میں تفصیل سے منقول ہیں تو رب ھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی یہ بطور حرص کے نہیں ہے بلکہ بطور معجزہ کے طلب کیا تا کہ اس زمانے کے لوگوں پر دعوت نبوت کو مضبوط طریقے پر پیش کیا جاسکے۔

چنانچہ بلقیس جیسی عورت جس کی ماں جنّی تھی اور باپ انسان تھا وہ جنوں سے تھی وہ ایسی مضبوط سلطنت کی مالک تھی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت دیکھ کر متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی قرآن پاک میں ہے **وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیمان للہ رب العالمین** (النمل:۴۴)

اس لیے سلیمان علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ حرص کر رہے ہوں یا اس حدیث کے خلاف ہوں یہ کافروں کے مقابلے پر ملک کو طلب کیا کیونکہ یہ اس زمانے کی تفاخر کی چیز تھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسی حکومت کی کہ پوری دنیا پر حکومت تھی۔

سند کی بحث

حدثنا مسدد یہ حضرت مسدد ابن مسرھد بہت بڑے محدث ہیں امام بخاری ؒ کے استاذ ہیں اور امام ابوداؤد کے بھی استاذ ہیں اور ان کا نام اتنا مبارک ہے کہ اگر بچھو کاٹ لے یا بھڑ کاٹ لے تو ان کا نام پڑھ کر دم کر دیں یا تھوک لگا دیں تو ٹھیک ہو جاتا ہے اور ان کا نام عجیب و غریب ہے سات پیڑھی تک مسدد بن مسرھد بن مسربل بن معربل بن ارندل بن سرندل بن غرندل یہ سات پشتوں تک نام ہیں۔

قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة عن انس عن النبی ﷺ وعن حسین المعلم قال حدثنا قتادة

یہاں (ح) ہے یہ حسین المعلم اور شعبہ سے تحویل ہے کیونکہ یہ دونوں قتادہ کے شاگرد ہیں امام بخاری ؒ نے اپنے استاذ سے ایسے ہی سنا اس لیے تحویل کا لفظ نہیں لگایا لہذا عن حسین المعلم دوبارہ لا رہے ہیں۔

نکتہ

اس حدیث کی سند کے سب راوی بصری ہیں اس سے پہلی حدیث کے سب راوی مصری ہیں اور اس سے قبل روایت کے سب راوی کوفی ہیں۔

بَابُ حُبِ الرسول ﷺ مِنَ الْاِيْمَانِ

رسول اکرم ﷺ کی محبت ایمان میں داخل ہے

حدیث

حدثنا ابو الیمان قال ثنا شعیب قال ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ۔

حدثنا یعقوب بن ابراھیم بن ابراھیم قال ثنا ابن علیّۃ عن عبدالعزیز بن صھیب عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح وحدثنا آدم بن ابی ایاس قال ثنا شعبۃ عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

ترجمہ: ابوالیمان نے حدیث بیان کی فرمایا کہ ہم سے شعیب نے حدیث بیان کی فرمایا کہ ہم سے ابوالزناد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بروایت اعرج یہ بیان فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے نزدیک میں اس کے آباؤاجداد اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے آباء اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حدیث پر بحث

یہاں سے امام بخاری ؒ نے ایمان کا ایک اور درجہ بیان کیا ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو اس سے قبل مساوات کا ذکر تھا ب مساوات سے اگلا درجہ بیان کیا کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جس کو اپنے سے زیادہ

عزیز سمجھا جائے تو اس کی طرف حب الرسول من الایمان کہہ کر اشارہ کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔

اس باب میں من الایمان کو بعد میں لائے ہیں اس لیے کہ حب الرسول ہی ذریعہ ہوتی ہے ایمان کا پیغمبر علیہ السلام کو پہچانتا ہے تو ایمان لاتا ہے پیغمبر ہی ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ اور توحید تک پہنچانے کا اگر محمد رسول اللہ کو نہیں پہچانتا تو وہ توحید پر نہیں ہے لہٰذا جو لوگ توحید کا دعویٰ کرتے ہیں اور توحیدی گروپ بن جاتے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں یا ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی آدمی یہ دعویٰ کرے کہ میں بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھ گیا تو یا اس کا دعویٰ کوئی نہیں مانے گا

پہلے باب میں من الایمان پہلے لائے ہیں کیونکہ ایمان ہی اس مساوات پر ابھارتا ہے۔

محبت کی اقسام

یہاں پر ایک اہم بحث ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی کون سی محبت ایمان کا حصہ ہے جبکہ خواجہ ابو طالب کو بھی آپ ﷺ سے محبت تھی بنو ہاشم کے سارے افراد آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے یورپ کے بہت سے لوگوں نے بھی اظہار محبت کیا ہے اور سکھوں نے بھی آپ ﷺ کی محبت میں اشعار لکھے ہیں تو پیغمبر علیہ السلام کی کون سی محبت حب رسول من الایمان ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ بات سمجھیں کہ محبت کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ حب طبعی: یہ خونی رشتوں کی وجہ سے ہوتی ہے ابو طالب کو محبت اسی وجہ سے تھی کہ میرا بھتیجا ہے حب طبعی یہ غیر اختیاری ہوتی ہے اس میں اختیار نہیں ہوتا جیسے ماں کی محبت اولاد کے ساتھ یہ محبت غیر اختیاری ہے۔

۲۔ حب احسانی: کہ محسن کے ساتھ محبت ہوتی ہے یہ حب احسانی ہے یعنی آپ پر کوئی احسان کرے تو آپ کو اس کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔

۳۔ حب جمالی: کسی کے جمال کی وجہ سے محبت ہو جیسے وہ بہت خوبصورت ہے خوبصورت ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی شکل وصورت اچھی ہو بلکہ اس کی سیرت اچھی ہو اس کی آواز اچھی ہو تو اس کی وجہ سے کسی کے ساتھ محبت ہو جائے۔

۴۔ حب کمالی: کہ ایک آدمی با کمال ہے تو اس کے با کمال ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت ہو جائے ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہو چاہے اس نے کچھ احسان کیا ہو یا نہ کیا ہو پھر بھی محبت ہو جیسے ہم قدیم مسلمانوں کے کارناموں کو سنتے ہیں تو ہمیں ان سے محبت ہوتی ہے تو یہ ان کے با کمال ہونے کی وجہ سے ہے۔

۵۔ حب عقلی: کہ عقل تقاضا کرے کہ اس سے محبت کرو جیسے مریض دوا سے محبت کرتا ہے اور جیسے طالب علم سختی و مجاہدات سے محبت کرتا ہے تنگی و تکلیف برداشت کرتا ہے اس لیے کہ اس کی عقل کہتی ہے کہ اس کا بعد میں نفع ملنے والا ہے مریض دوا کھاتا ہے

اسے پتا ہے کہ کڑوی دوا ہے اس کے نتیجے میں مجھے شفاء ہو جائے گی میں ٹھیک ہو جاؤں گا یہ حب عقلی کہلاتی ہے۔

یہاں پر ان پانچوں میں سے آپ ﷺ کے ساتھ کون سی محبت مراد ہے تو یہاں پر حب عقلی مراد ہے تم اپنی عقل سے سوچو کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں اور ان کے ذریعے ہمیں سب کچھ ملا اور انہوں نے ہمارے لیے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں تو یہ محبت کم از کم مسلمان کے دل میں ہو اور محبت کہتے ہیں میلان قلب کو کہ آپ کا دل آپ ﷺ کی طرف مائل ہو جب بھی عقل سے غور و فکر کریں لیکن اس کے بعد ایمان ضروری ہے یہ حب عقلی مع ایمان ہو اگر عقلاً سوچ کر محبت تو کرتا ہے لیکن ایمان نہیں لاتا تو یہ معتبر نہیں تو یہ جتنی محبتیں ہیں عقلی تک یہ تب معتبر ہیں کہ اس کے اندر ایمان بھی ہو تو پھر یہ حب ایمانی کہلاتی ہے اور یہ ترقی کرتے کرتے پیغمبر علیہ السلام کی محبت طبعی بن جاتی ہے کہ جس طرح ماں باپ سے محبت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ہو جاتی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ ہر مومن کو حب طبعی بھی سرکار دو عالم ﷺ کی حاصل ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے بال بچے گھر والے سامنے اور ہر وقت ساتھ ہیں اس لیے ان کی محبت نظر آتی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ چونکہ ایسا معاملہ نہیں ہوتا اس وجہ سے وہ دبی رہتی ہے محسوس نہیں ہوتی ورنہ ہوتی ضرور ہے اس کا اندازہ اس سے کریں کہ ایک بچہ جس سے آپ کو پیار اور بڑی محبت ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کردے تو آپ کبھی برداشت نہیں کریں گے آپ اسے تھپڑ ماریں گے اور گود سے اٹھا کر پھینکیں گے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اس بچے سے زیادہ پیغمبر پاک ﷺ سے محبت ہے لیکن آدمی جس کام میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی توجہ بھی ادھر ہوتی ہے اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب تقابل ہو جیسے کہ اس صحابی کے ساتھ ہوا جو نابینا تھے ان کی لونڈی نے پیغمبر ﷺ کو گالی دی تو وہ گیتی لے کر اس کے پیٹ پر چڑھ گئے گیتی اس کے پیٹ پر رکھ کر جھول گئے اس کو قتل کر دیا اس کو حمل تھا وہ بھی ضائع ہو گیا دو بچے پہلے تھے پھر وہاں سے چلے گئے شور شرابہ ہوا پتا چلا قتل ہوا ہے وہ صحابی بھی نہیں ہے لوگوں کے ذہن میں تھا کہ نابینا صحابی قتل نہیں کر سکتا انہوں نے کہا شاید کسی اور نے قتل کیا ہے پیغمبر علیہ السلام کو فجر کے بعد اطلاع ملی آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جس نے ایسا کام کیا ہے تو وہ کھڑے ہو گئے عرض کیا حضرت میں نے کیا ہے فرمایا کیوں کیا عرض کیا حضرت آپ کو گالی دی تھی اس لیے کیا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا سنو لوگو اس کا خون هدر ہے اس کے خون کا کوئی قصاص نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کو گالی دینے والا واجب القتل ہے اب دیکھو کہ اس لونڈی سے بڑی محبت تھی اس سے بچے بھی تھے لیکن جب تقابل ہوا پھر اس نے کچھ نہ دیکھا حالانکہ وہی اس کا سہارا تھی اس کو قتل کر دیا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے بے شمار واقعات ہیں اس لیے حضرت گنگوہیؒ کا نظریہ تو یہ ہے کہ جو سچا مومن ہو بدعتی اور بدعقیدہ نہ ہو سچا مومن ہو اس کے دل میں پیغمبر علیہ السلام کی حب طبعی بھی ہوتی ہے۔

والذی نفسی بیدہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لایومن احدکم تم میں کوئی مومن نہیں حتی اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین کہ جب تک میں محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے والد سے اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے اس حدیث میں تین چیزیں بیان کیں اس میں والد، ولد اور ناس تین اقسام سرکار دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔

ابن بطال ؒ فرماتے ہیں دراصل آدمی جو محبت کرتا ہے تو تین طرح کے لوگوں سے کرتا ہے ایک سے محبت کرتا ہے جلال اور عظمت کی وجہ سے یعنی اس کو بڑا سمجھ کر جیسے استاد، والد، پیرومرشد دادے پڑدادے سے بڑوں سے محبت یہ جلال اور عظمت کی وجہ سے ہے اس میں اشارہ کیا والدِہٖ سے والد میں صرف والد مراد نہیں ہے اس میں استاد پیرومرشد دادا نانا وغیرہ ان سے آدمی عظمت کے رشتوں کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ رحمت وشفقت کی وجہ سے محبت کرتا ہے والدین اولاد سے استاذ شاگرد سے پیر مرید سے پوتوں سے نواسوں سے محبت رحمت وشفقت کی وجہ سے ہوتی ہے وولدِہٖ سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ تیسری محبت استحسان اور استلذاذ کی وجہ سے ہے جیسے میاں بیوی اور دوستوں کی آپس میں محبت ہے والناس اجمعین سے اس کی طرف اشارہ ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ محبت کے جتنے بھی رشتے ہیں خواہ وہ عظمت کی بنیاد پر ہوں خواہ وہ شفقت اور لذت کی بنیاد پر ہوں خواہ استلذاذ کی بنیاد پر ہوں تمام محبتوں سے میری محبت فائق ہونی چاہیے پھر تمہارا ایمان ایمان ہے ورنہ ایمان ہے تو سہی لیکن کامل نہیں ہے ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں من نفسہ کا لفظ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔

باب حلاوۃ الایمان

باب ایمان کی چاشنی کے بیان میں

حدیث

حدثنا محمد بن المثنّٰی قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا ایوب عن ابی قلابۃ عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی پائے گا ایک تو یہ کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نزدیک باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں اور جس شخص سے بھی محبت رکھے محض اللہ کے لیے رکھے اور دوبارہ کفر اختیار کرنے سے اس طرح بے زار ہو جیسے آگ میں گرائے جانے سے بیزاری ہوتی ہے۔

حدیث پر بحث

امام بخاری ؒ نے ایمان کے ثمرات کو بیان کرنا شروع کیا ہے کہ حلاوت ایمانی ایمان کا ثمرہ ہے ایمان ایک درخت ہے جس کا پھل حلاوت اور مٹھاس ہے اور یہ ثمرہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے کیونکہ امام بخاری ؒ نے پہلے حب الرسول کا باب باندھا ہے تو حب الرسول کا نتیجہ اور ثمرہ حلاوت ایمانی ہے اگر اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو جائے تو حلاوت ایمانی نصیب ہوتی ہے تو یہ ثمرہ ایمانی کا بیان ہے۔

یاد رکھیں! کسی بھی چیز کی مٹھاس کو محسوس کرنے کے لیے انسان کا صحت مند ہونا ضروری ہے اگر آدمی صحت مند ہو گا تو میٹھے کو میٹھا محسوس کرے گا اگر اس کو صفرا یا ملیریا کی بیماری ہے تو میٹھی چیز اس کو کڑوی محسوس ہو گی اسی طرح اگر انسان قلب سلیم رکھتا ہے تو اس کا دل یقینا ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرے گا اور اگر اس کا قلب قلب سلیم نہیں ہے بلکہ گناہوں کی وجہ سے گندہ ہے تو پھر اس مٹھاس کو محسوس نہیں کرے گا بلکہ جس قدر اس کی ایمانی صحت کمزور ہو گی ویسے ہی سے مٹھاس کا ذائقہ بھی کم محسوس ہو گا اور جتنی ایمانی صحت اچھی ہو گی اسی طرح اس کو یہ ذائقہ اچھا محسوس ہو گا اس سے امام بخاری ؒ کا اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے تو یہ امام بخاری نے تشبیہ دی ہے۔

اب حلاوت ایمان کیا چیز ہے؟ یہ حسی چیز ہے یا معنوی یا عقلی چیز ہے؟ تو عام محدثین کے ہاں عقلی اور معنوی چیز ہے یہ حسی نہیں ہے جو زبان سے چکھی جا سکے اور اس کا نتیجہ کیا ہے کیسے پتا چلے گا کہ اس میں حلاوت ایمانی ہے؟

امام نووی ؒ نے فرمایا کہ اس آدمی میں دو باتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک استلذاذ الطاعات کہ نیکیوں میں اسے مزہ آتا ہے دوسری تحمل المشاق فی الدین کہ دین کے معاملے میں مشقت برداشت کرنے کی اس کے اندر ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح حضرت بلال ؓ کو اتنی مشقت دی جاتی تھی لیکن پھر بھی وہ احد احد کا نعرہ لگاتے تھے تحمل المشاق فی الدین میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہت آگے تھے تو استلذاذ الطاعات اور تحمل المشاق یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس آدمی کو حلاوت ایمانی نصیب ہے۔

علماء کرام اور عام محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس سے حلاوت معنوی مراد ہے اور یہ عقلی چیز ہے صوفیاء کرام جن میں ہمارے علماء دیوبند بھی شامل ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے حسی ہے کہ ایمان کی مٹھاس کو آدمی باقاعدہ طور پر محسوس کرتا ہے جیسے کوئی میٹھی چیز کھائی ہو۔

جیسے مولانا جلال الدین رومی ؒ فرماتے ہیں میں جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے بدن کے رواں رواں سے شہد کے چشمے جاری ہیں۔

نام او چوں بر زبانم می رود
هربُن مو از عسل جوئے شود

چنانچہ علامہ ابن جمرۃ ؒ جو بہت بڑے محدث ہیں انہوں نے بہجۃ النفوس کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے یہ شرح دو جلدوں میں ہے اب اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے انتخاب بخاری کے نام سے خاص خاص جگہ کی شرح ہے انہوں نے اس پر بہت زبردست بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے بندوں کو یہ نعمت دی ہے اور فرمایا کہ اگر یہ کسی کو حاصل نہیں ہے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے جن کو حاصل ہے ان کا انکار نہ کرے اور یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

إذا رأ الناس الهلال فسلم ان لم ترى الهلال بالابصار

اگر لوگ چاند دیکھ لیں تو تم تسلیم کرلو اگر تم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تو ان کے چاند کو تسلیم کرلو اور شریعت بھی یہی کہتی ہے تو یہاں پر بھی یہی بات ہے کہ اگر کسی کو یہ نعمت حاصل ہے حسی طور پر تو اس کا انکار نہ کرے۔

چنانچہ سائیں توکل شاہ ؒ نے خود حضرت تھانوی ؒ سے فرمایا تھا کہ ''اشرف علی جب میں اللہ تعالیٰ کا نام لیوں ہوں تو میرا منہ میٹھا ہو جاوے ہے خدا کی قسم میٹھا ہو جاوے ہے'' اور حضرت فضل الرحمن شاہ گنج مراد آبادی ؒ کے بارے میں آتا ہے فرماتے تھے جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے اتنا مزہ آتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے میرا پیار لے لیا جب حضرت تھانوی ؒ سے ملاقات ہوئی تو حضرت کی عمر ایک سو پانچ سال تھی یہ وہی حلاوت ایمانی ہے جو قلب سے نکل کر اعضاء میں آجاتی ہے اور اس کا پورا جسم اس کی مٹھاس کو محسوس کرتا ہے۔

اسی لیے حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک یہ حلاوت ایمانی ایک حسی چیز ہے کہ جس کے ذائقے کو انسان کا قلب اعضاء اور زبان بھی محسوس کرتے ہیں۔

مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ؒ اس لذت کو اپنے فارسی شعر میں یوں بیان کرتے ہیں۔

از لب نادیدہ صد بوسہ رسید من چہ گویم روح چہ لذت چشید

کتنے واقعات ایسے لکھے ہیں ایک واقعہ میں نے خود تاریخ میں پڑھا ہے اور کئی دفعہ بیان بھی کیا ہے ایک نوجوان خانہ کعبہ میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا پھر بار بار تھوک نگلتا تھا کسی نے کہا تم قرآن سے مذاق کر رہے ہو وہ رونے لگا کہا کہ نہیں میں یہ آیت پڑھ رہا ہوں **وسقاهم ربهم شرابا طهوراً** (الدھر:۲۱) تو میرے منہ میں مٹھاس بھر جاتی ہے تو اس کو نگلتا ہوں۔

اب امام بخاری وہ روایت لا رہے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن سے یہ نعمت حاصل ہوتی ہے ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں۔

حدثنا محمد ابن المثنى قال ثنا عبد الوهاب قال حدثنا ايوب

حدثنا ایوب یہ ایوب سختیانی ہیں جو کھالوں کا کاروبار کرتے تھے اور بہت بڑے ناقد ہیں بڑی دکان تھی پیچھے طالب علم بیٹھے ہوتے تھے اور آگے کھالیں پڑی ہوتی تھیں جب کوئی گاہک آجاتا تو وہ گاہک کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور جب وہ چلا جاتا تو پھر طالب علموں کو حدیثیں بیان کرتے بہت بڑی دکان تھی اندر پورا مدرسہ لگتا تھا اس میں دونوں کام کرتے تھے وہ اصحاب عزیمت لوگ تھے لیکن آج کوئی نہیں کرسکے گا آج دنیا تمہیں کھینچ کر اپنی گود میں لے لے گی کتنے مولویوں نے ڈبل کام شروع کیا تو علمی کام چھوڑ دیا اسی کام کے ہو کر رہ گئے۔

حماد بن ابی سلمۃ جو امام ابو حنیفہ ؒ کے استاذ ہیں ان کا سبزی کا کام تھا خود امام ابو حنیفہ ؒان کی سبزی کو پانی لگایا کرتے تھے صبح صبح سبزی بیچ لیتے تھے پھر حدیثیں پڑھاتے تھے اور حماد خود ابراہیم تیمی ؒ کی خدمت میں ہوتے تھے کاروبار کے لیے ان کی ٹوکری لے کر ان کے ساتھ جایا کرتے تھے ان کے والد نے دیکھ لیا کیونکہ حماد کے والد امیر آدمی تھے تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو گھر سے باہر نکلنے کی پابندی لگادی اس نے کہا تو اتنا امیر زادہ ہو کر ان مولویوں کی چاکری کرتا ہے انہی دنوں ابراہیم تیمی کا انتقال ہو گیا جب انتقال ہوا تو ہزاروں طالب علم جو پوری دنیا سے ابراہیم تیمی ؒ کے پاس آکر ٹھہرتے تھے وہ سارے کے سارے حماد بن ابی سلمۃ کے گھر آئے دروازہ کھٹکھٹایا ان کے والد باہر نکلے اور دیکھا اتنی دنیا کہاں کہاں کے چہرے حیران ہوا طالب علموں نے کہا ہمارے استاذ چلے گئے استاد کے اصل نائب آپ کے بیٹے ہیں آپ ان کو بھیجیں تب والد کی آنکھ کھلی اور رو رونے لگا کہا بیٹے تو نے وہ دولت کمائی ہے جس کی پوری دنیا محتاج ہے میری دولت کو کوئی نہیں پوچھتا پھر ان کو لے جا کر ابراہیم تیمی ؒ کی مسند پر بٹھایا پھر ان کے بعد اس مسند پر امام ابو حنیفہ ؒ بیٹھے۔

وعن ابی قلابه

ہمارے استاذ مفتی ولی حسن ؒ نے فرمایا کہ ابی قلابہ تابعی صغیر ہیں اور یہ عمر بن عبد العزیز کے مشیر بھی ہیں جب بھی کوئی میٹنگ

ہوتی تھی خاص طور پر علماء کے ساتھ تو عمر بن عبد العزیز کے بالکل پیچھے بیٹھتے تھے میٹنگ روم میں خلیفہ کے پیچھے نشست ہوتی اور یہ مشورہ دیتے تھے ابو قلابہ بہت بڑے آدمی ہیں بہت بڑے عالم ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں جس انسان کے اندر ہوں گی وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ ایمان کی مٹھاس پالے گا وہ اجد ہو گا اور حلاوت ایمانی موجود ہو گی۔

اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

کہ اللہ و رسول ﷺ اس کو محبوب تر ہو جائیں ماسواء سے اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں ان سب سے اللہ و رسول ﷺ تمہیں زیادہ محبوب ہو جائیں یاد رکھو اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد پیغمبر علیہ السلام کی محبت ہے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے پیغمبر علیہ السلام ہیں اس لیے اس کے بعد ان کی محبت ہے۔

اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ۔

کسی بھی آدمی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے یا اللہ والوں سے محبت ہے جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے کہا لا لغرضٍ و لا لعرضٍ و لا لعوضٍ نہ کوئی اس سے غرض نہ کوئی اس سے عرض ہو اور نہ کوئی اس سے عوض ہو یہ تین چیزیں علامہ ابن حجر عسقلانی نے بیان کی ہیں اور ملا علی قاری ؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شائبہ نفس بھی اس میں نہ ہو نفس کی ذرا سی بھی امیزش نہ ہو اور ان میں اختلاف اور دوری کسی دنیوی غرض کی وجہ سے نہ ہو۔

اس محبت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوا گر طالب علم استاذ سے کہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دیا ہے میں بہت مصیبت میں ہوں آپ ایک ہزار قرض دے دیں استاذ کہے میں قرض نہیں دے سکتا تو وہ چھوڑ کر چلا گیا اسی طرح مرید کہے آپ کے اختیار میں بہت کچھ ہے میری شادی کر وادیں یا میری نوکری لگوادیں تو شادی نہیں کروائی یا نوکری نہیں لگوائی تو مرید پیر کو چھوڑ کر چلا گیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تعلق نہیں تھا گر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو کبھی بھی چھوڑ کر نہ جاتا۔

ایک پیر صاحب نے ایک مرید کو بھینسوں کی خدمت پر لگا دیا وہ بھینس کا کام کرتا لوگ کہتے ہم سارے علوم و معارف اکٹھے کر رہے ہیں اور خوب ملفوظات لکھ رہے ہیں اور تو یہاں بھینس کی خدمت کر رہا ہے اس نے کہا جہاں پیر نے لگا دیا بھائی میرے لیے تو یہی ذکر ہے شیخ نے کئی سال رگڑ دیا جب دیکھ لیا کہ مٹ گیا اس لیے کہ مٹنے کا نام کمال ہے مٹی سے ہے مٹ جانا۔

جب وہ شیخ فوت ہونے لگے لوگوں نے کہا وصیت کریں آپ کے بعد کون؟ شیخ نے فرمایا جو بھینسوں کا خادم ہے اس کو میری

مسند پر بٹھادو چنانچہ وہی اپنے شیخ کے نائب بنے پھر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطاء کر دیا اور علوم و معارف اس کی زبان سے جاری کر دیئے۔

وان یکرہ ان یعود

اسی محبت کا تیسرا ثمرہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے تو پھر اس کے مخالف سے سخت نفرت ہو جاتی ہے **وان یکرہ ان یعود فی الکفر** کہ ایسے ہی کفر میں واپس لوٹنے کو ناپسند کرے **کما یکرہ ان یقذف فی النار** جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

اسی لیے ہمارے بزرگوں میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے تو ایمان کی شرائط میں لکھا ہے کہ **التبرئ عن الکفر** یہ بھی ایمان کے لیے ضروری ہے اگرچہ دیگر علماء نے لکھا ہے کہ **التبرئ عن الکفر** یہ ایمان کے لیے ضروری نہیں لیکن مجدد صاحب ؒ نے کہا **التبرئ عن الکفر** بھی کرے کہ میں کفر سے بری ہوتا ہوں اور مجھے کفر سے نفرت ہے یہ مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں لیکن ہمارے دوسرے علماء نے یہ شرط نہیں لگائی کیونکہ تبری خود ہی ہو جاتا ہے جب ایمان مضبوط ہو جاتا ہے تو غیر سے خود ہی نفرت ہوتی چلی جاتی ہے۔

ان یعود فی الکفر یہ **عود فی الکفر** صحابہ کرام ؓ کے لیے تھا کہ کفر میں لوٹنا لیکن ہم تو الحمد للہ جدی پشتی مسلمان ہیں ہمارے ہاں **یعود** بمعنی **یصیر** ہے کہ کافر ہونا اس کا تنا برا لگے کفر میں لوٹنا نہیں صحابہ چونکہ کفر سے نکل کر آئے تھے لہذا ان کے لیے عود لائے کہ کفر میں لوٹنا تمہیں برا لگے جیسے آگ میں ڈالے جانا لیکن ہمارے لیے **یصیر** کے معنی میں ہے کہ کافر ہونا برا لگے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

هما سواهما پر بحث

پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں ایک خطیب آیا اس نے تقریر کی اور اس نے تقریر کرتے ہوئے **من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد واھتدی** کہا کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا گیا **ومن یعصھما فانہ لایضر الانفسہ** جو ان دونوں کی معصیت کرے گا وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا تو **من یعصھما** میں **ھما** ضمیر میں دونوں کو جمع کر دیا تو پیغمبر علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمایا **بئس الخطیب انت** تو بہت برا خطیب ہے یوں کہہ **ومن یعص اللہ ورسولہ** یعنی دونوں کا الگ الگ ذکر کرو تو اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ یہاں پر پیغمبر علیہ السلام نے خود دونوں کو جمع کیا ہے **احب الیہ مما سواھما** سواھما میں یہاں اللہ اور رسول کو جمع کیا گیا ہے جبکہ آپ ﷺ نے اس خطیب پر رد فرمایا اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں

جواب

بہترین جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ابتداء اسلام کی بات ہے کیونکہ ابھی عقیدہ پختہ نہیں تھا اس لیے اللہ اور رسول ﷺ کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا گیا یک ضمیر میں جمع نہیں کیا گیا کہ کہیں دونوں کا یک مرتبہ میں نہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ ورسول ﷺ یک ہیں جیسے آج بدعتی لوگوں کا عقیدہ بن چکا ہے کہ معراج پر گئے تو دیکھا تو وہی تھے ایسے بہت سے غلط اشعار موجود ہیں لیکن جب عقیدے میں پختگی آ گئی اللہ رسول ﷺ کے مقام کو لوگوں نے سمجھ لیا اس وقت فرمایا 'احب الیہ مما سواھما'' پھر اجازت ہو گئی اسلام میں ابتداء بہت سی ایسی چیزوں سے روکا گیا ہے جن میں شرک کا شائبہ بھی پایا جاتا تھا بعد میں اس کی اجازت کردی جیسے قبروں پر جانا منع تھا کیونکہ لوگ قبروں کو پوجتے تھے تو بالکل پابندی لگادی اور جب عقیدہ پختہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا ''زوروھا'' اب جایا کرو لہذا مردوں کو بھی اجازت ہو گئی اور عورتوں کو بھی اجازت ہو گئی لیکن عورتوں کے لیے یہ ہے کہ وہ واویلا نہ کریں اور بے پردہ نہ جائیں اپنے محرم کی قبر پر جائیں ان چیزوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

اور دوسرا جواب جو زیادہ پسند کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ دونوں سے محبت ہو ایک آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ کرے وہ مومن نہیں ہے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے محبت کرے اللہ سے نہ کرے وہ بھی مومن نہیں اس لیے کہ جب تک دونوں کی محبت نہیں ایمان نہیں لیکن معصیت میں کسی ایک کی بھی معصیت ہو گی تو وہ نقصان میں ہے اس لیے محبت میں سواھما جمع کیا اور من یعصھما میں جمع نہیں کیا من یعص اللہ ورسولہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تب بھی نقصان اگر رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تب بھی گمراہی جیسے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء:۵۹) اللہ کی اطاعت کرو مستقل اور رسول کی اطاعت کرو مستقل لہذا کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے دیے اور کچھ احکام رسول اللہ ﷺ نے دیے لیکن اولوالامر کے لیے اطیعوا نہیں لائے کیونکہ اولوالامر انہیں کے تابع ہیں لہذا معصیت کے لیے دونوں کو جمع کرنا درست نہیں اور محبت کے مسئلے میں جمع کرنا درست ہے کیونکہ محبت دونوں کی مطلوب ہے۔

باب علامة الایمان حب الانصار

باب انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے

حدیث

حدثنا ابو الولید قال حدثنا شعبة قال اخبرنی عبداللہ بن عبداللہ بن جبر قال سمعت انس بن مالك عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال آیة الایمان حب الانصار وایة النفاق بغض الانصار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔

حدیث پر بحث

امام بخاری ؒ نے نفس ایمان کے بعد حلاوت ایمانی کا بیان کیا اور حلاوت ایمانی کے بعد علامت ایمانی کا بیان کر رہے ہیں کہ ایمان کی ایک علامت ہے لیکن علامت کم ہے حلاوت سے درجے میں اس لیے کہ علامت شئی سے خارج ہوتی ہے اور حلاوت شئی میں داخل ہوتی ہے تو امام بخاری نے فرمایا کہ ایمان کی ایک علامت بھی ہے اور وہ ہے انصار سے محبت کرنا ایک تو امام بخاری نے حلاوت ایمانی کے بعد علامت کو بیان کیا اور پیچھے جو حدیث گزری ہے وان یحب المرء لا یحبہٗ الا للہ وہ عام تھی تو تخصیص کر دی کہ انصاری صحابہ ؓ کی جماعت ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ایمان ہے کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا یہ عام ہے قیامت تک کے لیے اور ان میں سے ایک طبقہ مخصوص ہے اور ان کی محبت بہت ضروری ہے اور وہ ہیں انصار جیسے قرآن مجید نے کہا والذین تبوؤ الدّار والایمان من قبلھم (الحشر:۹) کہ جو لوگ پہلے ایمان لے آئے اور جنہوں نے ٹھکانہ پکڑا ہوا ہے مدینہ شریف میں یحبون من ھاجر الیھم (الحشر:۹) اور آنے والے مہاجرین سے وہ محبت کرتے ہیں یہ انصار کے بارے میں آیا ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات میں تین طبقے مومنین کے بیان کیے گئے ہیں الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم (الحشر:۸) یہ پہلا طبقہ ہے اس آیت میں جو کہ مہاجرین ہیں دوسرا والذین تبوؤ الدّار والایمان من قبلھم ویحبون من ھاجر الیھم (الحشر:۹) یہ دوسرا طبقہ ہے انصار اور تیسرا طبقہ ربنا اغفر لنا (الحشر:۱۰) وہ قیامت تک آنے والے مسلمان ہیں جو ان دو طبقوں سے محبت کرتے ہیں یہ باقی مومنین کا طبقہ ہے اور اگر کوئی ان طبقات میں سے نہیں ہے تو مومن نہیں ہے یہ نص صریح ہے (مدارج النبوۃ)

امام بخاری ؒ نے اس طبقے میں سے جو عام تھا جس کو محبوب رکھنا چاہیے اللہ تعالیٰ کے لیے ان میں سے ایک انصار ہیں اس کو متعین کیا جس کے اندر انصار کی محبت ہے یہ دلیل ہے کہ اس آدمی میں ایمان ہے اور ان کا بغض نفاق کی علامت ہے لیکن انصار سے محبت "من حیث الانصار" ہونے کی وجہ سے ہو تو ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض من حیث الانصار ہونے کی وجہ سے ہو تو نفاق کی علامت ہے اگر کسی ذاتی معاملے کی وجہ سے مہاجر اور انصاری کا جھگڑا ہے اور انصاری انصاری کا آپس میں جھگڑا ہے تو اس پر یہ حدیث صادق نہیں آتی لیکن کوئی شخص اس لیے نالاں ہے کہ انصار کیوں بنے پیغمبر علیہ السلام اور مہاجرین کو ٹھکانہ کیوں دیا اس لیے بغض رکھتا ہے جیسے روافض ہیں ان کا بغض صحابہ کرام ؓ سے اس حیثیت سے ہے ذاتی معاملات سے نہیں

لہذا اس سے صحابہ کرام ؓ کے باہمی جھگڑے کا حکم نکل آتا ہے ان پر یہ احادیث صادق نہیں آئیں گی اس لیے کہ ان کا جھگڑا اس بنیاد پر نہیں تھا کہ یہ انصاری کیوں ہیں یہ مہاجرین کیوں ہیں بلکہ اور بنیادوں پر تھا آراء کا اختلاف تھا جیسے دو بھائی آپس میں لڑ پڑتے ہیں باپ اور بیٹے کا بھی کبھی جھگڑا ہو جاتا ہے کسی بات پر وہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ میرا باپ ہے اگر اس حیثیت سے لڑے گا تو پرلے درجے کا نالائق ہے یہ ایک نص ہے ورنہ ایسی بے شمار نصوص ہیں جن میں صحابہ کی محبت کا بیان ہے اہل بیت کی محبت کا بیان ہے مخصوص صحابہ کی محبت کا بیان ہے تو اس کو بنیاد بنا کر کوئی کہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت میں سے ہیں تو امیر معاویہ ؓ نے کیوں لڑائی کی تو یاد رکھو ان کی محبت کا بیان جن حدیثوں میں آتا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ صحابی ہیں اس حیثیت سے ہے کہ وہ اہل بیعت ہیں لہذا اگر کسی دوسری حیثیت سے ان سے تنازعہ ہے تو اس پر وہ حدیث صادق نہیں آئے گی تو انصار کی محبت علامت ہے ایمان کی کیونکہ انصار کا بہت بڑا احسان ہے اسلام پر اور یہ اوس و خزرج دو قبیلوں کا نام ہے جن کو یہودیوں نے ہمیشہ لڑوایا جیسے آج ہمیں لڑوا رہے ہیں وہیں سے دیکھ لیا جائے یہ ہمیشہ سے لڑواتے رہے اور حکومت یہودی کرتے رہے سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے لڑائی ختم کروائی پھر یہودیوں کی ٹھکائی ہوئی جب اکٹھے ہوگئے تو انہیں مار اجلاوطن کیا کہ انہوں نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا سوسال تک جنگیں کروائیں خیبر وغیرہ میں بیٹھ کر مدینہ پر حکومت کرتے رہے ان کی مرضی چلتی تھی ہر ایک ان کا باج گزار تھا ہر ایک کو سود دیا ہوا تھا پیسے دیے ہوئے تھے تجارت تھی انہی کے پاس سب فیصلے جاتے تھے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اٰیۃ الایمان حب الانصار ایمان کی علامت ہے ایۃ کی تشریح کی ہے علامت کے ساتھ۔ ایۃ الایمان سے مراد ہے علامۃ الایمان اس لیے ترجمۃ الباب میں تشریح کر دی ایۃ کی۔

انصار یا تو نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف یا ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب۔

باب بلا ترجمہ

حدیث

حدثنا ابوالیمان قال حدثنا شعیب عن الزہری قال اخبرنا ابو ادریس عائذ اللہ بن عبداللہ ان عبادۃ بن الصامت وکان شہد بدرا وھو احد النقبآء لیلۃ العقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحولہ عصابۃ من اصحابہ بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفیٰ منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذالک شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ ومن اصاب من ذالک

شیئا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شآء عفا عنہ وان شآء عاقبہ فبایعناہ علی ذالک۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جو بدر میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے ایک تھے بتلایا کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے درمیان فرمایا کہ تم مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے اور چوری نہ کرو گے اور زنا نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور بہتان تراشی نہ کرو گے جسے تم اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گھڑو اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے پھر تم میں سے جو شخص اپنا پیمان پورا کر دے اس کا اجر اللہ پر ہے اور اگر کوئی ان باتوں میں کوئی حرکت کر بیٹھے اور پھر اسی دنیا میں اسے سزا بھی مل جائے تو یہ اس کے لیے کفارہ ہو گیا اور اگر کوئی (شرک کے علاوہ) ان چیزوں میں کوئی حرکت کر بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرما لے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے خواہ معاف فرما دے خواہ سزا دے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے ان باتوں پر آپ سے بیعت کی۔

حدیث پر بحث

یہ پہلی جگہ ہے جہاں امام بخاری ؒ باب بلا ترجمہ لائے ہیں تقریباً تیس سے زائد مقام ہیں جہاں امام بخاری ؒ باب بلا ترجمہ لائے ہیں اس کے بعد حدیث شروع کر دی ہے ۳۶ مقام شیخ الحدیث مولانا زکریا ؒ نے گنوائے ہیں کہ جہاں پر باب بلا ترجمہ ہے تو امام بخاری ؒ باب بلا ترجمہ کیوں لائے ہیں؟ شیخ الہند ؒ فرماتے ہیں کہ تشحیذ اذھان کے لیے۔ شحذ کہتے ہیں تیز کرنا طالب علموں کا ذہن تیز کرنے کے لیے لائے ہیں کہ تم استنباط کر کے ترجمۃ الباب خود لگاؤ اس لیے امام بخاری ؒ نے کہیں کہیں یہ چھوڑ دیے ہیں تا کہ اس پر طالب علم مشق کرے اور طالب علم کو غور و فکر کی عادت پڑے جیسے چھری تیز کی جاتی ہے اسی طرح ذہن بھی تیز ہوتا ہے تفکر سے غور و فکر سے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ امام بخاری ؒ نے تو لکھے تھے لیکن ناقلین سے نقل کرتے ہوئے رہ گئے کیونکہ ہاتھوں سے نقل کی جاتی تھی اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ امام بخاری ؒ خود بھی بھول گئے اس لیے کہ امام بخاری ؒ نے پہلے حدیثیں لکھیں بعد میں تراجم الابواب لگائے ہیں اتنی ضخیم کتاب ہو تو ایسا ہو جاتا ہے مصنف سے بہت سی جگہیں چھوٹ جاتیں ہیں۔

صحیح جواب

سب سے صحیح جواب یہ ہے کہ امام بخاری ؒ جب کسی ترجمۃ الباب کے ساتھ کوئی ایسی حدیث لائیں جو من وجہٍ پہلے ترجمۃ الباب کا حصہ بھی ہو اور من وجہٍ الگ بھی ہو ایک حیثیت پہلے والے باب کے ساتھ اس کا تعلق بھی ہو کالفصل پہلے کی فصل معلوم

ہوتی ہواور پہلے کا تتمہ اور تکمیل معلوم ہوتی ہے اور اس میں الگ سے بھی بحث ہو تو امام بخاری وہاں لفظ باب لے آتے ہیں ترجمۃ الباب نہیں لاتے یہ بتانے کے لیے کہ یہ روایت پہلے والے باب کا تتمہ ہے اور پہلے والے باب کی تکمیل اور فصل ہے اور اس میں الگ سے بھی بحث ہے لہذا راجح قول اور صحیح بات یہ ہے اس کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے سورۃ توبہ کہ ایک حیثیت سے سورۃ انفال کا حصہ معلوم ہوتی ہے اس لیے بسم اللہ درمیان میں نہیں لائے اور ایک حیثیت سے الگ بھی ہے لہذا سورۃ توبہ کو الگ فاصلہ دے کر لکھا گیا ہے۔

انصار کی وجہ تسمیہ

یہاں عبادۃ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی لیلۃ العقبہ کی روایت ہے یہ دراصل بتلا رہی ہے کہ انصار کو انصار کیوں کہا جاتا ہے ان کو انصار اسلام کیوں گردانا جاتا ہے اس میں دلیل ہے اس نام کی کہ انہوں نے گھاٹی میں بیعت کی اور پیغمبر علیہ السلام کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور بدر کی جنگ میں پیغمبر علیہ السلام کے شانہ بشانہ لڑے ان وجوہات کی وجہ سے وہ انصاری کہلائے تو ان کو انصار کا لقب دینے کی وجہ اس حدیث میں بیان کی اس لیے امام بخاری باب بلا ترجمہ لائے ہیں۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"عائذ اللہ بن عبد اللہ ان عبادۃ بن الصامت و کان شھد بدرا" حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا تعارف کروا رہے ہیں ایک یہ ہے کہ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بدر میں اپنے قبیلے کے ساتھ حاضر ہوئے تھے یہ قوم کے سردار ہیں دوسرا "وھو احد النقباء لیلۃ العقبہ" یہ ایک نقیب تھے لیلۃ العقبہ میں پیغمبر علیہ السلام نے ان سے بیعت لی تھی پہلی بیعت عقبہ انصار سے ۱۱ نبوی میں لی پھر اگلے سال ذی الحجہ ۱۲ نبوی میں ہوئی اور دوسری بیعت ذی الحجہ ۱۳ نبوی میں ہوئی یہ دوسری بیعت عقبہ میں آئے تھے۔ نقباء نقیب کی جمع ہے نقیب کا معنی ہے نمائندہ چند جماعتیں بنالی گئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چند آدمی نمائندے بن کر آجاؤ کیونکہ ستر سے زائد آدمی تھے سب کے اکٹھے ہونے کی ضرورت نہیں ہے چند منتخب اشخاص سب کی طرف سے بیعت ہو جائیں اور انہوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا تھا کہ اے چچا جان ان سے معاہدہ وغیرہ لے لیں کہ یہ مجھے بلانا چاہتے ہیں اگرچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے بدر میں بھی آئے تھے اور قید ہو گئے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے معاہدہ کیا تھا اس کے بعد ربیع الاول ۱۴ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔

آپ ﷺ کا طریقہ دعوت

ہجرت سے پہلے ایام حج میں پیغمبر علیہ السلام عرفات کے میدان میں جا کر دعوت دیتے تھے اس لیے کہ قریشی عرفات نہیں جاتے تھے وہ کہتے تھے نحن قطین اللہ ہم اللہ کے پڑوسی ہیں ہم باہر نہیں نکلیں گے حرم سے اور حرم مزدلفہ کے آگے ختم ہو جاتا ہے منیٰ اور مزدلفہ حرم میں ہیں اور عرفات حرم میں نہیں ہے عام حاجی تو جاتے عرفات اور عرفات سے آتے مزدلفہ اور مزدلفہ سے آتے منیٰ اور قریشی سارا دن منیٰ میں ہی ٹھہرتے تو سرکار دو عالم ﷺ کو کھل کر وہاں تبلیغ کا موقعہ ملتا کیونکہ مخالف کوئی نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ تو فطرت ابراہیمی پر تھے تو آپ ﷺ وہاں جاتے دعوت دیتے کھڑے ہو کر تقریریں کرتے کوئی روکنے والا نہیں ہوتا تھا اس لیے کہ مکہ والا کوئی نہیں آتا تھا وہ سب منیٰ رہ جاتے تھے انصاریوں نے آپ ﷺ کی دعوت سنی تو فوراً کان کھڑے ہو گئے اس لیے کہ وہ یہودیوں سے سن چکے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے وہ ہمارا پیغمبر ہو گا انصاریوں نے کہا کہیں نہ ہوں ہم پہلے مسلمان ہو جاتے ہیں پہلے ان کے ہاتھ پر ایمان لے آتے ہیں تو انصار نے دعوت قبول کر لی پہلے سال ۱۱ مسلمان ہوئے پھر دوسرے سال ۲۷ مسلمان ہوئے۔

بیعت سلوک

ان رسول اللہ ﷺ قال پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا وحولہ عصابۃ من اصحابہ آپ کے ارد گرد صحابہ کی جماعت بیٹھی تھی عصابۃ دس سے چالیس تک کے افراد بیٹھے تھے کیا فرمایا بایعونی میرے ہاتھ پر بیعت کرو حضرت مولانا شیخ زکریا فرماتے ہیں یہ بیعت سلوک تھی جو صوفیاء کرام لیتے ہیں یہ بخاری شریف میں بیعت سلوک کی دلیل ہے۔

بیعت کی تعریف یہ ہے کہ کسی متبع شریعت شخص کے ہاتھ پر دین کے کسی کام کو سر انجام دینے کا عہد و پیمان کرنا پیغمبر علیہ السلام سے کئی قسم کی بیعتیں ثابت ہیں بیعت اسلام بھی ثابت ہے اور کسی خاص کام پر بعض صحابہ ؓ سے بیعت لی جیسا کہ جریر بن عبد اللہ البجلی ؓ کی روایت میں ہے اسی طرح بیعت جہاد بھی ثابت ہے جیسے قرآن مجید نے کہا لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ یہ بیعت جہاد ہے اور یہ بیعت سلوک ہے جو یہاں آ رہی ہے اس کے بیعت سلوک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ وحولہ عصابۃ من اصحابہ آپ کے ارد گرد صحابہ ؓ کی ایک جماعت بیٹھی تھی عصابہ چھوٹی سی جماعت صحابہ کی اب مسلمان ہونے کے بعد یہ باتیں کہلوائی جا رہی ہیں تم شرک نہیں کرو گے تم چوری نہیں کرو گے حالانکہ وہ یہ چیزیں پہلے بھی نہیں کرتے لیکن ان سے عہد و پیمان لیا جا رہا ہے اسی کا نام بیعت سلوک ہے نواب صدیق حسن خان قنوجی نے (عون الباری بحل ادلۃ البخاری جلد ا صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ دار النوادر) میں اس پر کئی صفحے سیاہ کیے ہیں ہندوستان میں یہ غیر مقلدوں کا بانی ہے دو آدمی غیر مقلدوں کے بانی

ہیں ایک ڈپٹی نذیر احمد اور ایک نواب صدیق حسن قنوجی یہ دو بنیادی آدمی ہیں جہاں سے یہ فرقہ پیدا ہوا ہے اس نے دو صفحے سے زائد لکھے اپنی کتاب میں کہ یہ بیعت سلوک ہے اور جن مشائخ نے بیعت لی انہوں نے امت پر احسان کیا کہ پیغمبر علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھا ورنہ یہ سنت ختم ہو جاتی اس لیے کہ خلفاء ہوتے تھے جو اس زمانے میں بیعت لیتے تھے لہذا اگر کوئی اور بیعت لیتا ہوتا سے قتل کرا دیتے کہ ہمارے مقابلے پر خلیفہ یا بادشاہ بن رہا ہے کیونکہ بیعت کرنے کے بعد اس کے مخالف کو شرعی طور پر باغی قرار دے کر قتل کرا دیا جاتا تو اس زمانے میں بھی جب اتنی سختی تھی پھر بھی مشائخ بیعت سلوک لیتے تھے تاکہ نبی پاک ﷺ کی سنت ختم نہ ہو جائے اس بات کو حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ نے انوار الباری (جو حضرت کی بیس جلدوں میں بخاری شریف پر اردو تقریر ہے) میں نقل کیا ہے حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا بیعت کرنا سنت ہے اور اصلاح کروانا فرض ہے اور یہ بھی فرمایا اصلاح کے کام میں برکت اس سنت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ سنت کا ایک نور ہوتا ہے۔

شرح الفاظ بیعت

فرمایا بایعونی بیعت کرو میرے ہاتھ پر علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا اللہ تعالیٰ کو یہ بیعت کا عمل اتنا پسند ہے کہ ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح:١٠) کا لفظ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے کہ جو نبی علیہ السلام اور نبی علیہ السلام کے نائبین کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہے ہیں ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح:١٠) کہ ان کے اوپر میرا ہاتھ ہے۔ ان لا تشرك باللہ شیئا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ گے ولا تسرقوا چوری نہ کرو گے ولا تزنوا زنا نہ کرو گے یہ بات کہلوانے کا مطلب یہ نہیں وہ پہلے یہ کرتے تھے جیسے قرآن مجید نے پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں کہا والرجز فاھجر (المدثر:٥) کہ بتوں سے دور رہیے پہلے بھی دور رہتے تھے اب بھی رہیں یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ چوری پہلے بھی نہیں کرتے تھے آئندہ بھی نہ کرنا لہذا بیعت میں یہی مطلب ہوتا ہے۔

قتل اولاد کی اقسام

ولا تقتلوا اولادکم اور اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو قتل اولاد تین وجہ سے ہوتا تھا ایک حیاء اور ذلت کی وجہ سے لڑکیوں کو قتل کرتے تھے کہ غیر داماد بنے گا چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب (النحل:٥٩) کہ ذلت کے ساتھ رکھ لیں یا مٹی میں دفن کر دیں۔

اور دوسرا فقر کی وجہ سے کہ کہاں سے روٹی کھلائیں گے اپنا پیٹ نہیں بھرتا قرآن مجید نے اس کو بھی بیان کیا ولا تقتلوا اولادکم من املاق (الانعام:١٥١) قتل مت کرو فقر کی وجہ سے نحن نرزقکم وایاھم ہم تم کو بھی روٹی دیتے ہیں ان کو بھی

دیں گے اور تیسرا قتل اولاد کا ہوتا تھا خشیۃ املاق کی وجہ سے کہ آئندہ چل کر ہم غریب ہو جائیں گے اگر اولاد اسی تناسب سے بڑھتی رہی جیسے ہمارے ملک والے کہتے ہیں کہ اگر آبادی یوں ہی بڑھتی رہی تو روٹی کہاں سے کھائیں گے اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے اس لیے قتل کرتے تھے تو اس کے بارے میں بھی قرآن نے فرمایا **ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ الاملاق نحن نرزقھم وایاکم** (الاسراء:۳۱) مت قتل کرو خشیۃ املاق کی وجہ سے فقر کے خوف کی وجہ سے تو قتل ان تین وجہ سے ہوتا تھا۔

ولا تأتوا ببھتان تفترونہٗ بین ایدیکم وارجلکم اور نہ لاؤ ایسے بہتان جو اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے گھڑو مراد ہے کھلم کھلا جھوٹ جس کو کہا کہے تو نے میرے سامنے جھوٹ بنایا ہے قرآن نے کہا ایسے بہتان نہ لاؤ اور بعض نے کہا ہے اس سے مراد عورتیں ہیں کسی کی بیوی ہوتی کسی سے زنا کرتی اور بچہ جب پیدا ہوتا تو اس کو شوہر کی طرف منسوب کر دیتی بچہ ہاتھ پاؤں کے سامنے پیدا ہوتا ہے۔

ولا تعصوا فی معروف اور نافرمانی نہیں کرو گے معروف میں۔ یہاں ایک چھوٹا سا اشکال ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا ہر حکم معروف ہوتا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے اعتبار سے فرمایا کہ قیامت تک آنے والے حاکم اور امیر مراد ہیں کہ وہ تم کو منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں لہذا معروف میں ان کی نافرمانی نہ کرنا اگر منکر کا حکم دیں تو نہ ماننا تھا۔

فمن وفیٰ منکم فاجرہ علی اللہ جو تم میں اس کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے **ومن اصاب من ذالک شیئًا** اور جو کوئی ان میں سے گناہ کر بیٹھا **فعوقب فی الدنیا** پس دنیا میں اس کو سزا دے دی گئی **فھو کفارۃ لہ** تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ بن جائے گی **ومن اصاب من ذالک شیئًا** اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا **ثم سترہ اللہ** لیکن اللہ نے وہ چھپا لیا گناہ تو کیا لیکن سزا نہیں ملی **فھو الی اللہ** تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے **ان شاء عفا عنہ** چاہے اسے معاف کر دے **وان شأ عاقبہ** اور چاہے اسے آخرت میں سزا دے **فبایعناہ علی ذلک** عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے اس بات پر بیعت کی۔

ایک اہم بحث

حدیث کے آخر میں لفظ ہے **ومن اصاب ذالک شیئًا** کہ ان میں سے کوئی کام کرے گا تو کام اوپر منع کیے ہیں کہ شریک نہ ٹھہراؤ چوری نہ کرو زنا نہ کرو اگر ان میں سے کوئی کام کرے گا **فعوقب فی الدنیا** پھر دنیا میں سزا دے دی گئی **فھو کفارۃ لہ** وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گا تو پہلی بحث یہ ہے کہ اس میں اوپر شرک کا بھی بیان ہے **لا تشرک باللہ** **فمن اصاب ذٰلک** میں شرک شامل ہے یا نہیں تو یاد رکھیں غیر شرک مراد ہے شرک کے علاوہ جو گناہ کرے گا تو سزا کفارہ بن جائے گی شرک اس میں داخل نہیں ہے دلیل (۱) قرآن مجید کی یہ آیت ہے **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ ان یشرک بہٖ** (النساء:۴۸) کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں

کرتے لہذا اس کی وجہ سے ومن اصاب من ذٰلك شيئًا کی تخصیص ہے کہ شرک مراد نہیں (۲) دوسری دلیل کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتد کا اگر ردت کی وجہ سے قتل کیا جائے تو وہ قتل اس کے لیے کفارہ نہیں بنتا اور (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مشرک کو دنیا میں کوئی بھی سزا ملے گی وہ اس کے شرک کی نفی کا ذریعہ نہیں بنے گی مشرک کو قتل کر دیا گیا مشرک کو مار پیٹا گیا یہ چیزیں اس کے لیے کفارہ نہیں بنیں گیں اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ سترہ اللہ اللہ تعالیٰ اس کو چھپا دیتے ہیں گناہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے چھپا دیا تو چھپایا اس چیز کو جاتا ہے جو ظاہر ہو جاتی ہے چوری کرتا ہے پکڑا جاتا ہے زنا کرتا ہے پکڑا جاتا ہے قتل کرتا ہے نظر آجاتا ہے بہتان باندھتا ہے پکڑا جاتا ہے لیکن کفر و شرک باطنی چیزیں ہیں لہذا اس میں چھپانے والا مسئلہ ہی نہیں ہے وہ تو پہلے ہی چھپی ہوتی ہیں وہ تو دل کا معاملہ ہے اگر نعوذ باللہ اس کے دل میں شرک ہے کفر ہے تو اس کا ظہور ہو ہی نہیں سکتا اس کا دل جانتا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے تو سترہ اللہ کا لفظ بھی قرینہ ہے کہ ایسے گناہ مراد ہیں جو ظاہر ہو جاتے ہیں لہذا یہ چار قرینے اور دلیلیں ہیں اس بات پر کہ من اصاب ذٰلك شيئًا سے مراد غیر شرک ہے۔

حدود کفارہ ہیں یا نہیں

اب دوسری بڑی اہم بحث یہ ہے کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں حد سرقہ، حد زنا، حد قذف کسی کو لگتی ہے حد قطاع طریق کسی کو لگتی ہے آیا یہ حد اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے یا الگ سے توبہ کرنی پڑتی ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ حدود کفارہ ہیں اور ساتر ہیں ساتر کا مطلب ہے کہ وہ گناہ چھپا دیتی ہیں ختم کر دیتی ہیں لہذا امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ حدود ساتر ہیں لہذا چور کے اگر ہاتھ کٹ گئے زانی کو کوڑے لگ گئے بس معافی ہو گئی تو حدود ساتر ہیں اور کفارہ ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں بلکہ زواجر ہیں یعنی اس کو اور لوگوں کو آئندہ روکنے کے لیے ہیں پچھلے گناہ کی معافی کے لیے توبہ چاہیے لہذا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زواجر ہیں ساتر نہیں تو امام شافعیؒ کے ہاں ساتر ہیں اور کفارہ ہیں الگ سے توبہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے بخاری کی ومن اصاب ذٰلك شيئًا فعوقب فی الدنیا دنیا میں سزا دے دی گئی **فهو کفارة له** اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل (۱) قطاع الطریق کی آیت ہے وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ (المائدة:۳۳) چار سزائیں بیان کی ہیں اس سے آگے جا کر کہا

ذلك لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الأخرة عذاب عظیم یہ جوان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے یا ان کو قتل کیا گیا یا سولی لٹکایا گیا یا ان کو قید کیا گیا ذلك لهم خزی فی الدنیا یہ دنیا میں ان کی سزا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب ہے الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم مگر جو توبہ کرلے قابو آنے سے پہلے تو توبہ کو الگ سے بیان کیا گیا معلوم ہوا کہ خالی حد لگنے سے معافی نہیں ہوگی ورنہ ولهم فی الأخرة عذاب عظیم کا کیا مطلب ہے۔

دلیل نمبر ۲ آیت سرقہ ہے والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما (المائدۃ:۳۸) اللہ تعالیٰ نے قطع ید کو نکالا من اللہ کہا نکال اس سزا کو کہا جاتا ہے جو بطور تنبیہ کے ہو اور لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے ہو تو نکال کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ یہ زواجر ہیں اور آگے پھر ہے فمن تاب من بعد ظلمه واصلح جس نے اس ظلم کے بعد اس چوری کے بعد ہاتھ کاٹنے کے بعد اس میں فاء تعقیبیہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے فوراً بعد فمن تاب من بعد ظلمه واصلح اب اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے تو یہاں توبہ کو الگ ذکر فرمایا ہے ہاتھ کاٹنے سے توبہ نہیں ہوگی بلکہ کہا فمن تاب من بعد ظلمه توبہ کرے۔

دلیل نمبر ۳ آیت قذف والذین یرمون (النور:۴) اس میں بھی آگے جا کر آتا ہے الا الذین تابوا واصلحوا جو کسی پر جھوٹا الزام لگائے تو اسے کوڑے مارے جائیں مگر وہ جو توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے یہاں بھی توبہ کا بیان الگ ہے۔

یہ تین دلیلیں قرآن مجید کی نصوص ہیں جو بالکل واضح طور پر اس بات کی دلیل ہیں کہ حدود کفارہ نہیں ہیں جب تک توبہ نہیں کرے گا پچھلا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

دلیل نمبر ۴ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور بالکل صحیح روایت ہے بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں فرمایا لاادری الحدود کفارۃ ام لا فرمایا مجھے معلوم نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور امام حاکم لائے ہیں اور انہوں نے کہا ہے صحیح علی شرط الشیخین۔

دلیل نمبر ۵ پانچویں دلیل کہ اتی بسارق الی النبی ﷺ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا کہ اس نے چوری کی ہے آپ نے دریافت فرمایا تو اس نے اقرار کرلیا کہ میں نے چوری کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ شاید چوری نہ کی ہو اس نے کہا نہیں میں نے چوری کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اذهبوا به فاقطعوه واحسموه اس کو لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ دو اور اس کے ہاتھ کو داغ دو ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ نے بتلایا چونکہ آپ کے وطن شرقی ترکستان میں اسلامی نظام ہوتا تھا تو فرماتے تھے کہ کڑاہی میں تیل ابالا جاتا تھا ہاتھ کاٹنے کے فوراً بعد اس میں ڈال دیتے تھے جس سے رگیں بند ہو جاتیں تھیں پھر اس پر کوئی دوائی وغیرہ لگاتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا ثم ایتونی به پھر میرے پاس لاؤ جب اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تب

الی اللہ توبہ کر اس نے کہا تبت الی اللہ آپ ﷺ نے فرمایا تاب اللہ علیك اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی۔

یہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے یہ پانچ دلائل ہیں اس بات پر تین قرآن مجید کی آیتیں اور دو حدیثیں کہ حدود کفارہ نہیں ہیں۔

بخاری شریف کی روایت کا جواب

پھر اس روایت کا کیا مطلب ہے فھو کفارۃ لہ تو احناف یہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ ؓ کی روایت بعد میں اور یہ روایت پہلے ہے کیونکہ یہ لیلۃ العقبہ کی روایت ہے لہذا اگر کفارہ ہی مراد ہے تو منسوخ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ فعوقب فی الدنیا سے مراد یہاں آفات سماوی اور مصائب ہیں حدود نہیں گناہ کیا مصیبت میں مبتلا ہو گیا اس مصیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو معاف کر دیا تو عوقب فی الدنیا سے مراد مصائب او ر آلام ہیں لہذا اس کے تناظر میں مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدود بھی ایک طرح کی مصیبت ہے لہذا اس سے بھی کچھ گناہ معاف ہو جاتا ہے ہاں اگر اس میں ندامت بھی ساتھ شامل ہو جائے تو وہی سزا اس کے لیے کفارہ بھی بن جائے گی لیکن اصل چیز ندامت ہے کیونکہ التوبۃ الندم کیونکہ توبہ نام ندامت کا ہے تو سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ من وجہ حدود ایک مصیبت ہے یہ کچھ نہ کچھ کفارہ اور معافی کا ذریعہ بن جاتیں ہیں جس طرح دوسری مصیبتیں بنتی ہیں اور اگر ندامت موجود ہو تو کلی معافی ہو جائے گی یہ مراد ہے اس سے فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ سے اور ستر ۃ اللہ جو ان میں سے کوئی کام کرے اور اللہ تعالیٰ چھپا لے چھپانے سے مراد ہے کہ دنیا میں سزا نہ دے اس کو چھوڑ دے رکھیں اس کی نالائقی کے باوجود چھوڑے رکھے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے معاف کرے یا نہ کرے۔

ایک اعتراض

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ ستر ۃ اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے الا عوقب فی الدنیا حدود ہی ہے اس لیے کہ جو مصیبتیں وغیرہ آتی ہیں ان میں بھی ایک طرح کی شان ستاری ہوتی ہے کسی کو کیا پتا کہ یہ مصیبت اس لیے آ رہی ہے کہ فلاں گناہ کیا ہے لہذا ستر تو وہاں بھی ہے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ایسے موقع پر پکڑتے ہیں کہ ہر آدمی کہتا ہے کہ اسے فلاں چیز کی سزا ملی لہذا ستر ۃ اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہیں فرماتے دنیا میں اس کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتے تو معاملہ آخرت میں چلا جاتا ہے

باب من الدین الفرار من الفتن

فتنوں سے دور بھاگنا دین میں داخل ہے

حدیث

حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالك عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعة عن ابیه عن ابی سعید الخدری انه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن۔

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ دن قریب ہے جب مسلمان کا سب سے بہتر مال ایسی بکریاں ہوں جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور پانی گرنے کی جگہوں پر چلا جائے تا کہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کر سکے۔

حدیث پر بحث

حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن عبدالرحمن ....بدینه من الفتن امام بخاری نے یہ باب بھی ترو ک کے قبیل سے بنایا ہے کہ انسان کو جہاں پر فتنہ ہو وہاں نہ ٹھہرے وہاں سے فرار اختیار کرے اور فتنوں سے فرار دین کے بقدر ہوگا جس کا دین جتنا زیادہ ہوگا وہ اتنا فتنوں سے دور رہے گا اور اتنا اس کا فرار ہوگا کیونکہ دین اور ایمان امام بخاری کے ہاں ایک ہیں لہذا اس سے دین میں کمی زیادتی کی طرف اشارہ ہے تو ایمان میں بھی کمی زیادتی ثابت ہو جاتی ہے۔

من الدین الفرار من الفتن دین میں سے یہ ہے کہ فتنوں سے فرار ہونا یہ بھی دین کا جزء ہے دین کا حصہ ہے من تبعیضیه بنایا ہے امام بخاری ؒ نے یعنی من اجزاء الدین الفرار من الفتن فتنوں سے دوڑنا اور بعض نے کہا ہے کہ من ابتدائیه ہے کہ دین کی وجہ سے دوڑتا ہے آدمی میں دین ہوتا ہے تو فتنوں سے بھاگتا ہے۔

بہر حال روایت میں آرہا ہے یوشك ان یکون خیر مال المسلم قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال خیر مال المسلم یکون کی خبر ہے اور غنم اُس کا اسم بعد میں آرہا ہے قریب ہے مسلمان کا بہترین مال غنم بکریاں ہوں یتبع بها شعف الجبال جن کے پیچھے وہ پھرتا ہے پہاڑوں کی چوٹیوں پر شعف چوٹیاں ومواقع القطر اور وادیوں میں بارش کے گرنے کی جگہوں میں یفر بدینه من الفتن بھاگا ہوا ہے دین کی وجہ سے فتنوں سے یعنی فتنوں سے بھاگنے کے لیے جنگلوں کی

زندگی اختیار کرلے خلوت گزینی اور عزلت نشینی اختیار کرلے اور لوگوں اور آبادیوں میں رہنا چھوڑ کر جنگلوں میں چلا جائے۔

غنم سے مراد بکریاں نہیں ہیں بلکہ اسباب معیشت کہ ہلکے پھلکے رکھے ہوئے ہوں تا کہ ادھر ادھر منتقل ہونے میں آسانی ہو۔ اتنا کاروبار نہیں پھیلا ہوا کہ بھاگنا مشکل ہو جائے تو غنم بکریاں کیونکہ بکری ایسا جانور ہے کہ انسان اس کو قابو میں رکھتا ہے اور یہ انسان کے سامنے جھکا رہتا ہے اور مسکین جانور ہے تو مراد ہے ہلکا پھلکا سباب معیشت جس سے اپنا تھوڑا بہت گزر اوقات کرتا ہے یفر بدینہ من الفتن تو سب سے بھاگتا ہے دین کی وجہ سے کیونکہ اس کا دین اسے مجبور کر رہا ہے کہ بھاگ فتنوں سے باء سببیہ ہے اور بعض محدثین نے کہا باء معیت کے لیے یفر بدینہ دوڑتا ہے اپنے دین کو ساتھ لے کر یعنی دین کو بچانے کے لیے دین کو لے کر بھاگا پھرتا ہے۔

اس روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے جو پیشین گوئی دی ہے یہ بالکل قرب قیامت کے حالات ہیں جب قیامت بہت زیادہ قریب ہوگی تو یہ حالات پیش آئیں گے اور اس طرح فتنے آئیں گے جس طرح اندھیریاں آتی ہیں اور لوگوں کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہوگی اس وقت یہی ہے کہ اپنے آپ کو فتنوں سے بچاؤ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ گھر میں رہنے والا باہر والے سے بہتر اور لیٹا ہوا بیٹھے سے بہتر اور بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر اور کھڑا چلنے والے سے بہتر اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر کہ جو جتنا نقل و حرکت کرے گا اتنا فتنوں میں پھنسے گا اور جو جتنا دور رہے گا اور اکیلا پن اور خلوت کرے گا اتنا محفوظ رہے گا۔

فرار کی اقسام

یہ فرار تین قسم کا ہوتا ہے ایک فرار ہوتا ہے دیار کفر سے دیار اسلام کی طرف جسے ہجرت کہا جاتا ہے یہ بھی فرار ہے کہ الفرار من دیار الکفر الی دیار الاسلام دوسرا فرار ہوتا ہے کہ فاسق فاجر لوگوں کی بستی سے نیک لوگوں کی بستی میں آئے الفرار من البلد الفاسق الی البلد الصالح اور تیسرا فرار ہے الفرار من مجلس السؤ الی مجلس الخیر فاسقوں کی مجلس سے نیکوں کی مجلس میں آجائے یہ بھی فرار ہے یہ تین قسم کا فرار اور ایک فرار بندہ عرض کرتا ہے گندے خیالات سے اچھے خیالات کی طرف آئے۔

قلب اور قالب دونوں کے ساتھ بھاگے قلب بھی بھاگے اور قالب بھی بھاگے یہ نہیں کہ قلب وہاں چھوڑ آئے اور قالب لے آئے اس کی کوئی قیمت نہیں قلب اور قالب دونوں کے ساتھ فرار الی اللہ اختیار کرے جیسے قرآن مجید نے کہا ہے کہ ففروا الی اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو۔ ای ففروا عما سوی اللہ الی اللہ کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو۔

فرار کس کے لیے؟

یہ صورت فرار کی دین بچانے کی اس انسان کے لیے ہے جو آدمی معاشرے میں رہ کر اصلاح اور تربیت کا کام نہیں کر سکتا اور

فتنوں کا دفیعہ نہیں کر سکتا مگر جو ایسا نہیں خاص طور پر عالم دین جس کے پاس علم ہے اور لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا وہ جو دین والے ہیں اور اس کے سہارے پر اپنے دین کو قائم رکھ سکتے ہیں تو اس کے لیے اجازت نہیں ہے کہ وہ فرار اختیار کرے یہ فتنوں کا دفیعہ کرنا اور معاشرے میں رہنا سا اوقات فرض عین اور سا اوقات فرض کفایہ بن جاتا ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر خلوت گزینی اور عزلت نشینی افضل ہے جیسا کہ اس حدیث میں کہا گیا۔

عام حالات کا حکم

عام حالات میں کیا حکم ہے جیسے آج کل کے حالات میں فتنوں کا وہ زور نہیں ہے اس لیے کہ لوگوں کی اصلاح بھی ہو رہی ہے اور لوگوں میں دینی جذبہ بھی ہے وہ چیز نہیں ہے جس کو حدیث نے بتایا کہ اصلاح احوال مشکل ہو جائے اور دن بدن ابتری آتی جائے تو ان عام حالات میں کیا چیز افضل ہے ہمارے ائمہ اربعہ کے ہاں سوسائٹی میں رہنا اور لوگوں میں رہنا اور محبت سے رہنا مل جل کر رہنا افضل ہے اکیلے رہنے سے اس لیے کہ وہاں انسان سیکھتا بھی ہے اور سکھاتا بھی ہے کیونکہ جب مل جل کر رہے گا تو کچھ باتیں آپ کو معلوم ہیں ساری باتیں تو کسی کو معلوم نہیں ہوتیں اور کچھ دوسروں کو معلوم ہوں گی تو وہ آپ سے آپ ان سے سُنو گے معلومات زیادہ ہوں گی اس لیے ہمارے حضرت والا ؒ بھی فرماتے تھے عالم دین ہو چاہے شیخ بن جائے اپنے ہم نشینوں سے ملتا رہے اپنے برابر کے جو دوست یا ساتھی ہیں یا علماء ہیں ان سے ملاقات رکھے تو بہت سی باتیں آپ کے سامنے آتی رہیں گی آپ کو سیکھنے کا موقعہ بھی ملے گا اور سکھانے کا بھی اگر اکیلا رہے گا تو اس کا نقصان ہو گا لیکن بعض محدثین نے کہا ہے کہ ہر زمانے میں اکیلا رہنا افضل ہے اختلاط سے لیکن اس میں دو شرائط ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس نیت سے خلوت اختیار کرے کہ مجھ سے کسی کو ایذا نہ پہنچے اس لیے نہیں کہ میں لوگوں سے بچوں لوگ برے ہیں یہ کبر ہے بلکہ اس نیت سے کہ میں برا ہوں لوگوں کو برا کروں گا اس سے بہتر ہے کہ میں اپنی برائی الگ ہی سمیٹ کر بیٹھا رہوں اس کے دل میں یہ خیال رہنا چاہیے اور دوسرا عبادت کے بارے میں معرفت رکھتا ہو نماز کیسے پڑھنی ہے اور روزہ کیسے رکھنا ہے وظائف عبودیت سے اچھی طرح واقف ہو جاہل نہ ہو بعض لوگوں نے اس کو افضل قرار دیا ہے لیکن اکثریت اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ عام زمانے میں اختلاط افضل ہے سوسائٹی میں رہنا افضل ہے۔

شیخ دباغ رحمہ اللہ کا واقعہ

شیخ دباغ ؒ جو بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں انہوں نے خود لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں کوئی بزرگ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو کرامت دی تھی پانی پر چلنے کی انہوں نے کہا آؤ سیر کو چلیں ہم سمندر کے اوپر پانی پر چلتے رہے. بہت فاصلہ طے کیا ایک جزیرے پر پہنچے وہاں پر ایک آدمی نماز میں کھڑا تھا اور بغیر رکوع کے سجدے کرتا تھا اور اس کے پاس پیسوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جو

بحری جہاز گزرتے تھے وہ سکے پھینکتے تھے نذرانے کے طور پر اور وہ کھڑا نماز پڑھتا رہتا تھا تو ہم لوگ دیکھتے رہے کہ عجیب نماز ہے خیر اس سے ملاقات کی سلام وغیرہ کیا اس نے کہا میں مسلمان ہوں اور بس یہاں خلوت اختیار کر لی ہے اور اللہ کی عبادت کرتا ہوں بزرگ نے کہا آپ کی تو نماز صحیح نہیں ہے کہ آپ رکوع نہیں کرتے آپ کو نماز سیکھنی چاہیے تو لڑ پڑا کہ تم کون ہوتے ہو تو ہم سمجھ گئے کہ اب بالکل پختگی آگئی ہے گمراہی میں ہم نے کہا یہ پیسے ہیں آپ کے کام کے ہیں اس نے کہا میرے کس کام کے لے جاؤ ہم لوگ بال بچے دار تھے ہم نے پیسوں کی بوری بھر لی اور گھر آگئے تو انہوں نے اس نکتے پر واقعہ لکھا ہے کہ اختلاط کتنا فائدہ دیتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا واقعہ

کبھی کبھی ایک عالم کو ایک عام آدمی متنبہ کر دیتا ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ حج پر گئے تو سر منڈوانے کی باری آئی تو نائی سے کہا ادھر (بائیں طرف) سے شروع کرو تو اس نے کہا آپ نے ابو حنیفہؒ کی کتاب نہیں پڑھی انہوں نے لکھا ہے کہ دائیں طرف سے شروع کرو جب حلق کیا جائے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں نے ہی لکھی ہے اور میرے ذہن سے ایسی نکلی تو اس نائی نے انہیں متنبہ کیا یہ ہے اختلاط کا فائدہ کہ اگر انسان خیر چننا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے سب میں خیر رکھی ہے وہ اس میں سے خیر کو چن سکتا ہے اور لے سکتا ہے خاص طور پر علماء ربانیین موجود ہوں تو پھر ان سے تو بہت فائدہ حاصل کر سکتا ہے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب فتنے زور پر نہ ہوں تو پھر اس آدمی کو معاشرے میں رہنا چاہیے جو فتنوں کا دفیعہ کر سکتا ہے اور اصلاح و ارشاد کا کام کر سکتا ہے تو پھر اس پر فرض عین یا فرض کفایہ ہو جاتا ہے۔

اہم فیصلہ

لیکن بعد میں محدثین نے اس مسئلے پر بحث کرتے کراتے فیصلہ یہ کیا کہ یہ اس شہر اور ملک کے حالات اس آدمی کی اپنی کیفیات اور اس زمانے کے حالات پر اس کا مدار ہے لہٰذا کلی طور پر کوئی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا کہ فلاں چیز ہی افضل ہے ہر آدمی اپنے حالات کو دیکھ لے اور زمانے کے حالات کو دیکھ لے اور اس ملک کی سوسائٹی کو دیکھ لے کہ اس کے اندر وہ کیا کر سکتا ہے اپنا فیصلہ خود کر لے کہ اس وقت مجھے خلوت اختیار کرنی چاہیے یا لوگوں میں رہنا چاہیے کیونکہ ہر آدمی کے حالات اور کیفیات الگ ہیں بظاہر وہ صاحب منصب بھی ہے لیکن اس فتنے سے اسے شدید نقصان پہنچ رہا ہے اور وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا لہٰذا وہ خود فیصلہ کرے میں اور آپ یا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتا تو محدثین نے ساری بحث کرنے کے بعد فیصلہ اور نتیجہ یہی نکالا ہے کہ بعض آدمی ہر فتنے کا مقابلہ کر لیتے ہیں لیکن بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا وہ خود شکار ہو جاتے ہیں مثلاً بعض حسن کے فتنے سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں بعض مال کے فتنے سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں بعض سرداری کے فتنے میں پھنس جاتے ہیں بعض علم کے فتنے میں پھنس جاتے

ہیں خود امام غزالیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ منطق و رفلسفے کو رد کرنے کے لیے اٹھے لیکن خود منطق و رفلسفہ میں پھنس گئے نکل نہیں سکے یہاں تک کہ بغداد سے جانے کے بعد سات سال تک دمشق کی جامع مسجد میں خلوت اختیار کی سات سال کے بعد" احیاء العلوم" لکھی اور پہلی حالت کو جبکہ بغداد میں امام غزالیؒ کا ڈنکہ پٹتا تھا اس کو گمراہی قرار دیا اور المنقذ من الضلال کتاب لکھی۔

یفر بدینه من الفتن اس حدیث سے امام بخاریؒ کی بات جزئیت اعمال ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں پر بدینہ لفظ باء ہے یہاں پر من نہیں ہے امام بخاریؒ نے استنباط کرنے کی کوشش کی ہے کہ فرار من الفتن مراد ہے لیکن یہاں پر حدیث تائید نہیں کرتی کیونکہ اس میں لفظ "ب" ہے۔

باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ وان المعرفة فعل القلب

لقول اللہ تعالیٰ ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم

باب نبی کریم ﷺ کا قول کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا جاننے والا ہوں اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "لیکن اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے بارے میں تم سے مؤاخذہ کرے گا جن کا تمہارے قلوب نے کسب کیا ہے۔"

حدیث

حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا امرهم امرهم من الاعمال بما يطيقون قالوا انا لسنا كهيئتك يا رسول الله ان الله قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر فيغضب حتىٰ يعرف الغضب فى وجهه ثم يقول ان اتقاكم واعلمكم بالله انا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب صحابہ کو حکم فرماتے تو ایسے اعمال کا حکم فرماتے تھے جن کو وہ کرسکتے ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گزشتہ اور آیندہ کی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے اس پر آپ غصہ ہوئے حتیٰ کہ غصہ آپ کے چہرہ مبارک سے عیاں ہوا پھر آپ فرماتے کہ تم میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا "میں" ہوں۔

شرح باب

استاذ گرامی مفتی ولی حسن ٹونکیؒ فرماتے تھے کہ یہ مرکب ترجمۃ الباب ہے اس وجہ سے کہ انا اعلمکم باللہ۔ وان المعرفة

فعل القلب یہ دو الگ الگ حصے ہیں۔

علم اور معرفت کا باہمی گہرا ربط ہے اس ترجمۃ الباب کا ماقبل سے تعلق بیان کرتے ہوئے علامہ عبید اللہ سندھی فرماتے تھے کہ علم باللہ اور معرفت قلبی سے ہی فرار ہوتا ہے جتنا علم باللہ اور معرفت قلبی ہوگا اتنا ہی فرار فتنوں سے ہوگا۔

ترجمۃ الباب باندھنے کی وجوہات

پہلی وجہ

امام بخاری پہلی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ علم باللہ اور معرفۃ قلب کے مطابق ایمان ہوتا ہے جیسا علم اور معرفت ہوگی ویسا ہی ایمان ہوگا اس لیے کہ پہلے فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (محمد:۱۹) ہے پھر استغفار کا حکم ہے علم باللہ بھی ایمان ہے اور معرفۃ باللہ بھی ایمان ہے معرفۃ باللہ اور علم باللہ میں درجات ہیں لہذا ایمان کے بھی درجات ہیں اور درجہ والی چیز گھٹتی بڑھتی ہے لہذا ایمان بھی گھٹتا بڑھتا ہے امام بخاری ایمان کی کمی زیادتی کو ثابت کر رہے ہیں۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری فرقہ کرامیہ پر رد کر رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار لسانی کا نام ہے حالانکہ صرف اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ فعل قلب اور معرفۃ قلب کا ہونا بھی ضروری ہے تو فرقہ کرامیہ کا رد کیا ہے۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری فرما رہے ہیں کہ معرفت اختیاری چاہیے اضطراری نہ ہو یعنی قلب اپنے کسب سے اس شے کو سمجھتا ہو اور یقین رکھتا ہو تو امام بخاری ساتھ ساتھ فرقہ جہمیہ کا بھی رد کر رہے ہیں جو یہودیوں اور منافقین کو بھی مومنین میں شمار کرتے ہیں لہذا معرفت اضطراری مقولہ کیف میں سے ہے اور اختیاری مقولہ افعال میں سے ہے۔ صحابہ کرام نے قلب اختیاری کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام کو پہچانا تھا اور یہودیوں نے قلب اضطراری کی وجہ سے پیغمبر کو پہچانا تھا۔

حضرت تھانوی کا فرمان

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ افعال غیر اختیاری کے پیچھے کبھی نہ پڑنا بلکہ اختیاری کے پیچھے پڑو (ذکر کرتے وقت نور کا نظر آنا یہ غیر اختیاری ہے)

چوتھی وجہ

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایمان کا مدار ظاہری اعمال پر نہیں بلکہ قلبی اعمال پر ہے اگر علم باللہ اور معرفت باللہ اعلیٰ حاصل ہے تو دو رکعت نماز کروڑ کے برابر ہے قرآن پاک میں جو علم مانگا گیا کہ رب زدنی علما (طٰہٰ:۱۱۴) یہ دل کا علم مانگا گیا ہے حالانکہ علم ظاہری تو پہلے ہی پورا ہو چکا تھا آیت الیوم اکملت لکم دینکم (المائدۃ:۳) اترنے کی وجہ سے لیکن دل کا علم ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے دنیا میں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی ثابت ہوا کہ علم اور معرفت کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے پہلے علم آتا ہے پھر علم کے بعد معرفت ہوتی ہے پھر معرفت کے بعد محبت ہوتی ہے محبت کے بعد اطاعت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کا فرمان

حضرت حکیم صاحبؒ فرماتے تھے کہ معرفت کے لیے مُعرِّف چاہیے بغیر معرف کے معرفت نہیں ہوتی۔

نکتہ

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قلب بھی فعل کرتا ہے۔

دلیل۔ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (البقرۃ:۲۲۵) کسب کا لفظ اعضاء کے افعال پر بولا جاتا ہے یہاں پر دل کے لیے کسب کا لفظ بولا گیا ہے۔

آیت مبارکہ لانے کی دو وجوہات

پہلی وجہ آیت مبارکہ لانے کی یہ ہے کہ امام بخاریؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دل بھی کسب کرتا ہے ایمانیات میں قلب کا کسب چاہیے ورنہ ایمان نہ ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زید بن ارقمؓ تابعی نے آیت کی تفسیر کی ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ ان فعلت کذا فانا کافر دل کے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر میں یہ کام کروں تو میں کافر ہو جاؤں اس صورت میں اگر وہ کام کرے گا تو کافر ہو جائے گا اگر اوپر اوپر سے کہے گا تو کافر نہیں ہوگا زید بن ارقمؓ نے ایمان اور کفر کی مثال دے کر بات سمجھائی ہے اس لئے امام بخاریؒ اس آیت کو ایمان کی بحث میں لائے۔

شرح حدیث

یہ وہ حدیث ہے کہ جب صحابہؓ نے شرطیں لگا لی تھیں ایک نے کہا تھا کہ میں شادی نہیں کروں گا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ

عبادت کروں گا تیسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے پیغمبر علیہ السلام کو اطلاع کردی آپ ﷺ نے نہیں بلایا اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں عبادت بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں صحابہ ؓ کا جوش تھا پیغمبر علیہ السلام نے ان کے جوش کو ختم کردیا فرمایا کہ جتنی معرفت ہوگی اتنا ہی فرمانبردار ہوگا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا تم ایسا عمل کرو جو دائمی ہو موت تک ہو اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اعمال میں توسط ہے تم بھی توسط اختیار کرو شریعت کا مدار علم باللہ اور معرفۃ باللہ پر ہے کثرت اعمال پر نہیں۔ اِنَّ اتقاکم واعلکم باللہ انا پہلے لفظ میں آپ ﷺ کی قدرت عملیہ کا بیان ہے اور دوسرے میں قدرت علمیہ کا بیان ہے۔

ذنب سے مراد

ذنب سے مراد خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہے پیغمبر علیہ السلام نے فاضل پر عمل کیا افضل کو چھوڑ دیا تو ذنب کی نسبت پیغمبر علیہ السلام کی طرف کردی گئی ہر ایک کی خطاء اس کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔

مثال: جیسے بدر کے قیدیوں کے بارے میں افضل یہ تھا کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال:۶۷) اور فدیہ لے کر چھوڑنا یہ فاضل تھا فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد:۴)

پیغمبر علیہ السلام نے افضل کو چھوڑ کر فاضل پر عمل کرلیا یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کی معافی کا اعلان کردیا باقی پیغمبروں کی معافی کا اعلان نہیں ہوا اگرچہ معاف سب کو کردیا گیا قیامت کے دن ہر نبی نفسی نفسی کہے گا حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب نفسی نفسی کہیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ مطمئن ہوں گے کیونکہ دنیا ہی میں معافی کا اعلان پہلے ہوچکا تھا پیغمبر علیہ السلام کو شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہوگا دربار الٰہی میں جانے سے جھجک محسوس نہیں کریں گے اس لیے ہر پیغمبر آپ ﷺ کی خدمت میں جانے کا مشورہ دے گا۔

باب من كره ان يعود فى الكفر كما يكره ان يلقى فى النار من الايمان

باب جو کفر میں جانا اس طرح ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں پھینکا جانا تو یہ ایمان ہی سے ہے

حدیث

حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما ومن احب عبدا لا يحبه الا لله ومن يكره ان يعود فى الكفر بعد اذ انقذه الله كما يكره ان يلقى فى النار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی شیرینی پالے گا جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہوں اور جو شخص کسی بندے سے محبت کرے تو وہ صرف اللہ کے لیے کرے اور جو شخص کفر سے نکلنے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح برا سمجھتا ہو جس طرح آگ میں ڈالا جانا۔

حدیث پر بحث

امام بخاری ؒ نے یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ کفر کی کراہت اور نفرت بھی ایمان کا شعبہ ہے اور حلاوت ایمانی کا ذریعہ ہے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ ان لوگوں پر رد کر رہے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ کفر سے نفرت ایمان کے بعد ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ایمان کا شعبہ ہے۔

باب تفاضل اهل الايمان فى الاعمال

اعمال کی وجہ سے اہل ایمان کے درمیان فرق مراتب

حدیث

حدثنا اسماعيل قال حدثنى مالك عن عمرو بن يحيى المازنى عن ابيه عن ابى سعيد الخدرى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم يقول الله اخرجوا من كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فيخرجون منها قد اسودوا فيلقون فى نهر الحيآء او الحياة شك مالك فينبتون كما تنبت الحبة فى جانب السيل الم تر انها تخرج صفرآء ملتوية. قال وهيب حدثنا عمرو الحياة وقال خردل من خير۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہوجائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دوزخ سے اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو چنانچہ ایسے لوگ بالکل سیاہ ہو چکنے کے بعد اب جہنم سے نکالے جائیں گے پھر وہ بارش کی نہر یا زندگی کی نہر میں ڈال دیے جائیں گے (یہ شک امام مالک کا ہے) پھر وہ لوگ اس طرح بڑھنے لگیں گے جس طرح سیلاب کے ایک کنارے میں دانہ اُگنے لگتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اول اول زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ وھیب نے (عن عمرو کی جگہ حدثنا عمرو (اور بغیر شک کے) نہر الحیاۃ کہا ہے اور (خردل من الایمان کی جگہ) خردل من خیر کہا ہے۔

حدیث

حدثنا محمد بن عبیداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف انہ سمع ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رأیت الناس یعرضون علیّ وعلیھم قمص منھا ما یبلغ الثدیّ ومنھا ما دون ذالک وعرض علیّ عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فما اوّلت ذالک یا رسول اللہ قال الدین۔

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور وہ طرح طرح کی قمیص پہنے ہوئے ہیں بعض سینے تک پہنچتی ہیں اور بعض اس سے نیچے اور عمر بن الخطاب اس حال میں میرے سامنے لائے گئے کہ وہ اپنی قمیص کو کھینچتے تھے صحابہ نے عرض کیا آپ نے اس کی تاویل کیا فرمائی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دین۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری ؒ اس ترجمۃ الباب سے تین مقاصد حل کرنا چاہتے ہیں پہلا مقصد یہ ہے کہ اعمال کے اعتبار سے ایمان والوں میں درجات ہیں کہ کسی کا عمل زیادہ ہے کسی کا عمل کم ہے تو اعمال کے اعتبار سے درجات ہیں اعمال چونکہ ایمان کا حصہ ہیں تو ایمان کے اعتبار سے بھی درجات ہیں تفاضل اھل الایمان اہل ایمان کا ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہونا فی الاعمال اعمال میں تو اعمال کے اعتبار سے درجات کو ثابت کر رہے ہیں نفس ایمان میں نہیں بلکہ مومنین میں اعمال کے اعتبار سے یعنی موصوف بالایمان جو لوگ ہیں ان میں درجات ہیں اعمال کے اعتبار سے۔

دوسرا امام بخاری مرجئہ پر رد کر رہے ہیں جو اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں حالانکہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ جہنم میں ڈالا جائے گا ان ایمان والوں کو جن کے اعمال خراب ہوں گے اور پھر وہاں سے سفارشوں کے ذریعے سے نکلیں گے۔

تیسرا معتزلہ پر رد ہے جو عاصی کو مخلد فی النار کہتے ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یہاں پر روایت آرہی ہے کہ ان کو نکالا جائے گا سفارش کے ذریعے انبیاء علیہم السلام، ملائکہ پھر علماء و شہداء کی اور خود اللہ تعالیٰ اپنی شان کرم کے ذریعے جہنم سے نکالیں گے۔ یہ تھے مقاصد امام بخاری رحمہ اللہ کے اس ترجمۃ الباب سے اب ان اشکالات کا ذکر ہے جو اس ترجمۃ الباب پر وارد ہوئے ہیں۔

ترجمۃ الباب پر اشکالات

اس ترجمۃ الباب پر چار اشکال ہیں۔

(۱) **پہلا اشکال** یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب باندھا **باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال** کہ اعمال کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے حالانکہ شروع کتاب میں **یزید و ینقص** کہہ کر یہ بحث کی ہے تو یہاں دوبارہ لانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) **دوسرا اشکال** **باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال** پہلا باب باندھا ہے تو صفحہ نمبر ۱۱ پر **باب زیادۃ الایمان ونقصانہ** دوبارہ باب باندھا ہے ان دونوں ابواب میں تکرار ہے حالانکہ **باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال** آگیا پھر **باب زیادۃ الایمان ونقصانہ** دوبارہ کر کے لانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) **تیسرا اشکال** یہ ہے کہ یہاں پر باب باندھا ہے **تفاضل اهل الایمان فی الاعمال** کہ اہل ایمان کا اعمال میں ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہونا اور اس کے تحت جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں اس میں اعمال کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس میں آتا ہے **مَن کان فی قلبہ مثقال حبۃٍ من خردلٍ من ایمان** کہ جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو تو جو روایت لا رہے ہیں ترجمۃ الباب کے تحت اس روایت میں اعمال کا ذکر نہیں ہے تو یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے۔

اور اس کے برخلاف صفحہ نمبر ۱۱ پر جو باب ہے **باب زیادۃ الایمان ونقصانہ** اس کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں اس میں آتا ہے لفظ **من خیرٍ** اور خیر عمل کو کہتے ہیں **أو کسبت فی ایمانها خیراً** تو صفحہ نمبر ۱۱ پر جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں عمل کا ذکر ہے اس میں ایمان کا ذکر نہیں ہے حالانکہ ترجمۃ الباب **زیادۃ الایمان ونقصانہ** ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا

ہےاور اس روایت میں اعمال کاذ کر آتا ہے حضرت انس ؓ کی روایت اس ترجمۃ الباب کے موافق نہیں ہےاور ابو سعید خدری ؓ کی روایت اس ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے۔

(۴) چوتھا اشکال یہ ہے کہ دونوں روایتوں کے جو متابع ہیں وہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہیں **قال وھب حدثنا عمرو الحیاۃ وقال خردل من خیر** یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کا متابع ہے **خردل من خیر** ایمان کے لفظ کی بجائے خیر کا لفظ ہے تو یہ متابع ترجمۃ الباب کے مطابق ہے اور اسی طرح جو حضرت انس کی روایت کا متابع ہے اس میں من ایمان کا لفظ ہے وہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہے تو جو متابع لائے ہیں دونوں بابوں میں وہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہیں اور جس روایت کو متن بنایا ہے وہ ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے یہ چار اشکال ہیں۔

اشکالات کے جوابات

جواب نمبر ۱: پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے شروع میں **یزید وینقص** کی بات اجزائے ایمان کی بحث کرتے ہوئے کی ہے تو تبعاً اس کا بیان ہے قصداً ذکر نہیں کیا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے **بنی الاسلام علی خمس وھو قولٌ وفعلٌ ویزید وینقص** لیکن یہاں پر امام بخاری بالقصد اس مسئلے کو چھیڑ رہے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے ضمناً اور قصداً کا فرق ہے۔

جواب نمبر ۲: دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ باب اور جو گیارہ نمبر صفحے پر ہے ان میں فرق صاف ظاہر ہے کہ یہ تفاضل ہے اعمال کے اعتبار سے اور وہ زیادتی و نقصان ہے نفس ایمان کے اعتبار سے یا اس عنوان سے کہ یہاں مومنین بالاعمال کاذکر ہے اور وہاں صفت کاذکر ہے کہ یہاں مومنین کے درجات کا بیان ہے اور وہاں نفس ایمان کے درجات کا بیان ہے لہذا دونوں بابوں میں فرق ہے ایک میں موصوف کاذکر ہے اور ایک میں صفت کاذکر ہے یا ایک میں اعمال کاذکر ہے اور ایک میں نفس ایمان کاذکر ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے جبکہ معمولی سے فرق سے ترجمۃ الباب بدلا جا سکتا ہے۔

جواب نمبر ۳: تیسرا اشکال کہ دونوں روایتیں اپنے اپنے ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہیں اس میں بہت سے لوگوں نے چکر کھایا اور ابن حجر عسقلانی ؒ نے بڑا زور لگایا دیگر شراح نے بھی لیکن اس مسئلے کو صحیح طور پر حل نہیں کر سکے اس کو پھر حل کیا خاتمۃ المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ نے اور واقعی انہوں نے عجیب بات کی ہے ابن حجر ؒ زندہ ہوتے تو قائل ہو جاتے وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری ؒ کی ایک عادت ہے کہ اپنی کتاب میں جو کوئی روایت لائے ہیں وہ اپنی شرائط کے مطابق

لائے ہیں لیکن کبھی کبھی وہ مختصر روایت لاتے ہیں اور ان کی نظر کسی تفصیلی روایت پر ہوتی ہے جو کسی دوسری کتاب میں ہے اور صحیح ہے لیکن امام بخاری ؒ کی شرط کے مطابق نہیں ہے کیونکہ کتاب میں لانے کی شرطیں اور رکھیں ہیں اور صحیح روایت ہونے کی شرطیں اور ہیں اس لیے کوئی روایت بخاری میں نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صحیح نہیں تو امام بخاری ؒ کے سامنے مسلم شریف کی روایت ہے یہ دونوں انس بن مالک ؓ کی بھی اور حضرت ابو سعید خدری ؓ کی بھی اور وہ بڑی لمبی روایتیں ہیں اس میں جو ابو سعید خدری ؓ کی روایت ہے اس میں آتا ہے **یقولون** جب مومنوں کو جنت میں بھیجا جائے گا تو مومن کہیں گے **یقولون ربنا** اے اللہ ہمارے ساتھ کچھ ایسے لوگ تھے **کانوا یصلون معنا و یصومون و یحجون** جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے وہ جہنم میں چلے گئے تو اللہ فرمائیں گے نکالو تو نکالتے نکالتے آخر میں **خردل من خیر** کہ تھوڑی سی بھی گر نیکی ہوگی تو پھر اس کو نکالا جائے گا تو ابو سعید خدری ؓ کی روایت کی ابتداء ہی اعمال سے ہو رہی ہے کہ **کانوا یصلون معنا ویصومون ویحجون** تو یہ ابو سعید خدری ؓ کی روایت جو مسلم کی روایت ہے اس میں بڑی وضاحت کے ساتھ اعمال ہی کا تذکرہ آتا ہے کہ ایسے عمل کرنے والوں کو نکالو پھر ایسے عمل کرنے والوں کو نکالو پھر ایسوں کو نکالو آخر میں وہ جائیں گے جنہوں نے تھوڑا سا عمل کیا ہوگا **خردل من خیر** کہ ایک دانے کے برابر بھی نیکی ہوگی ان کو بھی نکال لو اور حضرت انس ؓ کی تفصیلی روایت بھی مسلم میں ہے اس میں صرف ایمان ہی کا ذکر آتا ہے کہ جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہے پھر جس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر ایمان ہے پھر جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے پھر جس کے دل میں ذرے کے برابر ایمان ہے اس طریقے پر وہاں حضرت انس ؓ کی روایت میں ایمان ہی کا تذکرہ ہے وہاں عمل کا ذکر ہی نہیں ہے تو امام بخاری کے سامنے وہ تفصیلی روایات ہیں جو مسلم شریف کی ہیں لہذا اس کو سامنے رکھ کر یہاں ابو سعید خدری ؓ کی مختصر روایت لائے جو ان کی شرط پر تھی لیکن اس کے نیچے متابعۃ کر اشارہ کیا کہ یہاں عمل مراد ہے اسی طرح حضرت انس ؓ کی مختصر روایت لا کر اور متابعۃ کر اشارہ دے دیا کہ خیر سے مراد ایمان ہے۔

چوتھی بات کہ امام بخاری نے متابع کو اصل کیوں نہیں بنایا دونوں جگہ پر تو یہ امام بخاری کا اپنا فہم ہے اور اس میں امام بخاری ؒ کا اپنا ذراک ہے اب اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے امام بخاری ؒ کے مدارک میں سے ہے کسی کو اصل بنائے اور کسی کو تبع بنائے ہمارا کام ہے تحقیق کر کے اس کی تہہ تک پہنچیں۔

حدیث پر بحث

جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے **ثم یقول اللہ اخرجوا** پھر اللہ کہیں گے **اخرجوا**

اصل میں یہاوپر سے شروع ہوتا ہے یااللہ جولوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے نماز پڑھتے تھے وغیرہ وہ کہاں ہیں؟ وہاں سے شروع ہوتے ہوئے یہ آخر میں اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان نکالو جن کے دل میں مثقال وزن حبة دانے کے برابر ایمان ہے مثقال حبة من خردل خردل معنی ہے رائی۔ رائی جو اچار میں ڈلتی ہے من ایمان یہاں ایمان سے مراد عمل ہے جس کے دل میں اتنی سی بھی خیر ہے یعنی دل نے کوئی نیکی کی ہے دل کی نیکی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کیا یا رسول ﷺ کی محبت کے جذبات آجائیں کسی سے حسن ظن کیا وغیرہ تو ظاہری اعمال سے لے کر دل کے اعمال تک کی سفارش ہوگی۔

فیخرجون منها نکالے جائیں گے قد اسودوا وہ کالے سیاہ ہو چکے ہوں گے جل جل کے سیاہ ہو جائیں گے فیلقون فی نهر الحیا او الحیاة وہ ڈالے جائیں گے نہر حیاۃ میں یہ جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی۔

مالک کو شک ہے کہ نہر حیاء نام ہے یا نہر حیاۃ مراد ایک ہی ہے کہ زندگی دینے والی نہر اس میں ڈالے جائیں گے یہ اس میں ڈوب جائیں گے پھر اس میں سے ایسے نکلیں گے جیسے دانے نکلتے ہیں کما تنبت الحبة فی جانب السیل جیسے دانے نکلتے ہیں۔ حبہ کہتے ہیں جنگلی پودے کا بیج گرچہ حبہ کہتے ہیں ہر دانے کو لیکن یہاں حبہ کہتے ہیں جو صحرائی بیج ہوتا ہے یہ صحرا میں بوٹیاں سی لگی ہوتی ہیں جب صحرا سے سیلاب گزر جائے تو فوراً یہ بوٹیاں اُگ جاتی ہیں بارش کے بعد سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا تو وہ دانے اگ جاتے ہیں فی جانب السیل سیلاب کے کنارے پر مراد یہ ہے کہ اُگنے میں سب سے زیادہ تیز اگتا ہے اس طرح جلدی سے گرنے کے بعد نکلیں گے الم ترانها تخرج صفراء ملتویة آپ ﷺ نے فرمایا دیکھتے نہیں جب اس کی کونپل نکلتی ہے دانے کی تو وہ پیلے رنگ کا ہوتا ہے اور لپٹا ہوا ہوتا ہے اس طرح خوبصورت بن کر یعنی گولڈن کلر جیسے نکلیں گے۔

قال وهیب حدثنا عمرو الحیاة وقال خردل من خیر یہ امام بخاری متابعۃ لائے ہیں جس میں خیر کا لفظ آتا ہے یعنی عمل کیا کوئی نیکی کی متن میں جو روایت ہے وہاں ایمان سے مراد عمل ہے دل کا عمل کیونکہ ایمان کا اطلاق تصدیق قلبی پر بھی ہوتا ہے اعمال جوارح پر بھی ہوتا ہے اور اعمال قلبی پر بھی ہوتا ہے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ منکر کو ہاتھ سے تبدیل کر دے ہاتھ سے تبدیل نہ کر سکے تو زبان سے ورنہ دل سے تبدیل کرنے کا جذبہ رکھے ذٰلك اضعف الایمان یہ کم سے کم ایمان ہے تو اس کو ایمان کہا جو دل کا جذبہ ہے تو اعمال قلبی کو بھی ایمان کہا جاتا ہے نور قلبی کو بھی ایمان کہا جاتا ہے۔

سفارش کی ترتیب

سفارش کا حق کس کو حاصل ہوگا سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کو اور پھر اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام اس کے بعد شہداء،

علماء، حفاظ، قراء اور ملائکہ کو ہوگا اور سب سے آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنے دست مبارک کو ڈالیں گے اور بے شمار ان لوگوں کو نکالیں گے جن کے ایمان کی خبر فرشتوں کو بھی نہیں ہوگی یہ آخر میں ہوگا۔

جن کی سفارش کی جائے گی یہ وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لائے ہوئے تھے اور ایمان کے ساتھ کوئی ظاہری یا باطنی عمل تھا دل کا عمل باطن میں چمکے گا اور ہر ایک کے سینے میں نظر آئے گا وہ نور قلبی جو دنیا میں مستور ہوتا ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا ہر ایک دیکھ سکے گا لیکن آخر میں وہ رہ جائیں گے جن کے ایمان کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہ ہوگا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو پرانے صوفیاء میں شیخ اکبر کی رائے تو یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان زمانِ فترۃ ہے اس وقت کے لوگ ہیں کہ توحید پر تو ایمان تھا لیکن نبوت پر ایمان نہیں تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان پر اٹھا لیے گئے اور پیغمبر علیہ السلام چھ سو سال بعد آئے ہیں تو اس دوران جو لوگ تھے ان میں جو توحید پر ہوں گے تو وہ مراد ہیں شیخ اکبر نے تو یہ کہا ہے لیکن حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ نے اس پر رد کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ان کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ زمانِ فترۃ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر پیش فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے چھلانگ لگا دو تو جو اللہ تعالیٰ کی بات مان لے گا اور چھلانگ لگا دے گا اس کو جہنم کچھ نہیں کہے گی اس کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جو نہیں مانے گا اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو زمان فترۃ کے لوگوں کا امتحان ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ فرماتے ہیں ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگلات میں، پہاڑوں کی کھوہ میں جزیروں اور صحراؤں میں رہتے ہیں اور ان تک دین کی دعوت نہیں پہنچی جن کے دل میں صرف اتنی بات ہے کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور شرک نہیں کرتے بس اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے زبان سے کبھی کلمہ نہیں پڑھا پوری زندگی انہوں نے اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا تو یہ لوگ مراد ہیں۔

دوسری حدیث پر بحث

ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں پیغمبر علیہ السلام نے خواب سنایا قال رسول اللہ ﷺ بینا انا نائمٌ میں سو رہا تھا رأیت الناس یعرضون علیّ میں نے دیکھا لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں باری باری علیہ قُمص ان پر قمیصیں ہیں منہا ما یبلغ الثدی بعض کی قمیص اتنی چھوٹی ہے کہ پستان تک ہے بعض کی اور لمبی بعض کی اور لمبی اس طرح ہے ومنہا ما دون ذلك اور بعض کی اس سے بھی چھوٹی وعرض علیّ عمر بن الخطاب مجھ پر حضرت عمر پیش کیے گئے وعلیہ قمیص یجرکا تنی لمبی قمیص تھی کہ زمین پر گھسیٹ رہے تھے قالو فما اوّلت ذلك یارسول اللہ اے اللہ کے نبی اس کی تعبیر کیا ہے قال الدین کہا

دین تاویل ہے کہ عمرؓ دین میں بڑھے ہوئے ہیں امام بخاری ؒ کا مسئلہ حل ہو گیا کہ دین میں پیغمبر علیہ السلام کو مومنین الگ الگ دکھائے گئے تو جب دین کے اعتبار سے درجات ہیں تو ایمان کے اعتبار سے بھی درجات ہوں کیونکہ دین اور ایمان امام بخاری ؒ کے ہاں ایک ہے۔

لیکن ہمارے ہاں دین اور ہے ایمان اور ہے دین مجموعے کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اشکال

اس روایت پر اشکال ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ کا مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بڑھ گیا۔

جواب

جواب آسان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو وہاں پیش نہیں کیا گیا اس لیے کہ آپ کے پاس پورا نبوت کا فیض تھا یہی وجہ ہے جس طرح نبی ہر قسم کے حالات میں مستقیم رہتا ہے تو ابو بکر بھی ہر قسم کے حالات میں جمے رہے ورنہ صحابہ کے آپ کی وفات کے بعد کیا حالات ہو گئے تھے حضرت عمرؓ جیسے صحابی کا ہوش گم ہو گیا لیکن اس وقت بھی ابو بکرؓ قائم رہے اور آیت پڑھی أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (ال عمران:۱۴۴) صحابہ ؓ نے کہا ایسے لگا جیسے یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے تو آپ کو تو پیش ہی نہیں کیا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے استاذ مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی ؒ فرماتے تھے یہاں دین سے مراد ہے انتشار دین کہ دین کا پھیلنا مراد ہے کہ دین جو پھیلے گا وہ عمرؓ کے زمانے میں پھیلے گا چنانچہ یہی ہوا لیکن اس کی بنیاد رکھنے والے حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی ہیں منصوبہ انہوں نے تیار کیا تھا لیکن دو سال کے بعد چلے گئے ہمارے استاذ فرماتے تھے کہ وہ دو سال صرف ایمان والوں کے دلاسے اور تسلی کے لیے رہے ورنہ وہ اپنے محبوب سے ایک لمحہ پیچھے رہنے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دو سال انہیں پیچھے رکھا کیونکہ صحابہ ان کو دیکھ کر تسلی لیتے تھے کیونکہ وہ بالکل پیغمبر ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ڈھلا ہوا نمونہ نظر آتے تھے ان کو دیکھ کر تسلی ہوتی تھی جیسے کسی کا ایک بیٹا فوت ہو جائے اور دوسرا اس کی ملتی جلتی عادات کا ہو تو باپ کا پیار اس دوسرے سے بڑھ جاتا ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بنیامین سے پیار بڑھ گیا تھا اس لیے کہ وہ بالکل یوسف علیہ السلام کی کاپی تھے تو اسی طرح دو سال کے لیے رہے تو تسلی کے لیے رہے باقی جو کام شروع ہوا وہ حضرت عمر ؓ کے چھ سالہ دور میں ہوا تو دین سے مراد دین کا پھیلنا ہے کہ دین پھیلا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی جزئی فضیلت حضرت ابو بکرؓ کی کلی فضیلت پر غالب نہیں آسکتی۔

باب الحیاء من الایمان

باب حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے

حدیث

حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالك بن انس عن ابن شھاب عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی رجل من الانصار وھو یعظ اخاہ فی الحیاء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہ فان الحیاء من الایمان۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیاء سے روک رہا تھا اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے رہنے دو کیونکہ حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔

شرح باب

امام بخاری ؒ یہاں سے جزئیت اعمال کو ثابت کر رہے ہیں کہ اعمال جزء ہیں ایمان کا اور یہ روایت لائے ہیں کہ الحیاء من الایمان حیاء ایمان سے ہے من تبعیض کے لیے لیا ہے امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ حیاء ایمان کا بعض حصہ ہے لیکن اگر من ابتدائیہ لیا جائے تو پھر معنی یہ ہے کہ حیاء ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اگرچہ یہ فطری چیز انسان میں ہوتی ہے لیکن ایمان اس کو بڑھاتا ہے جیسے انسان میں فطری طور پر بازو میں طاقت ہے ورزش کر کر کے اس طاقت کو اور بڑھا لیتا ہے یہی فطری حیاء ایمان کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے۔

حدیث پر بحث

ان رسول اللہ ﷺ مر علی رجل من الانصار پیغمبر علیہ السلام ایک انصاری آدمی پر گزرے وھو یعظ اخاہ فی الحیاء وہ اپنے چھوٹے بھائی کو حیاء کے بارے میں وعظ کہہ رہا تھا یعنی حیاء کرنے سے روک رہا تھا بھائی سمجھا رہا تھا کہ تو بہت حیاء کرتا ہے بہت شرم کرتا ہے یہ چیز مضر ہے کہ تو اپنے حقوق کا استفسار نہیں کر سکتا اپنے حقوق کو لے نہیں سکتا چھوڑ حیاء کا تنی حیاء نہ کیا کر دوسری جگہ روایت بڑی وضاحت کے ساتھ آئی ہے کہ اَضَرَّبِكَ الحیاء حیاء نے تجھے بڑا نقصان پہنچایا لہذا اس کو چھوڑ دے پیغمبر علیہ السلام گزرے تو سن لیا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا دعہ اپنے بھائی کو حیاء پر چھوڑ دو فان الحیآء من الایمان حیاء تو ایمان میں سے ہے جب اپنے حقوق لینے میں حیاء آتی ہے انسان کو تو وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق میں خود کیسے کوتاہی کرے

گا اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا کرے گا اور مخلوق کے حقوق میں بھی کوتاہی نہیں کرے گا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا وصف ہے اگر اس کی وجہ سے تھوڑا بہت دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو کوئی بات نہیں آخرت کا کوئی نقصان نہیں یہ تو ایمان ہے الحیاء من الایمان اس لیے آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا اس بات پر اجماع ہے اذا لم تستحی فافعل ماشئت وفی روایة فاصنع بما شئت جب تجھ میں حیاء نہیں تو جو چاہے کر اس لیے مثل ہے بقی العود مابقی الحیاء لکڑی اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اس کی چھال باقی رہے حیاء چھال کو بھی کہتے ہیں اگر چھال اُتار دیں چاروں طرف سے وہ درخت مرجائے گا جب تک اس کی چھال باقی ہے تو وہ لکڑی زندہ رہے گی اوپر سے چاہے جتنا کاٹ چھانٹ کرلو پھر دوبارہ پھوٹ پڑتا ہے اور پتے نکلتے ہیں اور پھل پھول نکلتے ہیں اسی طرح آدمی میں حیاء ہے تو کتنے ہی نقصانات اور گناہ ہو جائیں پھر بھی اس کی روحانی زندگی برقرار رہتی ہے اس کا ایمان باقی رہتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی کہ یہ صحیح ہے کہ یہ جو حیاء کرتا ہے اچھا کرتا ہے الحیاء من الایمان۔

امام بخاریؒ نے کہا الحیاء من الایمان ای بعض الایمان حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ہم کہتے ہیں کہ من انشائیہ ہے اور ابتدائیہ ہے کہ حیاء ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے مرجیہ پر بھی رد ہو گیا جو اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں۔

باب فان تابوا واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة فخلوا سبیلهم

اگر وہ توبہ کریں نماز ادا کریں زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو

حدیث

حدثنا عبدالله بن محمد المسندی قال حدثنا ابو روح الحرمی بن عمارة قال حدثنا شعبة عن واقد بن محمد قال سمعت ابی یحدث عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ویقیموا الصلوٰة ویوتوا الزکوٰة فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم علی الله۔

محمد بن زیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا ہوں حتیٰ کہ یہ لوگ شہادتین کا اقرار کریں یعنی اس بات کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پوری طرح ادا کریں اور زکوٰۃ دیں پس جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے مگر یہ عصمت اسلامی حقوق کے بارے میں قائم نہیں رہے گی اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔

شرح باب

اگروہ توبہ کرلیں التوبۃ عن الشرك مراد ہے شرک سے توبہ کرلیں مسلمان ہوجائیں کیونکہ اس سے پہلے آتا ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (التوبۃ:۵) تو ان کا راستہ چھوڑدو ان کو قتل نہ کرو۔

ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقدر نکالا ہے باب تفسیر قول اللہ تعالیٰ فان تابوا وہ فرماتے ہیں یہ حدیث تفسیر ہے اس باب کی کہ تابوا سے مراد ہے حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ اور فخلو سبیلھم کا مطلب ہے عصموا منی دماء ھم واموالھم تو گویا کہ یہ حدیث تفسیر ہے اس آیت مبارکہ کی اقتلوا المشرکین ،اقتلوا سے مراد ہے قاتلوا قتال کرو۔

علامہ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کا دلچسپ قصہ

علامہ عینیؒ حنفی ہیں انہوں نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری لکھی ہے اس کا بڑا دلچسپ قصہ ہے کہ پہلے شاگرد پڑھنے جاتے تھے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے پاس اور وہ شرح فتح الباری لکھ رہے تھے اور وہ بہت متعصب تھے حنفیوں کے بارے میں دونوں مصری ہیں ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں اور مصر میں حنفیوں کا بہت زیادہ اثر تھا۔

علامہ طحاویؒ جیسا انسان مصر میں پیدا ہوا ہے لہذا مصر میں حنفیوں کا بہت زیادہ اثر تھا تو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ جو شرح لکھتے اس کو طلباء کے سامنے بیان کرتے اور طالب علم لکھتے وہ بڑا زبردست رد کرتے تھے حنفیوں پر اس کے بعد وہی طلباء آکر پڑھتے تھے علامہ عینیؒ سے ان سے وہ شرح لے لیتے تھے اور اس کا جواب لکھتے تھے ابن حجر عسقلانیؒ کو اس کی خبر نہیں تھی جب ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب میدان میں آئی تو اس میں بڑا رد تھا حنفیوں پر کچھ عرصے کے بعد علامہ عینیؒ کی کتاب عمدۃ القاری آگئی جس میں اس کا جواب تھا ابن حجرؒ بہت حیران ہوئے اور اس کے جواب کا ارادہ کیا لیکن ابن حجرؒ کو جواب الجواب لکھنے کا موقعہ نہ ملا اور انتقال ہوگیا اس طرح ابن حجر کی کتاب میں جتنی بھی بحث و مباحث ہے اس میں ہر ایک کا رد عمدۃ القاری میں موجود ہے دونوں بڑے آدمی تھے علامہ عینیؒ حنفی ہیں اور ابن حجر عسقلانیؒ شافعی ہیں۔

علامہ عینیؒ کی تحقیق

علامہ عینی ؒ کہتے ہیں یہ تفسیر نہیں بنتی کہ یہاں باب کے بعد تفسیر کا لفظ مقدر نکالا جائے اس لیے کہ **فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم** (التوبة:٥) یہ آیت نزول کے اعتبار سے آخری آیت ہے اور حدیث **امرت ان اقاتل الناس** یہ بالکل شروع میں جب جہاد شروع ہوا تھا اس وقت کی حدیث ہے اس کا شان ورود بہت پہلے ہے اور یہ آیت **اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** بالکل آخر میں پیغمبر علیہ السلام کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے نازل ہوئی ہے تو جو نزول میں متاخر ہے اس کی تفسیر پہلے والی حدیث کیسے بن سکتی ہے یہ علامہ عینی ؒ نے جواب دیا اور بڑا مضبوط جواب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ دراصل امام بخاری ؒ اپنا وہی مقصد ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے اعمال سے اور تصدیق سے اور اقرار سے وہ اس طرح کہ **فان تابوا** ای **التوبة عن الشرك** اگر وہ شرک سے توبہ کرلیں **واقاموا الصلوٰۃ** نماز قائم کریں **واٰتوا الزکوٰۃ** اور زکوٰۃ دیں **فخلوا سبیلھم** پھر ان کو قتل نہیں کرنا پھر ان کو چھوڑنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تخلیہ سبیل قتل نہ کرنے کا حکم تین باتوں میں رکھا ہے کہ تصدیق قلبی ہو اور اقرار باللسان ہو اور اس کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ہو یہ تین چیزیں جب اکٹھی ہوں گی تب جا کر ان کا قتل چھوڑا جائے گا ورنہ ان کو قتل کیا جائے گا تو امام بخاری ؒ نے ثابت کر دیا کہ ایمان مرکب ہے جب تک ساری چیزیں نہیں ہوں گی اس وقت تک ان کو مومن نہیں سمجھا جائے گا اور ان کو نہیں چھوڑا جائے گا تخلیہ سبیل کا مطلب قتل نہ کرو کیونکہ پہلے **اقتلوا** ہے اور اس حدیث میں بھی آتا ہے **اقاتل** مجھے حکم دیا ہے کہ میں قتال کروں مگر جو یہ کام کرلے شہادتین، نماز اور زکوٰۃ پھر قتال نہ کرو تو ان سے معلوم ہوا کہ ایمان کے لیے اعمال کی بھی ضرورت ہے اور اس سے مرجئہ پر بھی رد ہو گیا جو اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں جب دنیا میں عصمت نہیں ملتی بغیر اعمل کے اور تخلیہ سبیل نہیں ہوتا تو آخرت میں کیسے جان چھوٹے گی۔

تارک الصلوٰۃ عمداً و تارک زکوٰۃ کا حکم

اس بات پر تو اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی زکوٰۃ نہ دے تو حکومت وقت زبردستی اس سے زکوٰۃ لے سکتی ہے اور اس سلسلے میں سزا بھی دے سکتی ہے اور اگر رکاوٹ پیدا کرے تو اس کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے چنانچہ صدیق اکبر ؓ نے اسی پر مانعین زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا تھا کہ جو فرق کرے گا نماز اور زکوٰۃ میں میں اس کو نہیں چھوڑوں گا اور فرمایا جو رسی دیتا تھا اور اس نے رسی نہ دی میں اس سے قتال کروں گا اور یہی حضرت کا مجتہدانہ فعل سمجھا جاتا ہے جبکہ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ متردد ہو گئے تھے لیکن تارک صلوٰۃ عمداً میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

تارک الصلوٰۃ عمداً کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ، امام احمد بن حنبل ؒ ان تینوں حضرات کے نزدیک تارک

الصلوٰۃ کو قتل کیا جائے گا لیکن قتل کرنے کی وجہ الگ ہے امام مالک ؒ اور امام شافعی ؒ کے نزدیک حداً اور تعزیراً قتل کریں گے جس طرح حد زنا ہے اور امام احمد بن حنبل ؒ کے نزدیک ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا کہ وہ مرتد ہو گیا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کریں گے کہ تارک الصلوٰۃ مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک اسے قید کیا جائے گا اور مارا جائے گا یہاں تک کہ اس کے جسم سے خون نکل آئے حتی یتوب او یموت توبہ کر لے یا مر جائے اس وقت تک اس کو نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ نمازی نہیں بن جائے گا بہر حال یہ تینوں حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس شخص کو قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں امرت ان قاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دمآء ھم واموالھم الا بحق الاسلام کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا میں قتال کروں گا ان سے جو شہادتین، نماز اور زکوٰۃ نہیں دے گا۔

جواب

علامہ تقی الدین ابن دقیق العید ؒ یہ پہلے مالکی تھے پھر شافعی ہو گئے بہت بڑے آدمی ہیں انہوں نے خود ہی جواب دے دیا کہ اس مسئلے میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں قتال کا ذکر ہے قتل کا نہیں کبھی انسان کا قتال جائز ہوتا ہے قتل نہیں قتال اور ہے قتل اور ہے اس حدیث میں ہے کہ قتال کروں گا قتال کا معنی ہے لڑوں گا قتل اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا قتال ہوتا ہے اجتماعی طور پر کوئی انکار کر دے مثلاً بستی والے کہہ دیں ہم اذان نہیں دیں گے نماز نہیں پڑھیں گے ہم ختنہ نہیں کریں گے حالانکہ وہ مسلمان ہیں تو پھر ان کا قتال جائز ہو جائے گا کہ مسلمان بادشاہ فوجیں لے کر چڑھائی کر دے اور پھر اس میں مارے جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن انفرادی کسی کو پکڑ کر قتل کرنا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی روایت آگے آئے گی حضرت سعد ؓ بیٹھے تھے تو پیغمبر علیہ السلام نے ایک آدمی کو عطیہ نہیں دیا دوسرے کو دیا حضرت سعد ؓ نے کہا اے اللہ کے پیغمبر اس کو بھی دیں یہ بھی مومن ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس کو مسلمان کہو انہوں نے تین بار ایسا کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے سعد تو میرے ساتھ قتال کرتا ہے لڑائی کرتا ہے تو یہاں اگر قتال کا معنی قتل لیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن یہاں قتال کا لفظ صحیح ہے کہ جھگڑ رہا ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا أقتالاً یا سعد پیغمبر علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے یہ بات نہیں ہو سکتی۔

خود امام شافعی ؒ نے فرمایا لیس القتل بقتال قد یجوز قتال الرجل ولا یجوز قتلہ کبھی کسی انسان کا قتال جائز ہوتا

ہے قتل جائز نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس حدیث سے ان لوگوں کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں قتال کا ذکر ہے قتل کا نہیں۔

ابن القیم الجوزیؒ کا استدلال

علامہ ابن قیم الجوزیؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو چھوڑو آیت مبارکہ کو دیکھو وہ آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوگا کہ تارک الصلوٰۃ کو قتل کیا جائے گا اس طرح کہ اقتلوا المشرکین قتل کرو مشرکین کو فان تابوا اگر توبہ کرلیں واقاموا الصلوٰۃ اور نماز قائم کرلیں واٰتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ دے دیں فخلوا سبیلھم پھر ان کو چھوڑنا جب وہ نماز قائم نہیں کرتے تو قتل کا حکم آجائے گا کیونکہ اقتلوا کا حکم ہے اور اقتلوا کا حکم کب ختم ہوگا جب تین کام کریں گے کہ توبہ عن الشرک کریں گے نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے جب ایسا نہیں کریں گے تو ان پر قتل کا حکم آجائے گا اس طرح استدلال کیا ہے اس آیت سے کہ تارک الصلوٰۃ کو قتل کیا جائیگا۔

جواب

احناف ایک الزامی جواب دیتے ہیں کہ تم تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کرتے اگر کوئی انفرادی زکوٰۃ دے اس کو پکڑ کر قتل کرو ایسا کہیں بھی نہیں ہے بس اتنا آیا ہے کہ اس سے زبردستی زکوٰۃ لے لو قتل کا حکم کسی کے ہاں بھی نہیں ہے کہ اس میں کیا فرق ہے ؟تو اس پر ابن قیم الجوزیؒ متنبہ تھا اس لیے وہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت لے آیا کہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کو بھی قتل کردو لیکن اس پر امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک اور فتویٰ نہیں ہے اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہا۔

دوسرا ہم فخلوا سبیلھم سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فان تابوا کے بعد نیا حکم دے دیا کہ پہلے قتل کرو مشرکین کو اگر توبہ عن الشرك کرلی اور نماز قائم کی فخلوا سبیلھم تو پھر ان کو تخلیہ سبیل کردو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو اور اگر ایسا نہ کریں تو راستہ مت چھوڑو۔

ہم بھی کہتے ہیں تارک صلوٰۃ کا راستہ نہ چھوڑو بلکہ اس کو قید کرو اور جو تمہارا تخلیہ سبیل ہم کب کرتے ہیں حتی یتوب او یموت توبہ کرلے یا مر جائے لہٰذا ان کا اس سے استدلال کمزور رہے پھر زکوٰۃ کے مسئلہ کا اعتراض بھی قائم ہے۔

امام نوویؒ کا استدلال

اب امام نوویؒ آئے یہ مسلم شریف کے شارح ہیں پکے شافعی ہیں 54 سال کی عمر میں انتقال ہوا شادی نہیں کی یہ علماء عزاب میں سے ہیں کہ پوری زندگی پڑھنے پڑھانے اور تصانیف کرنے میں گزار دی یہ بہت بڑے عالم اور صوفی ہیں انہوں نے اوراد

واذ کار پر بڑی کتابیں لکھی ہیں اکیلے رہتے تھے اور پڑھنا پڑھانا کام تھا۔

انہوں نے کہا ہم اس حدیث کے آخری حصے سے استدلال کرتے ہیں فان فعلوا ذلك اگر وہ یہ تین کام کرلیں شہادتین، نماز اور زکوۃ عصموا منی دماء هم واموالهم ان کے مال اور ان کی جانیں مجھ سے محفوظ ہو گئیں تو معلوم ہوا اگر پہلا کام نہ کریں کہ شہادتین ہی نہ دیں پھر تو سمجھو کوئی کام ہی نہیں کیا پھر تو قتل کردو سیدھی بات ہے اور اگر پہلا کام کیا ہے اور کلمہ توحید پڑھ لیا اب اگر وہ نماز نہیں پڑھتے تو ان کی جان محفوظ نہیں اور اگر زکوۃ نہیں دیتے تو ان کا مال محفوظ نہیں کیونکہ جان اور مال محفوظ ہونے کے لیے تینوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد دو کام کرے ایک مالی کام کرے اور ایک بدنی کام کرے لہذا اگر کلمہ پڑھ لیا اور بدنی کام نہیں کرتے یعنی نماز نہیں پڑھتے تو ان کا خون محفوظ نہیں ہے اور اگر وہ زکوۃ نہیں دیتے تو ان کا مال محفوظ نہیں لہذا اس سے استدلال ہے کہ اس کو قتل کیا جائے کیونکہ معصوم عن الدم نہیں لہذا قتل کردو۔

جواب

جواب بہت آسان ہے ایک تو یہ ہے کہ نماز اور زکوۃ میں فرق کیوں کرتے ہو دوسرا ہم بھی اس کو معصوم الدم نہیں کہتے بلکہ قید کیا جائے گا اور مارا جائے گا حتی یتوب او یموت۔

بہر حال ابن دقیق العید ؒ کی بات بڑی بہترین ہے کہ اس آیت سے اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ تارك الصلوۃ عمداً کو قتل کر دیا جائے۔

الا بحق الاسلام یہاں اسلام کے حق کی وجہ سے اگر وہ مسلمان ہے نمازی ہے سب ہے لیکن کسی کو قتل کر دیا تو قصاص میں اس کو قتل کیا جائے گا کسی شادی شدہ نے زنا کر لیا تو اسے قتل کیا جائے گا وہ حق اسلام کی وجہ سے ہو گا وحسابهم علی الله اور اس کا حساب اللہ پر ہے آگے کی معافی کا معاملہ اللہ کے ذمہ ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مناظرہ

امام احمد بن حنبل ؒ اور امام شافعی ؒ کا مناظرہ ہوا امام احمد بن حنبل ؒ نے فرمایا کہ ہم مرتد ہونے کی وجہ سے تارک الصلوۃ کو قتل کرتے ہیں تو امام شافعی ؒ نے پوچھا امام احمد بن حنبل سے اچھا وہ کافر ہو گیا اب مسلمان کیسے ہو گا کہا کلمہ پڑھے کہا کلمہ تو وہ پہلے بھی پڑھتا ہے امام احمد بن حنبل ؒ خاموش ہو گئے۔

مسلم شریف میں اس میں بڑی بحث ہے کہ حضرت عمر ؓ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مناظرہ ہے اسی روایت کے بارے میں کیونکہ وہ روایت جو صدیق اکبر ؓ کے پاس تھی ایسی تفصیلی روایت نہیں تھی الا بحق الاسلام کے الفاظ ابن عمر ؓ کی روایت میں ہیں

یہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جو ہے ان اکابر کو معلوم نہیں تھی اور ہو سکتا ہے کہ ایک بات بڑوں کو معلوم نہ ہو چھوٹوں کو معلوم ہو اس لیے انہوں نے اپنا اجتہاد کیا تھا کہ میں نہیں چھوڑوں گا اس کو جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔

باب من قال ان الایمان هو العمل

لقول الله تعالیٰ وتلك الجنة التی اورثتموها بما کنتم تعملون (الزخرف:۷۲) وقال عدة من اهل العلم فی قوله تعالیٰ فوربك لنسألنهم اجمعین عما کانوا یعملون (الحجر:۹۲،۹۳) عن قول لا اله الا الله وقال تعالیٰ لمثل هذا فلیعمل العاملون (الصافات:۶۱)

باب اس بارے میں کہ عمل ہی کا نام ایمان ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تلك الجنة الآیة یعنی جنت تم اس کے وارث ان چیزوں کے بدلے میں بنائے گئے ہو جو تم عمل کیا کرتے تھے اور اہل علم کی ایک جماعت نے باری تعالیٰ کے قول فوربك الآیة کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس کا تعلق لا اله الا الله کے قول سے ہے اور خداوند قدوس نے فرمایا ہے لمثل هذا فلیعمل العاملون یعنی اس جیسی چیز کی خاطر عمل کرنے والوں کو عمل کرتے رہنا چاہیے۔

حدیث

حدثنا احمد بن یونس وموسیٰ بن اسماعیل قالا حدثنا ابراهیم بن سعد قال حدثنا ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل ای العمل افضل فقال ایمان بالله ورسوله قیل ثم ماذا قال الجهاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا قال حج مبرور۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل کون سا عمل ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا عرض کیا گیا پھر اس کے بعد؟ فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا عرض کیا گیا پھر اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا حج مقبول۔

باب پر بحث

امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا کہ الایمان هو العمل کہ ایمان عمل ہی کا نام ہے یعنی ایمان پر قرآن و حدیث میں عمل کا اطلاق کیا ہے لفظ عمل کہہ کر ایمان مراد لیا گیا ہے پہلے ابواب میں ایمان کہہ کر عمل مراد لیا گیا یہاں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ عمل کہہ کر ایمان مراد لیا ہے اور اس کے ذریعے امام بخاریؒ نے عمل کی ایمان کے اندر جزئیت ثابت کر دی کہ عمل ایمان کا جزء ہے اور دوسرا مرجئہ پر رد کر دیا جو ایمان بلا عمل کو ایمان کہتے ہیں کہ ایمان میں عمل کی ضرورت نہیں ہے تو مرجئہ پر رد کیا کہ نصوص میں عمل

بول کر ایمان مراد لیا گیا ہے تو تم کیسے اس کو بے کار قرار دیتے ہو اور الایمان ھو العمل ایمان میں عمل چاہیے اور اس سے کرّامیہ اور جہمیہ پر بھی رد ہے کہ معرفت اضطراری کافی نہیں ہے بلکہ عمل چاہیے اختیاری معرفت چاہیے اور اقرار باللسان کو ایمان قرار دیتے ہیں ان پر بھی رد ہے کہ عمل چاہیے تو گویا اس باب میں امام بخاری ؒ نے کئی مقاصد ثابت کر دیے ایک مقصد تو یہ ثابت کر دیا کہ عمل کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے وہ ایمان کا جزء ہے اور دوسرا مرجیہ پر رد کر دیا اور تیسرا کرّامیہ اور چوتھا جہمیہ پر بھی رد کر دیا الایمان ھو العمل میں عمل عام کر دیا خواہ عمل قلب ہو، عمل لسان ہو، عمل جوارح ہو سارے مجموعے کا نام ایمان ہے اب امام بخاری اس پر دلائل لائے ہیں۔

دلیل نمبرا

تلك الجنة التي اورثتموها یہ جنت ہم بطور میراث کے دیں گے تمہیں بما کنتم تعملون تمہارے عمل کی وجہ سے اور آپ کو معلوم ہے جس میں ایمان نہ ہو اس کے کسی بھی عمل کی وجہ سے جنت ملنے والی نہیں ہے بما کنتم تعملون میں سب سے پہلے ایمان ہے تفسیریہ ہے بما کنتم تؤمنون ۔ تعملون میں سب سے پہلے ایمان ہے اس کے بعد دوسرے اعمال ہیں اگر ایمان نہیں تو اعمال بے کار ہیں تعملون میں پہلا عمل ایمان ہے پھر شہادتین کا اقرار ہے اس کے بعد اعمال ہیں نماز روزہ وغیرہ ہے ان سب کے بدلے میں ہم تمہیں جنت میراث میں دیں گے ورنہ غیر مومن کو جنت ملنے والی نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی نیکیاں کرتا ہو جیسے اسلامی فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ کافرانہ ہے لہذا وہ کتنی ہی نیکیاں کریں تعملون میں داخل نہیں ہے تعملون میں سب سے پہلے تؤمنون ہے اس کے بعد تُقِرّون ہے اس کے بعد تعملون ہیں ،تصلّون اور تحجون و تصومون ہیں توامام بخاری ؒ نے ثابت کیا کہ تعملون سے مراد ایمان ہے تو تعملون کہہ کر ایمان مراد لیا ہے۔

جنت کو میراث کیوں کہا؟

اب اس میں بحث ہے کہ جنت کو میراث کیوں قرار دیا ہے اس کے بہت سے جوابات ہیں بعض نے کہا کہ مفت میں ملے گی اس لیے میراث کہا ہے جس طرح میراث مفت میں ملتی ہے دوسرا میراث میں اور اس میں اقالے کا اور واپسی کا کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ ملکیت سے نکلنے والی چیز نہیں ہے اسی طرح علی وجہ البقاء جنت عطا فرمائیں گے کہ ہمیشہ کے لیے تمہاری ہے تم سے واپس نہیں لی جائے گی جس طرح میراث واپس نہیں ہوتی ورنہ خریدی ہوئی چیزوں میں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اقالہ کرا لیا اور کسی وجہ سے بیع فسخ ہو جائے لیکن میراث میں ایسا نہیں تو بقاء میں تشبیہ دی ہے۔

بعض نے کہا ہے یہ کافر کی میراث ہوگی اس لیے کہ جنت اور دوزخ میں ہر ایک کا حصہ مقرر ہے کہ کافروں کے لیے جنت

میں اور مسلمانوں کے لیے جہنم میں لہذا جنت کا وہ حصہ کافر نہ لے سکیں گے تو وہ مسلمانوں کو دے دیا جائے گا یہاں پر مورث کافر ہیں

بعض نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام چونکہ جنت میں تھے تو ان کی میراث ہے جو تم لے رہے ہو تمہارے بڑوں کی میراث ہے اس لیے اس کو میراث قرار دیا۔

جنت عمل پر یا فضل پر

ایک اشکال یہ ہے کہ بما کنتم تعملون میں باء سببیہ ہے بما کنتم تعملون اس وجہ سے کہ تم عمل کرتے تھے اس وجہ سے تمہیں جنت دی جا رہی ہے تو اس پر اعتراض ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کوئی آدمی جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے نہیں جائے گا تو صحابہ نے پوچھا آپ ﷺ بھی فرمایا ہاں میں بھی الآیہ کہ اللہ کی رحمت مجھے گھیر لے مشہور روایت ہے قرآن میں ہے کہ تمہارے عمل کی وجہ سے جنت ملے گی تو جواب بہت آسان ہے کہ دخول اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگا لیکن جنت کا درجہ عمل کی وجہ سے متعین ہوگا کیونکہ اس میں بہت درجات ہیں۔

دوسری دلیل

وکان اهل العلم اور بعض اہل علم نے اس آیت کی تفسیر میں فوربك لنسئلنهم اجمعین تیرے رب کی قسم ہم ان سے ضرور پوچھیں گے عمّا کانوا یعملون کے وہ کیا عمل کرتے تھے یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے اس سے پہلے مشرکین اور کافروں کا ذکر ہے تو لہذا کافروں سے جو چیز پوچھی جائے گی عن قول لا اله الا الله ان سے پوچھا جائے گا کہ کلمہ توحید تم نے کیوں نہیں پڑھا تو عمّا کانوا یعملون کی تفسیر سب علماء نے لا اله الا الله سے کی ہے امام بخاری ؒ فرما رہے ہیں کہ یہاں پر یعملون کا اطلاق لا اله الا الله پر ہوا تو لفظ عمل کا اطلاق ایمان پر ہوا ہے کیونکہ هم ضمیر کفار کی طرف لوٹ رہی ہے۔

تیسری دلیل

وقال تعالیٰ لمثل هذا فلیعمل العاملون ای فلیؤمن المؤمنون اسی جیسا عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے امام بخاری نے دلیل یہ بنائی کہ لمثل هذا کیونکہ اس سے پہلے فوز عظیم کا بیان ہے فوز عظیم وہ جنت ہے لمثل هذا کہ اسی طرح جنت کے حصول کے لیے عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیے تو یہاں پر ایمان سب سے پہلے مراد ہے۔

چوتھی دلیل

روایت ہے ابو ہریرہ ؓ کی ان رسول ﷺ سئل ای العمل افضل آپ ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے فقال

ایمان باللہ ورسولہ کہا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تو عمل کہہ کر ایمان مراد لیا ہے قیل ثم ماذا قال الجہاد فی سبیل اللہ قیل ثم ماذا قال حج مبرور حج مبرور وہ حج ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے اور احکام حج کے خلاف کوئی ایسا کام بھی نہ کرے جس سے دم یلدنہ آتا ہو تو اس حدیث میں عمل کا اطلاق ایمان پر کیا گیا ہے تو یہ امام بخاری نے اپنا مسلک ثابت کیا ہے۔

امام بخاریؒ کے دلائل پر نظر

متکلمین کہتے ہیں یہ ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہاں پر عمل کا لفظ عام ہے کہ عمل قلب ہو عمل لسان ہو عمل جوارح ہو تو ہمیں اس میں کوئی اشکال اور اختلاف نہیں کہ ایمان کا اطلاق ان سب پر کیا جائے اور ان سب کو ایمان کامل میں شامل کیا جائے تو ہمیں تو کوئی اشکال نہیں ہم نفس ایمان کی بحث کرتے ہیں کہ وہ تصدیق ہے۔

دوسرا اطلاقات میں وسعت ہے وہ دونوں چیزوں کے ایک ہونے کی علامت نہیں ہوتی بلکہ ان میں گہرے ارتباط کی علامت ہے کہ عمل اور ایمان بہت زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہیں کہ ایک دوسرے پر اطلاق ہو جاتا ہے لیکن حقیقت الگ ہے ایمان اور عمل میں آپس میں شدید تعلق اور شدت اتصال ہے اسی وجہ سے ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے لیکن اس سے ایک ہونا لازم نہیں آتا۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام او الخوف من القتل

لقولہ تعالیٰ قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (الحجرات:۱۴) فاذا کان علی الحقیقۃ فھو علی قولہ جل ذکرہ ان الدین عند اللہ الاسلام الأیۃ (آل عمران:۱۹)

باب جب کہ اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ وہ ظاہری طور پر تابعداری ہو یا قتل کے خوف سے ہو تو یہ اطلاق درست ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اعرابی نے کہا کہ ہم ایمان لائے آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ظاہر تابعداری قبول کی پس اگر وہ ایمان حقیقت پر مبنی ہو تو باری تعالیٰ کے ارشاد ان الدین عند اللہ الاسلام (بے شک دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) کا مصداق ہے۔

حدیث

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی عامر بن سعد بن ابی وقاص عن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی رھطا وسعد جالس فترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا ھو اعجبھم الیّ فقلت یا رسول اللہ مالک عن فلان فو اللہ انی لأراہ مؤمنا فقال او مسلما

فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منه فعدت لمقالتی فقلت مالك عن فلان فوالله انی لأُراہ مؤمنا فقال او مسلما فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منه فعدت لمقالتی وعاد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال یاسعد انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الیّ منه خشیة ان یکبّه الله فی النار۔

ورواہ یونس وصالح ومعمر وابن اخی الزهری عن الزهری۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کچھ لوگوں کو بطور تالیف قلب مال دیا اور حضرت سعد بھی حاضر تھے اور ایک آدمی کو چھوڑ دیا حضرت سعد فرماتے ہیں جو میرے نزدیک ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا چنانچہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں شخص کو کیوں ترک فرمادیا؟ اللہ کی قسم میں اسے مومن سمجھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا مومن کہہ رہے ہو یا مسلم؟ میں کچھ دیر تو چپ رہا پھر مجھے اس بات نے مجبور کیا جو مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم تھی چنانچہ میں نے دوبارہ وہی کہا اور عرض کیا آپ نے فلاں شخص کو کیوں ترک فرمایا اللہ کی قسم میں اسے مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن یا مسلم؟ چنانچہ پھر تھوڑی دیر میں خاموش رہا پھر مجھے اس بات نے مجبور کیا جو مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم تھی اور میں نے دوبارہ وہی بات کہی اور رسول اکرم ﷺ نے بھی وہی ارشاد فرمایا پھر آپ نے فرمایا سعد! میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا انسان مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس ڈر سے کہ اللہ اس کو جہنم میں اوندھا نہ گرادے۔

اس روایت کو زہری سے یونس، صالح، معمر اور زہری کے بھتیجے نے بیان کیا ہے۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ کا اس باب سے کیا مقصد ہے اس میں محدثین کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) پہلی رائے

عام محدثین کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری ؒ ایک سوال مقدر کا جواب اس باب میں دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جیسا کہ امام بخاری ؒ کا مسلک ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہیں اور متحد ہیں تو قرآن مجید میں اعراب کے بارے میں یہ کیوں فرمایا گیا 'قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا' تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک چیز نہیں بلکہ الگ الگ ہیں۔

امام بخاری ؒ یہ باب لا کر جواب دے رہے ہیں کہ اسلام کی دو قسمیں ہیں اسلام حقیقی یعنی جس میں حقیقت شرعیہ پائی جائے اور وہ یہ ہے کہ انقیاد باطنی بھی ہو اور انقیاد ظاہری بھی ہو اور دوسری قسم ہے اسلام غیر حقیقی کہ جس میں صرف انقیاد ظاہری ہو جو کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ہو اور باطنی طور پر نفاق ہو۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ اسلام حقیقی ایمان کے ساتھ متحد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں

ہے ان الدین عند اللہ الاسلام اور اسلام غیر حقیقی ایمان سے جدا اور الگ ہے جیسا کہ اعراب والی آیات میں ہے تو باب کی عبارت یوں بنے گی ''اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة الشرعیة فھولیس بمتحد مع الایمان فاذا کان علی الحقیقة الشرعیه فھو متحد مع الایمان'

(۲) دوسری رائے

دوسری رائے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کسی سوال مقدر کا جواب نہیں دے رہے بلکہ ابتداً ایک مسئلہ بیان فرمار ہے ہیں کہ اسلام اگر نفس الامر اور حقیقت میں موجود ہے تو وہ ایمان کے ساتھ متحد ہے اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش ہے اور اگر اسلام نفس الامر میں نہیں ہے تو وہ دنیا میں تو نفع دے گا لیکن آخرت میں اس کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی تو ان کے نزدیک باب کی عبارت یوں ہے ''اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة (ای فی نفس الامر) وکان علی الاستسلام او الخوف من القتل فھولیس بنافع فی الآخرة فاذا کان علی الحقیقة ای فی نفس الامر فھو نافع فی الدنیا و الآخرة''

یہ دونوں آراء اس نظریے پر مشتمل ہیں کہ قالت الاعراب والی آیت منافقین کے بارے میں ہے جو کہ بنو اسد قبیلے کے بارے میں نازل ہوئی جو مدینہ شریف ہجرت کرکے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلانے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال و متاع کی خواہش کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس لیے ابن کثیر ؒ نے بھی اپنی تفسیر میں امام بخاری ؒ کے حوالے سے اس آیت کو منافقین کے بارے میں قرار دیا ہے۔

(۳) تیسری رائے

یہ رائے علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ محققین مفسرین کے ہاں یہ آیت منافقین کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ضعیف العقیدہ اور کمزور ایمان والوں کے بارے میں ہے کہ ان اعراب نے جس درجے کے ایمان کا دعویٰ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا لیکن آگے جس نرمی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے وہ دلیل ہے کہ وہ لوگ منافق نہیں تھے ورنہ خطاب میں سختی اور غلظت برتی جاتی اس لیے فرمایا لما یدخل الایمان فی قلوبکم لفظ لما عربی میں توقع کے لیے آتا ہے کہ عنقریب ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہو جائے گا ابھی اس طرح داخل نہیں ہوا کہ جو قلب کے رگ و ریشے میں سما جائے۔

تو علامہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ اس باب میں ایمان میں کمی زیادتی کا مسئلہ ثابت کر رہے ہیں کہ بعض کا ایمان اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اس سے ایمان کی نفی کر دی جاتی ہے اور اس باب میں حقیقت سے مراد کمال ہے جیسا کہ حارثہ ؓ کی حدیث میں آپ

نے ما حقیقة ایمانك فرما کر کمال پوچھا تھا اس لیے محدثین نے اس حدیث پر باب کمال الایمان باندھا ہے تو اب عبارت یوں ہو گی اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة ای علی وجه الکمال فهو علی ادنیٰ مراتب الایمان واذا کان علی الحقیقة ای علی وجه الکمال فهو علی اعلیٰ مراتب الایمان۔

خوف سے ایمان قبول کرنے کے مراتب

خوف سے ایمان قبول کرنے کے تین مراتب ہیں:

۱۔ خوف سے ایمان قبول کیا لیکن دل میں اسلام اور ایمان کے بارے میں نفرت ہے یہ کافر ہے۔

۲۔ خوف سے ایمان قبول کیا لیکن اسلام کو حق سمجھ کر نہیں کیا بلکہ عام مذاہب کی طرح ایک مذہب سمجھ کر قبول کیا اور اسی پر رہا یہ بھی کافر ہے۔

۳۔ خوف سے ایمان قبول کیا پھر اس کی قوت فکریہ پر اسلام کا حق ہونا منکشف ہو گیا اور اس میں انقیاد ظاہری و باطنی کر لیا تو یہ مسلمان ہے۔

حدیث پر بحث

پیغمبر علیہ السلام نے ایک جماعت کو عطیات دیئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے "فترك رسول الله ﷺ رجلاً" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو چھوڑ دیا هو اعجبهم الیّ وہ مجھے سب سے زیادہ اچھا لگتا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کو نہیں دیا اور دوسروں کو عطیات دیے یہ آدمی حضرت جعیل رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو زیادہ پسند کیوں تھے۔

ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے حضرت جعیل رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تھا یہ فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں کیف تری جعیلاً اے سعد رضی اللہ عنہ تو جعیل رضی اللہ عنہ کو کیسا سمجھتا ہے قلت کشکله من الناس جیسے دوسرے اور فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اس طرح یہ بھی ایک ہیں پھر پوچھا کیف تری فلاناً فلاں کو کیا سمجھتا ہے وہ قبیلے کا سردار تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا سید من سادات الناس وہ تو سردار ہے سرداروں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جعیل خیر من ملاء الارض من فلانٍ فرمایا کہ اگر پوری زمین بھی بھر جائے اس جیسے انسانوں سے تو جعیل ان سے بہتر ہے اس وقت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت جعیل رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔

جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت جعیل رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا اور باقیوں کو دیا فقلت یارسول الله مالك عن فلانٍ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بات ہے فلان آدمی سے آپ اعراض کر رہے ہیں فو الله انی لأراه مؤمناً خدا کی قسم میں اس کو مومن سمجھتا ہوں آپ کیوں نہیں دے رہے فقال اومسلماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوں کہو مسلمان سمجھتا ہوں فسکت قلیلا میں تھوڑی

دیر خاموش رہا ثم غلبنی ما اعلم منہ پھر مجھ پر وہ چیز غالب آئی جس کا مجھے علم تھا پھر وہی بات کی ثم قال یاسعد پھر کہا اے سعد انی لاعطی الرجل میں کبھی ایک آدمی کو دیتا ہوں خشیۃ ان یکبّہ اللہ فی النار اس خوف سے کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں نہ ڈال دے اس لیے کہ وہ ابھی کچا ہے اس کا عشق ابھی پختہ نہیں ہوا اس کو اگر نہ دیا بد گمانی کرے گا میرے خلاف کوئی بات کرے گا دوزخ میں چلا جائے گا دوسرا پکا عاشق ہے اور عاشقوں کو کبھی بد گمانی نہیں ہوتی۔

یہاں پر حضرت سعدؓ سے دو غلطیاں ہوئیں پہلی غلطی تو انسان کا جو ظاہر نظر آتا ہے وہ اسلام ہوتا ہے کلمہ پڑھ رہا ہے کلمہ پڑھنا اسلام ہے نماز پڑھنا اسلام، روزہ رکھنا اسلام یہ سارا اسلام ہے اور جو عقائد باطنی ہیں وہ ایمان ہیں اور جو باطنی چیزیں ہیں ان کی یقینی خبر صاحب وحی دے سکتا ہے میں اور آپ گمان کر سکتے ہیں ہمارا یہ گمان ہے کہ مومن ہو گا انشاءاللہ یقینی نہیں تو ایک تو یہ غلطی حضرت سعدؓ سے ہو رہی تھی کہ اس پر مومن ہونے کا یقینی حکم لگا رہے تھے یعنی گفتگو میں جو غلطی کر رہے تھے اس پر فرمایا نہیں مسلمان کہو کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں غلطی کی صلاح فرمائی

دوسری غلطی یہ کر رہے تھے کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے دینے کا معیار یہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ پسند کرتے ہیں اس کو دیتے ہیں تو فرمایا دنیا کے مال کی کوئی حیثیت نہیں میں تو اس کو بھی دیتا ہوں جو پسند نہیں ہے اس لیے کہ یہ اسلام کو پسند کرنے لگے اس لیے بعض صحابہؓ کے بارے میں آتا ہے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہم پر احسان کیا یہاں تک کہ ہمیں آپ سے محبت ہو گئی کیونکہ الانسان عبد الاحسان ہے۔

بہر حال ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مطابقت صاف موجود ہے کہ اسلام اور ایمان کا فرق حدیث میں آگیا کہ مومن نہ کہو مسلمان کہو مومن کہنے کا حق صاحب وحی کو ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک انصاری بچے کے بارے میں فرمایا تھا عصفورٌ من عصافیر الجنۃ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ بات مت کہو حالانکہ بچے جنت میں جائیں گے لیکن یقینی حکم لگانا یہ صاحب وحی کا کام ہے امتی کا کام نہیں آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ آپ کو کیسے پتہ ہے اماں نے فوراً فرمایا اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں تو یہاں پر بھی یہی ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں، بہت بڑے عالم اور عاشق کو اللہ، رسول ﷺ کے بارے میں، بزرگوں کے بارے میں بد گمانی نہیں ہوتی اس لیے متبحر عالم تو نہیں بن سکتے عاشق بن جاؤ۔

باب افشاء السلام من الاسلام

قال عمار ثلاث من جمعهن فقد جمع الایمان الانصاف من نفسك وبذل السلام للعالم والانفاق من الاقتار

باب سلام کی اشاعت از جملہ اسلام ہے، حضرت عمار ؓ نے فرمایا تین خصلتیں ہیں جس شخص نے انہیں جمع کرلیا اس نے ایمان کامل کرلیا اپنے نفس سے انصاف کرنا، سلام کو عالم میں پھیلانا اور تنگ دستی کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

حدیث

حدثنا قتيبة قال حدثنا الليث عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الخير عن عبد الله بن عمرو ان رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرء السلام على من عرفت ومن لم تعرف۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور متعارفین و غیر متعارفین سب کو سلام کرو۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ سلام کرنا اسلام اور ایمان کا حصہ ہے اور اس پر حضرت عمار ؓ کا قول اور حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ کی حدیث پیش کی ہے اگرچہ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے لیکن وہاں باب اطعام الطعام کے تحت تھی اور وہاں امام بخاری ؒ کے استاذ عمرو بن خالد تھے اور یہاں قتیبہ ہیں تو امام بخاری ؒ نے ایک ہی حدیث جو دو اساتذہ سے پڑھی تھی اس پر الگ الگ باب باندھا تاکہ تکثیر فوائد ہو یا ہر استاذ نے اسی بات کے لیے روایت بیان کی ہو گی جو امام بخاری ؒ نے باب میں ذکر کیا۔

حضرت عمار ؓ کے قول کی شرح

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ اگرچہ ایک صحابی ؓ کا قول ہے لیکن مرفوع حدیث معلوم ہوتی ہے چونکہ سند نہیں ہے اس لیے یقینا مرفوع قرار نہیں دے سکتے۔

حضرت عمار ؓ کے قول میں تین باتوں کا بیان ہے کہ اگر کسی میں یہ تین باتیں جمع ہو جائیں تو اس نے ایمان جمع کرلیا

۱۔الانصاف من نفسك اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں اگر فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے تو اپنے دل سے فیصلہ کرے ظاہری دباوَ وغیرہ کی وجہ سے نہ کرے یا اس کا معنیٰ ہے کہ معاملات میں اپنے آپ سے انصاف کے تقاضے پورے کرائے کہ اگر کسی معاملے میں انصاف کی وجہ سے اپنے آپ کو یا اپنے اعزاو اقارب کو خسارہ ہو تا ہو تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

۲۔بذل السلام للعالم کہ ہر ایک کو سلام کرے اور سلام کرنا دراصل گلے کے لئے سلامتی کی دعا ہے اور سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

۳۔الانفاق من الاقتار کہ تنگدستی میں بھی خرچ کرے یہ بہت اونچا وصف ہے جو صحابہ کرام ؓ میں بطریق اتم پایا جاتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (الحشر:۹) کہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں جبکہ خود فاقہ سے ہوتے ہیں اور بہت سے واقعات اس پر دال ہیں وسعت حاصل کرنے کا گر بھی یہی ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حقوق مخلوق کے ہیں یا خالق کے ہیں پہلی بات میں خالق کے حق کی طرف اشارہ ہے اور باقی باتوں میں مخلوق کے حق کی طرف اشارہ ہے پھر مخلوق کا حق بدنی ہے یا مالی دوسری بات میں بدنی کا ذکر ہے اور تیسری میں مالی کا ذکر ہے

حدیث پر بحث

اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے باب اطعام الطعام کے تحت بس اتنی بات ہے کہ حدیث میں اطعام الطعام میں اہل وعیال کو کھلانا اور مہمانوں کو کھلانا اور غرباء فقراء کو کھلانا سب شامل ہے۔

باب کفران العشیر و کفر دون کفر

وفیہ عن ابی سعید ؓ عن النبی ﷺ

باب خاوندکی ناشکری اور کفر کے دوسرے کفر سے کم ہونے کے بیان میں اور اس باب میں وہ حدیث ہے جسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا ہے۔

حدیث

حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالك عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اریت النار فاذا اکثر اھلھا النسآء یکفرن قیل ایکفرن باللہ قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لو احسنت الی احدٰھن الدھر ثم رأت منك شیئا قالت ما رأیت منك

خیرا قط۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جہنم دکھائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو کفر کرتی ہیں عرض کیا گیا کیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا خاوند کی ناسپاسی کرتی ہیں اور احسان کا اعتراف نہیں کرتیں اگر تم عمر بھر ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو پھر تمہاری جانب سے کوئی ناگواری کی بات ہو جائے تو وہ یہ کہے گی میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں پائی۔

ترجمۃ الباب پر بحث

مقاصد ابواب (پہلا مقصد)

امام بخاری ؒ نے اپنے مقصد کو اضداد سے ثابت کرنا شروع کیا ہے اور ضد سے امام بخاری ؒ اپنے مسلک کو ثابت کر رہے ہیں پہلے تراجم مثبت تھے یہ منفی ترجمہ ہے امام بخاری ؒ دو باتیں ثابت کر رہے ہیں کہ کفر میں درجات ہیں جب کفر میں درجات ہیں تو کفر کے مقابلے پر ایمان میں بھی درجات ہیں کیونکہ کفر ایمان کی ضد ہے تو جب کفر میں تشکیک چل سکتی ہے تو ایمان میں بھی تشکیک ہوگی کہ ایک کفر دوسرے کفر سے بڑھا ہوا ہے اور ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہے تو جب کفر میں درجات اور مراتب ہیں تو کفر کی جو ضد ایمان ہے اس میں بھی مراتب ہیں کیونکہ **الاشیاء تعرف باضدادھا** کیونکہ ضد سے اشیاء اچھی طرح پہچانی جاتی ہیں تو امام بخاری ؒ نے اپنے مسلک کو کہ ایمان میں درجات ہیں اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اس کو کفر کے درجات سے اور گھٹنے بڑھنے سے ثابت کیا ہے ایک مقصد تو یہ ہے۔

دوسرا مقصد

کفر کا اطلاق جس طرح معاصی پر ہوا ہے آگے آرہا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے معاصی اور گناہوں کو کفر کہا جیسے **ترك الصلوة كفر** نماز چھوڑنا کفر ہے جس نے حج نہیں کیا اس نے کفر کیا جس طرح کفر کا اطلاق معاصی پر ہوتا ہے اسی طرح ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر ہوتا ہے دوسری بات یہ ثابت کی۔

تیسرا مقصد

تیسرا مقصد امام بخاری ؒ کا مرجئہ پر رد کرنا ہے جو اعمال صالحہ کو بے کار قرار دیتے ہیں اور گناہوں کو مضر نہیں سمجھتے جب کہ گناہ اتنے مضر ہیں کہ ان پر کفر کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

چوتھا مقصد

معتزلہ اور خوارج پر بھی رد ہے کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس نے کفر کا تو کام کیا لیکن کافر نہیں ہوگا یہ امام بخاری کے مقاصد ہیں۔

کفر دون کفر پر بحث

کفر دون کفر کہ ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہوتا ہے یہ جملہ کس کا ہے تو محدثین فرماتے ہیں کہ یہ عطاء بن ابی رباح جو کبار تابعین میں سے ہیں ان کا ہے اور ان سے دراصل تین جملے منقول ہیں اور یہ تین جملے قرآن مجید کی تین آیات کی تفسیر میں ہیں دراصل قرآن مجید میں ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئك هم الكافرون** (المائدۃ:۴۴) اور اسی میں آگے جا کر فرمایا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الظالمون** (المائدۃ:۴۵) اور **من لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئك هم الفاسقون** (المائدۃ:۴۷) یہ تین جملے آگے پیچھے کرکے ایک رکوع میں ہیں تو ان آیات کی تفسیر میں عطاء بن ابی رباح نے فرمایا **کفر دون کفر، ظلم دون ظلم** اور **فسق دون فسق** اور یہ جملے دراصل انہوں نے اپنے استاذ حضرت عبد اللہ بن عباس سے لیے ہیں ان سے جب ان آیات کے بارے میں پوچھا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الكافرون فاسقون ظالمون** تو انہوں نے دو جملے کہے فرمایا **هو بهم کفر** یعنی انہوں نے کفر کا کام کیا لکن **لیس بکفر ینقل عن الملة** لیکن ایسا کفر نہیں ہے جو ان کو ملت اسلام سے نکال دے دوسرا فرمایا **هو بهم کفر ولیس کمن کفر باللہ وملئکته وکتبه ورسوله** یہ کفر تو ہے لیکن ایسا کفر نہیں ہے جو اس شخص کا ہے جو اللہ رسول ﷺ کا منکر ہے اس سے استنباط کیا عطاء بن ابی رباح نے کہ کفر کے اندر درجات ہیں اور فسق اور ظلم میں درجات ہیں کہ اعلیٰ درجہ کفر کلیہ ہے کہ ملت اسلام سے نکال دے اور اس کے نیچے کے درجات کفر تو ہیں لیکن وہ ملت اسلام سے نہیں نکلتا جیسے خلاف شریعت فیصلہ کرنا یہ کفر کا کام ہے لیکن یہ ایسا کفر ہے جس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا یہ فسق کا کام ہے لیکن ایسا فسق نہیں ہے جو ملت اسلام سے نکال دے کیونکہ فسق کا اطلاق کافروں پر بھی ہوا ہے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور فسق کا اطلاق مسلمان پر بھی ہوا ہے **ولا فسوق ولا جدال فی الحج** (البقرۃ:۱۹۷) اسی طرح ظلم ہے کہ کافروں کو بھی ظالم کہا ہے اور جو نفس کی شرارتوں پر چلتا ہے اس کو بھی ظالم کہا ہے بہر حال یہ کفر کے ظلم کے اور فسق کے درجات ہیں۔

یہ تین جملے منقول ہیں عطاء بن ابی رباح سے جنہوں نے اپنے استاذ عبد اللہ بن عباس کی تفسیر سے اخذ کیے ہیں۔

سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انہوں نے کفر کا کام کیا تو کافر کیوں نہیں ہوئے؟

جواب

جواب بہت آسان ہے کہ کسی شے پر صفت کا اطلاق کرنے کے لیے اس شے میں اس صفت کی خاص مقدار اور معتدبہ حصے کا پایا جانا ضروری ہے دو چار علمی مسائل جاننے والا عالم نہیں بن جاتا کہ اسے دورہ حدیث کی سند تھما دی جائے طب کے چند نسخے جاننے سے اسے طبیب نہیں کہیں گے ڈاکٹر نہیں کہیں گے بلکہ اس کے لیے خاص قسم کی مقدار علم چاہیے اسی طریقے پر کافر کہنے کے لیے کفر کی خاص مقدار اور معتدبہ کفر کا ہونا ضروری ہے وہ جب تک نہیں ہوگی کافر نہیں کہلائے گا وہ یہی ہے کہ شرک کرتا ہے اللہ رسول ﷺ کا انکار کرتا ہے ضروریات دین کا انکار کرتا ہے تب جا کر وہ کافر ہوتا ہے لہذا اسم مشتق کا اطلاق اس وقت کریں گے جب خاص مقدار میں مصدری معنی اس میں ہو جیسے عالم تب کہیں گے جب خاص مقدار میں علم ہو ۔ وغیر ذلك

اعتراض

اب ایک اور اعتراض ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئك هم الکافرون ان پر تو کفر کا اطلاق ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ فیصلوں کے مطابق فیصلے نہیں کرتے ان کو کافرون کہا ہے ۔

جواب

یاد رکھیں یہ جمع کی حیثیت سے کہا ہے ہر ایک کو کافر نہیں کہہ سکتے جمع کے اعتبار سے کافرون ہے جس طرح لعنة الله على الكاذبين کسی ایک کاذب پر آپ لعنت نہیں کر سکتے لیکن کاذبین جمع کے اعتبار سے لعنت درست ہے کیونکہ جمع کا حکم اور ہے اور انفرادی معاملہ الگ ہے لہذا ان کو کافرون جمع کے اعتبار سے کہہ دیا لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو کافر کہا جائے یہ کفر دون کفر کا مسئلہ ہے تو کفر میں درجات ثابت ہو گئے اس سے معتزلہ و خوارج پر بھی رد ہو گیا و مرجئہ اور کرامیہ پر بھی رد ہو گیا

کفر کے فوقانی درجات

وہ کفر جو ملت سے نکال دیتا ہے اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔

کفر انکاری

کفر انکاری وہ کفر ہے کہ زبان و دل ہر چیز سے انکار کرے نہ دل مانے نہ زبان مانے یہ کفر انکاری ہے۔

کفر جحودی

ایک کفر جحودی ہے دل سے مانے لیکن زبان سے اقرار نہ کرے جیسے یہود دل سے مانتے تھے لیکن زبان سے اقرار نہیں

کرتے تھے۔

کفر عنادی

تیسرا کفر عنادی ہے کفر عنادی یہ ہے کہ دل سے بھی مانے اور زبان سے اقرار بھی کرے لیکن پھر بھی کلمہ نہ پڑھے جیسے ابو طالب کا کفر تھا یہ کفر عنادی ہے مانتا تھا اور کہتا تھا تمہارا مذہب سارے مذاہب سے اچھا ہے لیکن پھر کلمہ نہیں پڑھا۔

کفر نفاقی

چوتھا کفر نفاقی ہے کفر نفاقی یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے انکار کرے یہ چاروں کفر کے فوقانی درجات ہیں۔

کفر کے تحتانی درجات

اور ایک کفر کا تحتانی درجہ ہے جتنے گناہ ہیں وہ تحتانی کفر ہیں **کفر دون کفر** جیسے کفران العشیر کہ شوہر کی نافرمانی کو بھی پیغمبر علیہ السلام نے کفر قرار دیا کہ شوہر کی نافرمانی کرکے کفر کا کام کیا عشیر معنی زوج و رکفران کا معنی ناشکری کفران اور کفودونوں کا ایک ہی مادہ ہے اس کو کفر قرار دیا ہے لیکن یہ کفر کا تحتانی درجہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ کفر میں درجات ہیں تو اس کے مقابلے میں ایمان میں بھی درجات ہیں۔

لفظ "دون" کی بحث

اب آخری بحث ہے کہ **کفر دون کفر** میں **دون** کس معنی میں ہے تو علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں **دون** معنی ہے قریب کہ ایک کفر دوسرے کفر کے قریب ہے **دون** اقرب کے معنی میں ہے اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں **دون** معنی ہے غیر ایک کفر دوسرے کفر کا غیر ہے محدثین نے ابن حجر عسقلانی ؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے کیونکہ قریب کا معنی زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ کفر کے وہ درجات امام بخاری ؒ بیان کرنا چاہتے ہیں جو ملت اسلام سے نہیں نکالتے تاکہ اس کے مقابلے پر ایمان میں درجات ثابت کرے یعنی تحتانی درجات کفر کو ثابت کر رہے ہیں تاکہ ایمان میں درجات ہو جائیں اور اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہو جائیں جس طرح معاصی کفر میں داخل ہیں تو تحتانی درجات کو امام بخاری ؒ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں فوقانی کو نہیں فوقانی کی چار قسمیں ہیں تو امام بخاری اس کو بیان نہیں کرنا چاہ رہے امام بخاری تو اعمال کو ایمان کا حصہ بنانا چاہتے ہیں اور ایمان میں درجات ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ تب ہی ہو گا کہ وہ کفر مراد لیا جائے جس کا اطلاق معاصی پر ہوتا ہے اس لیے اس سے وہ کفر مراد ہے جو ملت اسلام سے نہیں نکالتا اس میں درجات ہیں اسی طرح ایمان میں درجات ہیں اور اعمال اس کا حصہ ہیں جس طرح معاصی

اس کا حصہ ہیں اور اگر غیر کہیں گے تو فوقانی درجات ہوں گے اور فوقانی یہاں مطلوب نہیں ہیں۔

حدیث پر بحث

عن ابن سعید عن النبی ﷺ اریت النار مجھے دوزخ دکھائی گئی یہ کب دکھائی گئی یا تو معراج کی رات یا جب کسوف شمس ہوا تھا اس وقت دکھائی گئی فاذا اکثر اھلھا النساء تو میں نے دیکھا کثر دوزخ میں عورتیں ہیں یکفرن کفر کرتی تھیں جو عورتیں دکھلائی گئیں وہ کونسی عورتیں تھیں بعض نے کہا اس وقت تک جو مسلمان عورتیں فوت ہو چکی تھیں وہ تھیں یا جو بھی فوت ہو چکی تھیں بعض نے کہا نہیں مستقبل کے بارے میں دکھایا گیا جس کو کشف کہتے ہیں آئندہ کے حالات دکھائے گئے زیادہ راجح یہی ہے کہ مستقبل کا دکھایا گیا اکثر اھلھا اکثر دوزخ میں عورتیں تھیں۔

اشکال

اس پر ایک اشکال ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو دنیا کی دو عورتیں ملیں گی تو اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں اکثر عورتیں ہوں گی اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت دوزخ میں عورتوں کی ہے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ فی نفسہ ہر جگہ اکثریت ہوگی وہاں بھی اکثریت ہوگی یہاں بھی اکثریت ہوگی لیکن صحیح جواب یہ ہے کہ ابتداءً دوزخ میں اکثریت ہوگی جب وہاں سزا کاٹ لیں گی تو پھر جنت میں آجائیں گی تو جنت میں اکثریت ہو جائے گی تو پہلے دوزخ میں اکثریت ہوگی بعد میں جنت میں اکثریت ہوگی۔

یکفرن فرمایا کفر کرتی ہیں قیل ایکفرن باللہ کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ کا کفر کرتی ہیں یعنی کیا زیادہ عورتیں کافر ہوں گی فرمایا نہیں قال یکفرن العشیر دیکھو سوال کرنے والے نے اس کفر کا سوال کیا جو ملت سے نکالنے والا ہے فرمایا نہیں تحتانی درجہ کا کفر کرتی ہیں شوہر کی نافرمانی و ناشکری کرتی ہیں تو درجات ثابت ہو گئے کفر میں ایک درجہ جو ینقل عن الملۃ ہے اور ایک نیچے اور پھر نیچے بھی بہت سے درجات ہیں اس سے کفر میں درجات ثابت ہیں اس سے کفر میں درجات ثابت ہو گئے جب کفر میں درجات ہیں تو ایمان میں بھی درجات ہیں اور یہ جس طرح نافرمانی اور ناشکری پر کفر کا اطلاق ہوا ہے اور اسی طرح اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مرجئہ پر بھی رد ہو گیا کہ تم معاصی کو مضر نہیں سمجھتے حالانکہ کفر ہے اور معتزلہ خوارج پر بھی رد ہو گیا یہ کفر کرنے سے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گی اگر جائیں گی بھی تو نکال لیا جائے گا یکفرن العشیر شوہر کی نافرمانی کرتی ہیں و یکفرن الاحسان اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں کوئی بھی احسان کرے ناشکری کرتی ہیں۔

یکفرن العشیر میں نکتہ

یکفرن العشیر کہا ہے اس میں بھی ایک نکتہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق کا انکار کفر ہے تو شوہر کی نافرمانی کفر قرار دیا اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر میں حکم دیتا کسی غیر کو سجدہ کرنے کا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں تو حقوق کے اعتبار سے شوہر کے حق کو اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد رکھا گیا ہے۔

عورت کی خصلت

پیغمبر علیہ السلام نے ان کی طبیعت کو بیان کیا اور یہ خصلت بیان کی کہ مادہ ناشکری ان میں پایا جاتا ہے اگر اس کی اصلاح کر لی جائے تو یہ ختم ہو جاتی ہے یہ اس لیے بتایا کہ عورتیں اس معاملے میں اپنی اصلاح کریں اور ناشکری کا جو مادہ ان میں پایا جاتا ہے اس کو دور کریں لو احسنت الی احداھن الدھر اگر تو احسان کرے ایک عورت پر الدّھر لمبے زمانے تک پوری زندگی گزار دی اس کی نوکری چاکری کرتے ہوئے ثم رأت منك شیأً پھر تجھ سے ایسی چیز دیکھی جو ناپسند ہے ما رایت منك خیرا قط تو کہتی ہے کہ کبھی بھی خیر نہیں دیکھی تیرے گھر میں جب سے آئی ہوں خیر کا منہ نہیں دیکھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کا فرمان

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اچھی تعبیر کی ہے کہ تمہارے زندگی بھر کے دیے ہوئے کپڑے اور جوتے اور زندگی بھر کے برتن اس ایک جملے میں اڑ دوے گی کہے گی کیا لے کر دیے تو نے دو چیتھڑے اور کیا لے کر دیے دو لیتھڑے اور کیا لے کر دیے تو نے دو ٹھیکرے۔

باب المعاصی من امر الجاھلیة ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرك

لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انك امرء فیك جاھلیة وقول اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ ویغفر ما دون ذالك لمن یشآء (النساء:۴۸) وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الحجرات:۹) فسماھم المؤمنین

باب اس بیان میں کہ معاصی جاہلیت کے امور سے ہیں ان کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا سوائے شرک کرنے والے کے اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابھی تمہارے اندر جاہلیت موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ شرک کی بخشش نہیں فرمائے گا اور اس کے ماسوا جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا اور ارشاد ربانی ہے اگر مومنین

کے دو گروہ آپس میں قتال کریں تو ان میں باہم صلح کر دو یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو مومن کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے

حدیث

حدثنا عبدالرحمن بن المبارك قال حدثنا حماد بن زيد قال حدثنا ايوب ويونس عن الحسن عن الاحنف بن قيس قال ذهبت لانصر هذا الرجل فلقيني ابو بكرة فقال اين تريد قلت انصر هذا الرجل قال ارجع فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا التقى المسلما ن بسيفيهما فالقاتل والمقتول فى النار قلت يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه كان حريصا على قتل صاحبه۔

ترجمہ: حضرت احنف بن قیس کا بیان ہے کہ میں اس شخص (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے چلا درمیان میں حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا میرا ارادہ اس شخص کی مدد کرنے کا ہے فرمایا واپس جاؤ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو قاتل ہے لیکن مقتول کا جرم کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ بھی اپنے بھائی کو قتل کرنے کے درپے تھا۔

حدیث

حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن واصل الاحدب عن المعرور قال لقيت ابا ذر بالربذة وعليه حلة وعلى غلامه حلة فسألته عن ذالك فقال انى سابيت رجلا فعيرته بامه فقالى لى النبى صلى الله عليه وسلم يا ابا ذر اعيرته بامه انك امرء فيك جاهلية اخوالكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم فاعينوهم۔

ترجمہ: حضرت معرور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملا، حضرت ابو ذر ایک حلہ پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی ایک حلہ پہنے ہوئے تھا میں نے حضرت ابو ذر سے اس کا سبب پوچھا حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو گالی دی اور اس کو اس کی ماں کی طرف سے شرمندہ کیا اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابو ذر! تمہارے اندر جاہلیت کی باتیں چلی آتی ہیں، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں

تمہارے ہاتھوں کے نیچے رکھا ہے جس کا بھائی اس کے زیر دست ہو اس کو چاہیے کہ جو خود کھائے اس میں سے اپنے غلام کو بھی کھلائے اور اپنے جیسا لباس پہنائے اور انہیں ایسی چیز کا حکم مت دو جو ان کے لیے بھاری ہو اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو ان کی امداد کرو۔

ترجمۃ الباب کے مقاصد

امام بخاری ؒ نے مرکب ترجمۃ الباب باندھا ہے پہلا ترجمۃ الباب ہے **باب المعاصی من امر الجاھلیۃ** کہ گناہ جاہلیت اور کفر کا کام ہے اور دوسرا **ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرك** کہ گناہ کا کام کرنے سے کافر نہیں ہوگا جب تک کفر و شرک نہ کرے یہ ترجمۃ الباب مرکب ہے لیکن مقصود پہلا حصہ ہے **باب المعاصی من امر الجاھلیۃ** اور اس سے مرجئہ پر رد کر رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ گناہ نقصان نہیں دیتا امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کیسے نقصان دہ نہیں ہے حدیث شریف میں گناہ کو کفر کا کام قرار دیا گیا ہے کوئی بھی گناہ ہو وہ کفر کا کام ہے **امر الجاھلیۃ ای امر الکفر** جاہلیت کفر کو کہتے ہیں زمانہ جاہلیت زمانہ کفر جاہلیت کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر پیغمبر علیہ السلام تک کا ہے یہ زمانہ فترت ہے جو تقریباً چھ سو سال کا زمانہ ہے یہ زمانہ جاہلیت ہے جس میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی تھی جتنے بھی گناہ آج ہو رہے ہیں وہ سارے اس زمانے میں رواج میں تھے چوری چکاری، جوا، شراب نوشی، زنا، لواطت، بد معاشی، ناچ گانا وغیرہ سب اس زمانے میں رواج میں تھے اس لیے ان کو پیغمبر علیہ السلام نے زمانہ جاہلیت کا کام قرار دیا ہے امام بخاری ؒ **امر الکفر** کا لفظ نہیں لائے بلکہ جاہلیت کا لفظ لے کر آئے ہیں کیونکہ حدیث میں لفظ جاہلیت استعمال ہوا ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے امام بخاری ؒ نے جاہلیت کا لفظ استعمال کیا ہے ورنہ معاصی پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے اس سے امام بخاری ؒ نے اپنا مسلک بھی ثابت کر دیا کہ جب معاصی پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے تو طاعات پر ایمان کا اطلاق ہوگا اور مرجئہ پر صریح رد ہے اب مرجئہ پر رد کرنے کے ساتھ امام بخاری کو خطرہ پیدا ہوا کہ کفر کا کام سمجھ کر معتزلہ و خوارج جن کا عقیدہ ہے کہ گناہ کا کام کرنے والا کافر ہو جاتا ہے ان کو فائدہ نہ ہو جائے تو امام بخاری ؒ نے کہا **لا یکفر صاحبھا** گناہ کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیں گے جب تک کہ شرک کا ارتکاب نہ کرے جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر ہوا کہ علم کے چند مسائل جاننے کی وجہ سے عالم نہیں بنتا بلکہ مخصوص مقدار علم کا جاننا ضروری ہے تب جا کر عالم بنتا ہے اور طب اور حکمت کے چند مسائل جاننے سے طبیب یا حکیم نہیں بنتا بلکہ اس کے لیے خاص مقدار میں علم کا ہونا ضروری ہے اسی طرح گناہ کرنے سے کافر نہیں بنتا بلکہ کافر بننے کے لیے مخصوص قسم کے ارتکابات ضروری ہیں کہ ضروریات دین کا انکار کرے تب جا کر اس پر لفظ کافر کا اطلاق ہوگا تو گناہ کفر کا کام تو ہے لیکن کافر کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا اسم مشتق کا اطلاق تب ہوتا ہے جب وہ چیز خاص مقدار میں ہو۔

ترجمۃ الباب پر دلیل

امام بخاری نے ترجمۃ الباب کے پہلے حصے پر دلیل حدیث شریف سے دی ہے **یقول النبی ﷺ انك امرء فیك جاھلیة** حدیث آگے آرہی ہے پوری تفصیل کے ساتھ **وقول اللہ تعالیٰ** یہ دوسرے ترجمۃ الباب پر دلیل ہے **ان اللہ لا یغفران یشرك بہ** اللہ ہر گز معاف نہیں کرے گا جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا **ویغفر مادون ذالك لمن یشاء** اور معاف کر دے گا جو اس سے کم جرم ہو گا۔

آیت پر اشکال

بحث چل پڑی کہ شرک معاف نہیں اب ایک آدمی شرک نہیں کرتا توحید پر یقین رکھتا ہے لیکن نبوت کو نہیں مانتا ختم نبوت کو نہیں مانتا شرک تو نہیں ہے جبکہ فرمایا مشرک کو معاف نہیں کروں گا کفر اور شرک میں کبھی نفکاک ہو جاتا ہے ہر مشرک کافر ہے لیکن ہر کافر مشرک نہیں ہوتا جیسے دہریہ ہے نہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے نہ کسی اور کو کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتا کافر ہے مشرک نہیں یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مشرک کی مغفرت نہیں تو اس کافر کا کیا حکم ہو گا ختم نبوت کا منکر ہے پیغمبر علیہ السلام کا منکر ہے حضرات صحابہ کرام ؓ کا منکر ہے تو مشرک نہیں تو کیا حکم لگائیں گے؟

جواب نمبر ۱

یہاں دو جواب دیئے گئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ **و یغفر مادون ذلك** معاف کر دے گا جو شرک سے کم جرم ہو گا کفر تو شرک سے کم نہیں بلکہ کبھی کبھی شرک سے بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ مشرک اللہ کو بھی مانتا ہے اور غیر اللہ کو بھی مانتا ہے اور دہریہ کسی کو بھی نہیں مانتا تو اس کا معاملہ مشرک سے بھی بڑھا ہوا ہے لہذا **مادون ذالك** تو جو گناہ دون ہو گا شرک سے وہ معاف ہے جو شرک کے برابر یا اس سے آگے ہے وہ معاف نہیں۔

جواب نمبر ۲

دوسرا جواب بڑا تحقیقی ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو تفسیر میں بڑا مقام عطا فرمایا ہے یاد رکھیں قرآن مجید جس ماحول میں اترا تھا اس ماحول کو سامنے رکھنا ضروری ہے یعنی جو ماحول پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں تھا قرآن نے اس ماحول کو سامنے رکھا ہے تفسیر کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ آپ اس ماحول کو اور اس زمانے کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں اس لیے قرآن نے وہ باتیں پیش نہیں کیں جو آئندہ پیش آئیں گی اشارہ دے دیا لیکن تصریح نہیں کی

کیونکہ لوگ نہ سمجھتے۔

جیسے ارشاد ربانی ہے ویخلق ما لا تعلمون (النحل:۸) اور اللہ وہ پیدا کریں گے جس کا تم کو علم بھی نہیں ہے اس میں قیامت تک کی ایجادات آ گئیں تو قرآن نے اس ماحول کو سامنے رکھا تو پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں جو کافر تھے وہ چار قسم کے تھے اور سب مشرک تھے۔

مشرکین

ایک مشرکین مکہ تھے جو بتوں کو پوجتے تھے اور خانہ کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ لات، عُزیٰ اور منات بڑے بت تھے۔

مجوس

دوسرے مجوسی تھے یہ بھی مشرک تھے اس لیے کہ وہ آگ کو پوجتے تھے اور دوسرا وہ کہتے تھے دو خدا ہیں ایک خیر کا خدا ہے جس کا نام یزداں ہے اور ایک شر کا خدا ہے جس کا نام ہے اہرمن ہے دو خداؤں کے قائل تھے اور آگ کی پوجا کرتے تھے یہ بھی مشرک تھے۔

عیسائی یا نصاریٰ

تیسرے نصاریٰ تھے قرآن مجید نے فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ (المائدۃ:۷۳) کافر ہو گئے لوگ جو کہتے ہیں اللہ تین میں سے ایک ہیں تو تین خداؤں کے قائل ہیں یہ بھی مشرک ہو گئے اور آج تک توحید ثابت نہیں کر سکے تثلیث کا عقیدہ ان کا ہے بہت زور لگاتے ہیں آخر میں یہ کہہ دیتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے متشابہات ہیں تمہارے ہاں حالانکہ ایک ہوتا ہے محالات العقول اور ایک ہوتا ہے محارات العقول یعنی ایک ہوتا ہے عقل اس کو محال سمجھے ایک ہوتا ہے عقل حیران ہو جائے دونوں میں فرق ہے جیسے ید اللہ اللہ کا ہاتھ ہے الٓمٓ اس کے خاص معانی ہیں تو عقل کہتی ہے یہ ہو گا لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہم اس کیفیات کو سمجھ نہیں سکتے لیکن یہ کہتے ہیں تین ایک ہے ایک تین ہے تو یہ عقل کے خلاف ہے اور متشابہات قرآن وہ محارات العقول ہیں محالات العقول نہیں ہیں یہ بڑے گر کی بات ہے لہذا عیسائیوں کا جو تثلیث کا عقیدہ ہے کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں یہ خلاف عقل ہے اور معجزات اور متشابہات یہ خلاف عقل نہیں ہیں بلکہ عقل سے بالا ہیں یہ ایسے ہی ہے کہ اگر کوئی سنار کے کانٹے کے ساتھ کوہ ہمالیہ تولنے لگے فی نفسہٖ تو ممکن ہے کہ تول لے لیکن بہت مشکل ہے بالکل متشابہات کا سمجھنا اسی طرح ہے کہ

فی نفسہٖ ممکن ہے کہ وہ ایسی ہو لیکن اس کی کیفیت اللہ جانتا ہے اللہ کے ہاتھ ہیں اللہ دیکھتے ہیں جتنے افعال ہیں اللہ تعالیٰ کے لیکن اللہ کا نہ جسم ہے نہ کوئی عنصر ہے یہ خلاف عقل نہیں یہ عقل سے بالا ہیں کہ ان کیفیات کو اللہ جانتے ہیں قیامت کے دن کھل جائے گا بہر حال عیسائی جو تھے وہ بھی مشرک تھے۔

یہود

اب رہ گئے یہودی تو قرآن مجید نے فرمایا وقالت الیہود عزیر ابن اللہ (التوبۃ:۳۰) یہودی کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس زمانے میں جو یہودی موجود تھے کسی یہودی نے یہ نہیں کہا کہ ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہے اگر آج کا یہودی یہ کہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے جو قرآن بیان کرتا ہے تو سوال ہے تمہارے باپ دادا اس وقت انکار کر دیتے انہوں نے تسلیم کیا کیونکہ وہ عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے بعد میں تو بہت سی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں یا تبدیل کر لیتے ہیں لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے لیکن اس زمانے میں بھی اس عقیدے کا وجود تھا حضرت عثمانی ؒ نے فرمایا مولانا امیر خان صاحب ؒ جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ کے خادم خاص تھے اور حضرت شیخ الہند ؒ سے بڑی ملاقاتیں ہوتی تھیں بڑے آدمی تھے امیر خان پٹھان تھے یہ سیر کرنے کے بہت شوقین تھے وہ شام گئے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں تو جو یہودی وہاں تھے انہوں نے کہا ہم تو نہیں مانتے تو پھر لوگوں نے بتایا ایک بستی ہے وہاں کچھ لوگ ہیں وہ اس بستی میں گئے تو اس فرقے کا نام ہی عزیر یہ تھا اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

حضرت عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ فرقہ نہ بھی ہوتا تب بھی قرآن کی بات سچی ہے اس زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے لیکن الحمد للہ آج بھی اللہ نے قرآن پاک کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایسے لوگ باقی رکھے ہوئے ہیں تا کہ قرآن پاک سچا ہے تو قرآن پاک کی سچائی اور حقانیت موجود ہے آج بھی قرآن کا چیلنج ہے قالت الیہود عزیر ابن اللہ تو حضرت عثمانی ؒ فرماتے ہیں اس زمانے میں جو کافر تھے وہ سارے کے سارے مشرک تھے اس لیے قرآن مجید نے کہا کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ لیکن اس زمانے میں بھی اگر فرقے دیکھے جائیں تو ہمارے علاقے میں تین فرقے اور پائے جاتے ہیں کافروں کے ایک ہندو ہیں دوسرے آریہ سماج اور تیسرے سکھ ہیں یہ بھی سارے مشرک ہیں ہندوؤں کے تو تینتیس کروڑ خدا ہیں نا یک ندواور آریہ سماج تین چیزوں کو قدیم بذات مانتے ہیں یہ جیو جو ہے یہ ہندوؤں کا لفظ ہے اصل میں روح کو قدیم بذات مانتے ہیں یہ لوگ اور اسی طرح سکھ بھی شرک کرتے ہیں بہر حال جتنے بھی کافروں کے فرقے پائے جائیں گے اس میں شرک کا عنصر ضرور رہے اس لیے قرآن مجید نے کہا ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء بہر حال یہ ایک تفسیری بحث ہو گئی۔

آیت وان طائفتان کا ترجمۃ الباب سے تعلق

یہ آیت دوسرے ترجمۃ الباب کے متعلق ہے وَان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحو بینھما (الحجرات:۹) اگر دو جماعتیں ایمان والوں کی آپس میں لڑ پڑیں آپس میں لڑنا یہ کفر کا کام ہے لیکن قرآن نے کہا ہے من المومنین پھر بھی مومنین کہا ہے ایمان کا معزز لقب قرآن نے ان سے نہیں چھینا فاصلحوا بینھما فرمایا آپس میں صلح کرو و فسمّاھم المومنین اللہ نے پھر بھی ان کو مومنین کہا ہے باوجود یہ کہ وہ کفر کا کام کر رہے ہیں اور گناہ کر رہے ہیں تو معلوم یہ ہوا کہ کوئی بھی کفر کا کام کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔

حدیث پر بحث

احنف بن قیسؒ کی روایت

یہ روایت احنف بن قیسؒ کی ہے یہ بہت بڑے تابعی ہیں اور ذہین فطین آدمی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص سپاہی ہیں حضرت احنف بن قیسؒ شکل و صورت سے بالکل مسکین سے آدمی معلوم ہوتے تھے آنکھیں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں اور پاؤں میں بھی ان کے ٹیڑھا پن تھا (احنف کا معنی ہے جس کی ٹانگیں ٹیڑھی ہوں) لیکن عقل بلا کی تھی بڑی عجیب عقل تھی بڑے بڑے معاملات کو ایسے ہی حل کر دیتے تھے اور بڑی حیثیت اختیار کر گئے تھے شروع میں ایسے ہی جیسے عام آدمی ہوتے ہیں کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے عقل دی تھی بعد میں اپنے قبیلے کے سردار بن گئے تھے تو یہ اپنے قبیلے کے پچاس آدمی لے کر جنگ جمل یا جنگ صفین میں شرکت کے لیے جا رہے تھے جنگ جمل حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان لڑی گئی اور جنگ صفین حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان لڑی گئی اور لڑائی کروانے والا ایک تیسرا گروہ تھا جو دونوں کو مروانا چاہتا تھا صحابہ کرامؓ کو آپس میں لڑوا دیا ہزاروں انسان شہید ہو گئے قال ذھبت لانصر ھذا الرجل حضرت احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں چلا تا کہ اس آدمی کی مدد کروں یعنی حضرت علیؓ کی مدد کو چلا قبیلے کے آدمی لے کر فلقینی ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ مجھے ابوبکرہؓ ملے یہ نوجوان صحابہ میں سے ہیں نُفیع نام تھا یہی وہ صحابی ہیں جن سے عورت کی سربراہی کے بارے میں روایت ہے جو لوگ عورت کی سربراہی کے قائل ہیں انہوں نے نعوذ باللہ حضرت ابوبکرہؓ پر ہی جرح کر دی اور ان کو پتا نہیں کیا کچھ کہہ دیا نعوذ باللہ جب پاکستان میں عورت کی حکومت آئی تھی تو حضرت لدھیانوی صاحبؒ نے کتاب لکھ دی تھی اس لیے سب حضرتؒ کے خلاف تھے کیونکہ سب سے پہلے حضرت کی کتاب آئی تھی منظر عام پر تو یہ ابوبکرہؓ ہیں فقال این ترید احنف ابن قیس کو کہا کہاں جا رہا ہے قلت انصر ھذا الرجل میں نے کہا کہ میں اس کی مدد کے لیے جا رہا ہوں قال ارجع واپس چلا جا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول

میں نے پیغمبر علیہ السلام کو فرماتے سنا اذا التقی المسلمان بسیفیهما جب دو مسلمان آپس میں تلواریں لے کر بھڑ پڑیں فالقاتل والمقتول فی النار قاتل مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے قلت یا رسول الله هذا القاتل ابوبکرۃ کہتے ہیں میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ قاتل تو ٹھیک ہے دوزخ میں فما بال المقتول مقتول کیوں دوزخ میں گیا قال انه کان حریصاً علی قتل صاحبه کہ وہ مقتول بھی حریص تھا اس کو قتل کرنے پر لیکن وہ اوردوسرے کا لگ گیا تو دونوں دوزخ میں گئے ایک نیت کی وجہ سے اور دوسرا عمل کی وجہ سے دوزخ میں گیا۔

اعتراض

یہاں ایک بہت بڑا اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لڑائی پر کیسے منطبق کر دیا جب کہ وہ مجتہدین تھے دونوں طرف اجتہاد تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی اجتہاد تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی اجتہاد تھا اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی اجتہاد تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی اجتہاد تھا تو دونوں طرف سے اجتہاد تھا اور مجتهد يخطئ ويصيب خطاء بھی کرتا ہے اور ثواب بھی پاتا ہے اس لیے بالاتفاق فیصلہ ہے کہ دونوں کے مقتول جنت میں جائیں گے۔

جواب

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ نے سد ذرائع کے طور پر یہ کہا تھا یہ شریعت کا بہت اہم باب ہے کہ راستہ بند کردو وہ لوگ پہلے لڑ رہے تھے اور لڑلڑ کر تھکے ہوئے تھے اور جب آدمی تھک جاتا ہے تو صلح پر آجاتا ہے احنف بن قیس نئی کمک لے کر جا رہے تھے یہ لوگ تازہ دم تھے تو آگ مزید بھڑکے گی تو فتنے کو ختم کرنے کے لیے اور مزید قتل و غارت سے بچانے کے لیے حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا سہارا لیا ورنہ وہ بھی جانتے تھے کہ یہ ان پر منطبق نہیں ہوتی مطلقاً روایت بیان کردی تاکہ وہ رک جائیں ڈر جائیں لیکن وہ پھر بھی گئے آخر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے تو ان کا مقصد تھا سد ذرائع کیونکہ ایام فتنہ میں فتنہ میں پڑنے سے وہ بڑھتا ہے اور حکم یہ ہے کہ فتنہ کم کیا جائے دو آدمی لڑ رہے ہیں اگر دو تک جھگڑا رہے تو ختم کیا جا سکتا ہے کیونکہ دونوں کی رائے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے اگر دس آدمی ادھر سے آجائیں اور دس ادھر سے تو جھگڑا ختم نہیں ہوگا کیونکہ گیارہ آدمیوں کی رائے اس طرف اور گیارہ آدمیوں کی رائے دوسری طرف تو جب تک بائیس آرا اکٹھی نہیں ہوں گی اس وقت تک مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہاں دو آرا ہیں دونوں کو قائل کیا جا سکتا ہے اس جھگڑے میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم الگ ہوگئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ، اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی جو الگ رہی نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا ہم اس قضیے میں نہیں پڑتے۔

حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمۃ الباب سے تعلق ہے کہ اس میں اذا التقی المسلمان ان کو مسلمان کہا حالانکہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے لیکن پھر بھی ملت اسلام سے خارج نہیں ہوئے۔

حدیث ابو ذر غفاری ؓ پر بحث

معرور فرماتے ہیں لقیت اباذر بالرّبذۃ میں ابو ذر غفاری ؓ سے ربذہ کے مقام پر ملا یہ ربذہ تین کوس مدینہ سے مکہ کی جانب فوجی چھاؤنی تھی اس زمانے میں ہزاروں گھوڑے مجاہدین کے پلتے تھے وعلیہ حلۃ وعلی غلامہ حلۃ آپ پر ایک جوڑا تھا ویسا ہی ایک جوڑا غلام پر تھا اصل میں دو نئے کپڑے تھے دونوں کے پاس اور دو پرانے تھے معرور نے کہا دوسری روایت میں آتا ہے میں نے کہا یہ غلام ہے آپ دونوں پرانے اس کو دیتے اور آپ دونوں نئے پہنتے ایسا کرنا چاہیے تھا یہ کیا ایک نیا آپ نے پہنا اور نیچے پرانا ہے اس نے نیا پہنا نیچے پرانا ہے اس پر یہ روایت بیان کی فسألتہ عن ذلك میں نے سوال کر لیا بھائی یہ کیا بات ہے فقال انی سابت رجلاً فرمایا میں نے دراصل ایک آدمی کو گالی دی تھی غلام تھا ان کا فعیرتہ باُمّہ میں نے اس کی ماں کے ذریعے عار دلائی کہہ دیا او ئے کالی کے بیٹے وہ کالا تھا حبشہ کا تھا تو پیغمبر علیہ السلام نے سن لیا فقال لی النبی ﷺ مجھے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا یا اباذر أعیّرتہ بامہ تو نے ماں کے ذریعے عار دلائی انك امرؤ فیك جاهلیة تو ایک ایسا انسان ہے جس میں کفر پایا جاتا ہے پیغمبر علیہ السلام نے بڑی سخت ڈانٹ لگائی گویا گالی دینا کفر کا کام ہے اخوانکم خولکم یہ تمہارے بھائی جو تمہارے خادم ہیں جعل اللہ تحت ایدیکم اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے نیچے کر دیا ہے یہ تمہاری طرح انسان ہیں فمن کان اخوہ تحت یدہ پس جس کے ہاتھ کے نیچے اس کا بھائی ہو فلیطعمہ مایاکل وہ چیز کھلائے اس کو جس میں سے خود کھاتا ہے ولیلبسہ ما یلبس اور پہنائے جس میں سے خود پہنتا ہے اس لیے میں نے آدھا کپڑا اس کو دے دیا اور آدھا خود لے لیا ولا تکلفوھم مایغلبھم اور نہ مکلف بناؤ اس کام کا جو اس پر غالب آجائے یعنی اتنا مشکل کام دے دیا کہ وہ کر ہی نہ سکے ایسا نہ کرے فان کلفتموھم فاعینوھم اگر مکلف بنا دے پھر اس کی مدد بھی کرے یعنی کام بھاری اس کے ذمہ لگا دیا پھر خود بھی اس کے ساتھ لگے تو اس حدیث میں آپ علیہ السلام نے گالی دینے کو کفر قرار دیا اس طرح ترجمۃ الباب سے اس کا تعلق ہے۔

باب ظلم دون ظلم

باب اس بیان میں کہ بعض ظلم بعض سے ادنیٰ ہیں

حدیث

حدثنا ابو الولید قال حدثنا شعبة ح قال وحدثني بشر قال حدثنا محمد عن شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله لما نزلت الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم قال اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ایّنا لم یظلم فانزل الله عزوجل ان الشرك لظلم عظیم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم (الانعام:۸۲) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت ان الشرك لظلم عظيم (لقمان:۱۳) نازل فرمائی۔

شرح باب

اس باب سے امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ ظلم میں درجات ہیں ظلم کا اطلاق معاصی پر بھی ہوتا ہے اور شرک پر بھی ہوتا ہے کہ ایک ظلم مخرج عن الملة ہے اور دوسرا ظلم مخرج عن الملة نہیں ہے جب ظلم میں درجات ہیں تو اس کے مد مقابل توحید ہے تو اس میں بھی درجات ہیں تو اس طرح ایمان میں بھی درجات ثابت ہو جائیں گے۔

اور مرجئہ پر بھی رد ہے اور معتزلہ اور خوارج پر بھی کما مر فی ترجمة الباب السابق کہ یہ اس آیت سے ماخوذ ہے ومن لم یحکم بما انزل الله فاؤلئك هم الظالمون یا اس حدیث سے لیا ہے الظلم ظلمات یوم القیامة۔

حدیث پر بحث

حدیث شریف سے دلیل

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام:۸۲) نازل ہوئی تو صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ ہم میں کون ہے جو ظلم نہ کرتا ہو گناہ نہ کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:۱۳)

امام بخاریؒ کا استدلال

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے ترجمۃ الباب ظلم دون ظلم پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پہلی آیت میں ظلم سے عام سمجھا جو معاصی و کفر سب کو شامل تھا آپ علیہ السلام نے نفی نہیں فرمائی البتہ یہ تلایا کہ اس آیت میں ظلم عظیم مراد ہے جو کہ شرک ہے اس سے معلوم ہوا کہ ظلم میں درجات ہیں۔ صحابہؓ نے تحتانی درجہ سمجھا مخرج عن الملۃ نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوقانی درجہ بتلایا جو مخرج عن الملۃ ہے۔

صحابہ کرامؓ کا فہم اور آپ علیہ السلام کی تسلی

صحابہ کرامؓ نے جو عام سمجھا وہ اس لیے کہ نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کے لیے آتا ہے اس لیے صحابہؓ ڈر گئے کہ امن اور اہتداء اس کے لیے ہے جو ذرا بھی گناہ نہ کرتا ہو تو آپ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور سورۃ لقمان کا حوالہ دے کر فرمایا کہ یہاں ظلم عظیم مراد ہے جو کہ شرک ہے تو آپ علیہ السلام نے تنوین تعظیم کے لیے مراد لی جبکہ صحابہؓ نے تنکیر اور تعمیم کے لیے سمجھی۔

ظلم بمعنی شرک پر قرائن

ظلم بمعنی شرک ہے اس آیت میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اس پر تین قرائن ہیں۔

۱۔ اس سے ماقبل آیات میں بار بار شرک کا ذکر ہے لہذا سیاق و سباق کی وجہ سے شرک مراد ہے۔

۲۔ لم یلبسوا خلط نہ کریں اور خلط ایک محل میں ہوتا ہے تو محل ایمان قلب ہے لہذا ظلم سے وہ شے مراد ہے جو محل قلب میں ہو وہ شرک اور کفر ہے کیونکہ معاصی کا محل جوارح و اعضاء ہیں۔

۳۔ بظلمٍ میں تنکیر تعظیم کے لیے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔

آیت پر اشکال

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ لقمان کی آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی؟

جواب

یہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی اس لیے دوسری روایت میں ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا الم تسمعو الی قول لقمان لابنہ تم نے نہیں سنا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تو راوی نے انزل کا لفظ استعمال کر دیا تفسیر اور شان نزول میں ایسی تعبیرات کی گنجائش ہے۔

باب علامات المنافق

باب منافق کی علامتوں کا بیان

حدیث

حدثنا سلیمان ابو الربیع قال حدثنا اسماعیل بن جعفر قال حدثنا نافع بن مالك بن ابی عامر ابو سهیل عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال آیة المنافق ثلاث اذا حدّث کذب واذا وعد اخلف واذا أوتمن خان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب گفتگو کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حدیث

حدثنا قبیصة بن عقبة قال حدثنا سفیان عن الاعمش عن عبدالله بن مرة عن مسروق عن عبدالله بن عمرو ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کان فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتیٰ یدعها اذا أوتمن خان واذا حدث کذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر تابعه شعبة عن الاعمش۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ بالکل منافق ہو گا اور جس میں ان چار چیزوں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس سے باز آجائے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے جب کسی سے جھگڑے تو پھٹ پڑے۔ شعبہ نے اعمش سے اس کی متابعت کی ہے۔

ترجمۃ الباب پر بحث

مقاصد بخاریؒ

امام بخاریؒ نے یہ باب بھی مرجئہ، معتزلہ اور کرامیہ پر رد کرنے کے لیے باندھا ہے اور یہ بھی اضداد میں سے ہے اور منفی ترجمہ ہے اور نفاق دون نفاق کی طرز پر ہے کہ جب نفاق میں درجات ہیں تو اخلاص میں بھی درجات ہیں نفاق کے مقابلے پر

اخلاص ہے تو جب اخلاص میں درجات ہیں تو ایمان میں بھی درجات ہیں کیونکہ اخلاص اور ایمان ایک ہیں۔

نفاق کہا جاتا ہے ظاہر کا باطن کے خلاف ہونا یا باطن کا ظاہر کے خلاف ہونا ظاہر اور باطن میں اختلاف کا ہونا یہ نفاق ہے اس کی دو قسمیں ہیں نفاق اعتقادی اگر اعتقاد ظاہری اور باطنی الگ الگ ہے تو نفاق اعتقادی ہے وہ کفر ہے ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار (النساء:۱۴۵) اور اگر اعتقاد تو ایسا نہیں ہے لیکن عمل الگ الگ ہیں کہ باطن میں کچھ ہے اور عمل کچھ ہے تو یہ نفاق عملی ہے یہ نفاق عملی بہت بری چیز ہے لیکن کفر نہیں ہے یہ نفاق دون نفاق ہے پہلے والا نفاق مخرج عن الملة ہے اور دوسرا نفاق مخرج عن الملة نہیں ہے۔

بعض نے اور دو قسمیں بیان کیں ہیں ایک ہے نفاق شرعی اور ایک ہے نفاق عرفی نفاق شرعی وہی ہے کہ اس کا اعتقاد باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ ہو اور نفاق عرفی یہ ہے کہ جو دل میں بات ہے یا جو کہتا ہے عمل اس کے خلاف ہے بہر حال یہاں امام بخاری ؒ نے ثابت کر دیا کہ نفاق میں درجات ہیں ایک درجہ وہ ہے جو مخرج عن الملة ہے اور باقی درجے وہ ہیں جو مخرج عن الملة نہیں ہیں تو اخلاص میں بھی درجات ہیں اور اس سے ایمان میں کمی اور زیادتی ثابت ہو جائے گی۔

علامۃ المنافق کہا کہ علامتیں کسی میں زیادہ ہیں کسی میں کم ہیں اسی اعتبار سے ایمان گھٹے گا اور بڑھے گا گر نفاق کی علامتیں بڑھتیں جائیں گی تو ایمان کم ہوتا جائے گا اور اگر نفاق کی علامتیں گھٹتی جائیں گی تو ایمان بڑھتا جائے گا۔

اس کے ساتھ ترجمۃ الباب کا مقصد مرجئہ پر بھی رد ہے کہ جو ان چیزوں کو مضر نہیں سمجھتے حالانکہ نفاق قرار دیا ہے ان چیزوں کو اور معتزلہ خوارج پر بھی رد ہے کہ ان کو تجدید ایمان کی ضرورت نہیں ہے بس ان عادتوں کو چھوڑ دے اس کا نفاق ختم ہو جائے گا اور کرامیہ پر بھی رد ہے کہ اقرار باللسان کافی نہیں ہے تصدیق قلبی بھی ضروری ہے۔

حدیث پر بحث

روایت نمبر ا

یہ پہلی روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ہے ایة المنافق ثلث منافق کی تین علامتیں ہیں اذا حدّث کذب جب گفتگو کرے جھوٹ بولے واذا وعد اخلف جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے واذا اؤتمن خان جب امانت د کھوائی جائے خیانت کرے۔

ایمان تین چیزوں سے بنتا ہے نیت۔ قول۔ عمل۔ نیت تصدیق قلبی۔ قول اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ اور عمل نماز، روزہ تو یہ تینوں چیزیں اس کے خلاف ہیں اذا حدّث کذب یہ قول کی خامی ہے اذا وعد اخلف یہ نیت کی

خامی ہے کیونکہ وعدہ خلافی کہتے ہیں کہ جب وعدہ کر رہا ہو اسی وقت پورا کرنے کی نیت نہ ہو اسے وعدہ خلافی کہتے ہیں لیکن اگر وعدہ کیا اس وقت پوری نیت تھی پورا کرنے کی پھر کسی عارض اور مانع کی وجہ سے وہ کام نہیں کرسکا تو یہ وعدہ خلافی میں داخل نہیں واذا اؤتمن خان یہ عمل کی خرابی ہے کہ امانت د کھوائی اس میں سے خیانت کر رہا ہے تو ایمان کے لیے جو تین چیزیں ہیں اس میں خلل آگیا قول و عمل میں بھی خلل آگیا نیت میں بھی خلل آگیا تو نفاق آگیا جوں جوں علامتیں بڑھتی جائیں گیں ایمان کمزور ہوتا چلا جائے گا اور علامتیں کم ہوتی جائیں گی یمان مضبوط ہوتا چلا جائے گا تو الایمان یزید وینقص۔

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے قال اربعٌ من کن فیہ اس میں فرمایا چار چیزیں جس میں ہوں گی پہلے فرمایا تین چیزیں اس میں چار چیزیں قال اربعٌ من کن فیہ کان منا فقاً خالصاً وہ خالص منافق ہے ومن کان فیہ خصلة منهن کانت فیہ خصلة من النفاق اور جس میں ایک خصلت بھی ان میں سے ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی حتی یدعها جب تک چھوڑ نہ دے تو حتی یدعها کا لفظ بتلاتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا ورنہ یدعها کرنے سے مسلمان تھوڑی بنے گا کلمہ پڑھنا پڑے گا وہ چار یہ ہیں اذا اؤتمن خان جب امانت د کھوائی جائے خیانت کرے اذا حدّث کذب جب بولے جھوٹ بولے اذا عاهد غدر عہد کرے تو غداری کرے۔

پہلی روایت میں ہے وعدہ کرے یہاں پر ہے عہد کرے وعدہ ایک آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور عہد کا مطلب ہے معاہدہ جو کسی جماعت کسی ملک والوں کے ساتھ ہوتا ہے اس سے غداری کرے یہ نیت کی خرابی ہے۔

واذا خاصم فجر جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے گالی بھی دراصل زبان ہی کی خرابی ہے یہ بھی ان تینوں میں ہی بند ہے تو یہ کل پانچ بن جاتی ہیں دراصل یہ پانچ تین ہی ہیں۔

حدیث پر اشکال

اب یہاں پر ایک اشکال ہے تمام محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث بھی بڑی مشکل احادیث میں سے ہے کہ یہ جو نفاق کی علامات ہیں یہ کبھی کبھی ایک مسلمان میں بھی پائی جاتیں ہیں بلکہ ایک عالم میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ نبیوں کی اولاد میں بھی پائی گئیں ہیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں یہ تینوں چیزیں پائی گئیں انہوں نے جھوٹ بولا امانت میں خیانت کی اور جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا تو اخوۃ یوسف کے اندر تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں تو اس حدیث کا مطلب کیا ہے کہ تین چیزیں یا چار چیزیں جس کے اندر ہوں وہ پکا منافق ہے خالص منافق ہے۔

جواب نمبر ا

پہلی توجیہ یہ ہے کہ تشبیہ دی ہے کہ وہ منافقوں کے مشابہ ہو جائے گا کیونکہ یہ چیزیں اس زمانے میں منافقوں میں پائی جاتی تھیں تو مسلمان باوجود مخلص ہو کر ایسا کام کرے گا تو تشبہ بالمنافقین اور متخلق باخلاقھم ان کے اخلاق کے ساتھ متخلق اور ان کے ساتھ مشابہ ہو جائے گا۔

جواب نمبر ۲

دوسری توجیہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ڈرایا ہے اور سخت لفظ استعمال کیے ہیں جیسے ترك الصلوة كفر میں ڈرایا ہے پیغمبر علیہ السلام نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ یہ چیزیں اختیار نہ کریں انذار مقصود ہے اس لیے تغلیظ لائے اور سخت جملے استعمال فرمائے۔

جواب نمبر ۳

تیسرا یہ اس آدمی کے لیے ہے جس کی عادت بن جائے اذا حدّث كذب یعنی جب بھی بات کرے جھوٹ بولے یعنی جھوٹ غالب ہو اس کی زبان پر اور وعدہ خلافی غالب ہو اس کی طبیعت میں اور امانت میں خیانت اس میں غالب ہو گالی گلوچ کا اس پر غلبہ ہو فرمایا اس میں نفاق ہے لیکن کبھی کبھار جس سے سرزد ہو جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ہے اخوة يوسف کے ساتھ جو ہوا وہ ایک ہی دفعہ ہوا ان کی یہ عادت نہیں تھی۔

جواب نمبر ۴

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں جو منافقین تھے ان کے بارے میں دراصل آپ نے فرمایا تا کہ عام مسلمان ہوشیار ہو جائیں تو آپ نے کچھ علامتیں بتلائیں صحابہ کرام ؓ اس کے ذریعے اندازہ کر لیتے تھے کہ یہ منافقین ہیں تا کہ ان کے ضرر سے اور ان کے الٹے سیدھے مشوروں سے بچیں اور ان کی جعلی محبتوں سے محفوظ ہوں اس زمانے کے منافقین جو مدینہ کے باسی تھے آپ ﷺ کے دور میں یہ ان کی علامتیں تھیں

جواب نمبر ۵

پانچویں توجیہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے کسی خاص آدمی کے بارے میں فرمایا تھا جو مجمع میں تھا لیکن آپ علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ مجلس میں کسی کا نام نہیں لیتے تھے آپ علیہ السلام نے اس آدمی پر تعریض کی ہے تا کہ وہ ان کاموں کو چھوڑ دے

جواب نمبر۶

اور چھٹی یہ ہے کہ یہ نفاق عملی اور نفاق عرفی کے بارے میں ہے یہ نفاق عرفی ہے یہ نفاق اعتقادی اور شرعی نہیں ہے لہذا منافق نہیں کہہ سکتے اس میں نفاق ہے جیسے کہہ سکتے ہیں اس میں کفر ہے کافر نہیں کہہ سکتے یہ نفاق ہے منافق نہیں کہہ سکتے اس کو ایۃ اور علامت قرار دیا ہے نفس منافق نہیں کہا ایۃ المنافق منافق کی علامت یہ ہے آیۃ کہتے ہیں علامت کو جو کلام منقطع کرنے کے لیے آتی ہے جو شے سے خارج ہوتی ہے لہذا اس حدیث میں نفس نفاق مراد نہیں۔

عطاء بن ابی رباحؒ کا فرمان

حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ یہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں کبار تابعین میں سے ہیں یہ مکہ شریف کے رہنے والے ہیں ایک دفعہ مکہ شریف میں بیٹھے حدیث بیان فرما رہے تھے حج کا موقعہ تھا بصرہ سے ایک آدمی آیا اس نے کہا کہ میں حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں تھا اور میں نے خود سنا انہوں نے یہ حدیث بیان کر کے فرمایا لا تحرج ان اقول انه منافق کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ ایسے شخص کو منافق کہوں یعنی اس پر لفظ منافق کا اطلاق کر دیا لہذا ایسے شخص کو منافق کہہ سکتے ہیں جن میں یہ علامات پائی جائیں تو حضرت عطاء ابن رباحؒ نے فرمایا تم واپس جاؤ گے اس نے کہا جی ہاں میں حج کے بعد واپس جاؤں گا کہا میرا اسلام کہنا حسن بصریؒ کا اور کہنا اخوۃ یوسف کے بارے میں کیا خیال ہے ان میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں آیا ان کو منافقین کہنا جائز ہے وہ شخص واپس گیا اور حضرت حسن بصریؒ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا جزاك الله خيرا اور پھر فرمایا سنو میرے دوستو ایسے ہی کیا کرو جیسے تمہارے ساتھی نے کیا ہے کہ مجھ سے جو بات سنو وہ علماء پر پیش کیا کرو اگر وہ قبول کریں تو بہت اچھا اگر وہ رد کریں تو وہ رد مجھے بتایا کرو۔

یہ لوگ اللہ والے تھے مخلص تھے فوراً رجوع فرمالیا لہذا یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فیہم نفاق لیکن ان کو منافق نہیں کہہ سکتے جیسے تارک صلوۃ کو ہم کہتے ہیں فیہ کفر لیکن اس کو کافر نہیں کہہ سکتے لہذا یہ چھ توجیہات اس اشکال کا جواب ہیں

باب قيام ليلة القدر من الايمان

باب شب قدر کا قیام ایمان سے ہے

حديث

حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ﷺ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقم لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان و احتساب کے ساتھ شب قدر میں قیام کرے گا اس کے سابقہ گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

ترجمۃ الباب پر بحث

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ نے منفی اور اضداد تراجم کے بعد دوبارہ مثبت تراجم کو شروع کیا ہے اس سے قبل آخری مثبت ترجمہ باب السلام من الایمان تھا تو اس کا اس سے ربط ہے کہ لیلۃ القدر بھی سلامتی والی رات ہے سلام ھی حتی مطلع الفجر تو یہ باب ماقبل باب سے متصل ہو گیا اور درمیان میں منفی تراجم آ گئے۔

آپ کو معلوم ہے جتنے مثبت ابواب ہیں جن میں شعب ایمان کا ذکر ہے ان میں امام بخاریؒ کا مقصد پہلے بھی بیان ہو چکا یا تو ایمان کے اجزاء بیان کرنا مقصود ہے یا ایمان کی کمی زیادتی بیان کرنا مقصود ہے یا مرجئہ پر رد کرنا مقصود ہے یا شعبۃ الایمان کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے یا مومن کو وہ بات بتانا مقصود ہے جس کو چاہیے کہ وہ اختیار کرے۔

حدیث پر بحث

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ من یقم لیلۃ القدر ایماناوّ احتساباً۔ من یقم جو کھڑا ہو لیلۃ القدر میں قیام کے دو معنی ہیں قیام کا معنی جاگنا بھی ہے اور قیام کا معنی نماز کے لیے کھڑا ہونا بھی ہے لہذا اجاگ کر کسی بھی عبادت میں وقت گزارے وہ بھی داخل ہے اور نفلی نماز پڑھتا ہے وہ بھی داخل ہے قیام اللیل احیاء اللیل رات کو زندہ رکھنا یا رات کو قیام کرنا تو ایک ہے اٹھنا کہ سویا ہوا اٹھ جائے یہ مراد ہے قام یقوم معنی کھڑا ہونا اور ایک ہے نماز کے لیے کھڑا ہونا لہذا دونوں مفہوم اس حدیث میں مراد ہیں۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعاً (السجدۃ:۱٦) کہ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور اللہ سے مانگتے ہیں خوف اور طمع کی بنیاد پر۔

مَنۡ یقم مضارع لائے جبکہ رمضان وغیرہ میں قام ماضی لائے اس لیے کہ رمضان کا قیام یقینی ہے لیکن لیلۃ القدر کا قیام یقینی نہیں ہے مَن یقم مضارع ہے جو غیر یقینی ہے ایماناً ایک تو ایمان کے ساتھ ہو یہ شرط ہے اور مبداء ہے واحتساباً یہ منتہاء ہے اور غایت ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ احتساب کا معنی طلب ثواب بھی ہے اور احتساب کا معنی رضائے الٰہی کے لیے کوئی کام کرنا احتساب اس کا نام ہے حسبۃ للہ اللہ کی رضا کے لیے ہو ریاء کے لیے نہ ہو اور طلب ثواب کے لیے ہو یہ مفعول لہ ہے یعنی یہ

کھڑا ہونا ایمان کی وجہ سے ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ بعض نے مفعول مطلق بنایا بعض نے حال بنایا اس حال میں کھڑا ہو کہ وہ مومن ہو اور اللہ کی رضا کا طلب گار ہو بہر حال ترکیب کچھ بھی بنا سکتے ہیں۔

غفرله ما تقدم من ذنبه پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اس میں صغائر مراد ہیں لیکن اگر کسی کے ذمہ صغائر نہیں ہیں جیسے بچہ ہے ابھی بالغ ہی نہیں ہوا لیکن ہوشیار ہے فرائض، عبادات اور وظائف عبادات سے واقف ہے تو اس کے ذمہ صغائر بھی نہیں ہیں یا اللہ کے نبی ہیں ان کے تو صغائر بھی نہیں ہیں یا کوئی ایسا ہے جو بالکل پاک صاف ہے صغائر ہی نہیں ہیں مثلاً ابھی مسلمان ہوا یا ابھی حج کر کے آیا تو صغائر کبائر سب ختم تو پھر غفرله ما تقدم من ذنبه سے اس کو کیا ملے گا اس کے درجات بلند ہوں گے اور اگر کبیرہ بھی ہے تو کبیرہ اگرچہ توبہ سے معاف ہوتا ہے لیکن صغائر کی بقدر کبیرہ بھی معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

باب الجهاد من الایمان

باب کافروں سے جہاد کرنا ایمان کا شعبہ ہے

حدیث

حدثنا حرمی بن حفص حدثنا عبدالواحد حدثنا عمارة حدثنا ابوزرعة بن عمرو بن جریر قال سمعت اباهریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال انتدب الله عزوجل لمن خرج فی سبیله لا یخرجه الا ایمان بی اوتصدیق برسلی ان ارجعه بما نال من اجر او غنیمة او ادخله الجنة ولولا ان اشق علیٰ امتی ما قعدت خلف سریة ولوددت انی اقتل فی سبیل الله ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذمہ لیا ہے جو اس کے راستے میں جہاد کے لیے نکلے اور اس کا یہ نکلنا محض اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے پیغمبروں پر تصدیق کی بنا پر ہو کہ اس کو اجر وغنیمت دے کر واپس لوٹا دے یا اس کو جنت میں داخل کر دے اور اگر میں اپنی امت کو مشقت میں نہ ڈالتا تو کسی سریہ کا ساتھ نہ چھوڑتا اور مجھے مرغوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ فرماتے ہیں جہاد بھی ایمان کا حصہ ہے اور ایمان کا جزء ہے امام بخاری ؒ جہاد کا باب درمیان میں لے آئے اوپر

لیلۃ القدر ہے نیچے رمضان ہے درمیان میں جہاد لے آئے وہ اس لیے کہ رمضان کے لیے بھی اور لیلۃ القدر کے لیے بھی مجاہدے کی ضرورت ہے محنت کی ضرورت ہے بغیر محنت کے یہ عبادت حاصل نہیں ہوتی گر رمضان میں صحیح مجاہدہ کرے اور لیلۃ القدر میں صحیح مجاہدہ کرے تو یہ نعمت نہیں ملتی اس لیے باب الجہاد من الایمان لے کر آئے۔

حدیث پر بحث

عن النبی ﷺ قال انتدب اللہ عزوجل اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے لِمن خرج فی سبیلہ کہ جو اس کے راستے میں نکلے گا لایخرجہ الا ایمان بی اور اس کو نہ نکالے مگر مجھ پر ایمان لانا یعنی اللہ پر ایمان کی وجہ سے نکلتا ہے کہ مومن ہے اس لیے نکل رہا ہے جہاد میں او تصدیق برسلی یا میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ذمہ داری لے لی کس بات کی آنَ ارجعہ بما نال من اجر کہ میں اس کو لوٹاؤں گا اجر کے ساتھ یعنی غازی بن کے آیا اجر ملے گا وغنیمۃ یا غنیمت اور اجر دو چیزیں ہیں یعنی اجر ملا مال غنیمت کچھ نہیں ملا وغنیمۃ یا اجر اور مال غنیمت دونوں دے کر واپس بھیجوں گا ور ادخلہ الجنۃ یا شہید کر کے جنت میں داخل کروں گا ولولا ان اشق علی امتی اور اگر مجھے خوف نہ ہوتا اپنی امت پر مشقت کلما قعدت خلف سریۃٍ تو میں کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ ہٹا ہر لشکر میں جاتا لیکن پیچھے ہے کہیں فرض عین نہ ہو جائے اور لوگوں کو مشقت نہ ہو جائے مصلحت میں اہم کو دیکھنا چاہیے دو چیزیں آجائیں تو جو اہم ہے اس کو مقدم کر و چاہے دوسری کتنی فضیلت والی چیز کیوں نہ ہو اہم پہلے ہے کیونکہ آپ ﷺ کا رہنا اس وجہ سے کہ مدینہ شریف کا نظام اور سلطنت اسلامیہ کا نظام اور امت پر شفقت کہ فرض نہ ہو جائے کیونکہ آپ ﷺ جو کام ہمیشہ کرتے اللہ تعالیٰ فرض فرما دیتے تھے فرض ہو جاتا تو بہت مشکل تھا اب نماز کی طرح فرض عین نہیں فرض کفایہ ہے بس چند آدمی کر رہے ہیں کافی ہے دوسرے آدمی ان کے لیے دعا کریں جذبہ رکھیں۔

ولوددت میں تمنا کھتا ہوں انی اقتل فی سبیل اللہ کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں ثم احیی پھر زندہ کیا جاؤں ثم اقتل پھر شہید کیا جاؤں ثم احیی پھر زندہ کیا جاؤں ثم اقتل پھر شہید کیا جاؤں۔

دوسری روایت میں سات مرتبہ فرمایا اس سے ایک بات سامنے آگئی کہ ایسی نیکی کی تمنا کرنا جو اس کے بس میں نہ ہو یہ بھی پیغمبر علیہ السلام کی سنت ہے شہید ہونے کے بعد زندہ ہونا ممکن نہیں اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے لیکن سنت الٰہی نہیں ہے جو گیا وہ گیا واپس نہیں آیا پھر دوبارہ آنا قانون الٰہی نہیں ہے الا ماشاءاللہ کوئی نادر واقعہ ہو تو فضائل میں اگر ایسی چیز جو آپ کے دسترس میں نہیں ہے جو آپ کے لیے ممکن نہیں ہے آپ اس کی بھی تمنا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر دے گا۔

جہاد کے ساتھ تمام اعمال خیر کو شامل کیا ہے جس کے لیے انسان گھر سے نکلتا ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے گھر سے

نکلتا ہے یا تبلیغ دین کے لیے نکلتا ہے یا علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے یہ سب اس میں درجہ بدرجہ داخل ہوتے چلے جائیں گے اول مقام وہ ہے کہ جہاد کے لیے جانا کافروں کے مقابلے پر اور پھر درجہ بدرجہ سارے داخل ہیں یہاں تک کہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے جامع مسجد کی طرف جاتا ہے وہ بھی شامل ہے لیکن درجہ بدرجہ ہے ایک مصداق اولیٰ ہے اور باقی مصداق ثانوی ہے۔

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

باب قیام رمضان کا تطوع بھی ایمان سے متعلق ہے

حدیث

حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالك عن ابن شهاب عن حمید بن عبدالرحمن عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان کے تقاضے سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے قیام کرتا ہے اس کے سابقہ گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

حدیث پر بحث

اس باب میں لفظ تطوع لائے یہ بتلانے کے لیے کہ شعب ایمان میں جس طرح فرائض داخل ہیں اسی طرح نوافل بھی داخل ہیں یہ بھی ایمان کا شعبہ ہے۔

تطوع رمضان سے مراد تراویح کی نماز ہے امام نووی ؒ فرماتے ہیں تراویح سمیت تمام نفلی نمازیں جو رمضان کی راتوں میں پڑھی جائیں شامل ہیں۔

اس حدیث میں لفظ قام ماضی استعمال فرمایا کیونکہ قیام رمضان کا تحقق یقینی ہے جبکہ لیلۃ القدر میں من یقم فعل مضارع لائے کیونکہ لیلۃ القدر کا ملنا یقینی نہیں ایمانا ایمان طاعت کے لیے شرط ہے احتساباً طلب ثواب کے لیے ہر عمل میں ایک مبداء ہے وہ ایمان ہے اور ایک غایت ہے وہ طلب ثواب اور رضائے الٰہی پھر جاکر وہ طاعت عند اللہ مقبول اور ماجور ہوتی ہے ایمانًا واحتسابا مفعول لہ ہے۔

باب صوم رمضان احتسابا من الایمان

باب بہ امید ثواب رمضان کے روزے رکھنا داخل ایمان ہے

حدیث

حدثنا ابن سلام قال اخبرنا محمد بن فضیل قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایمانی تقاضے کے ماتحت ثواب کی نیت رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے گا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

باب پر بحث

اس باب میں لفظ ایمان نہیں لائے صرف احتساباً لائے اختصار کی وجہ سے قیام رمضان کو مقدم کیا کیونکہ رمضان المبارک میں پہلے رات آتی ہے جس میں تراویح وغیرہ پڑھی جاتی ہے پھر روزہ ہوتا ہے دوسرا روزہ تروک میں سے ہے اور قیام اعمال میں سے ہے اس لیے مقدم ہے باقی شرح وہی ہے جو اوپر گزری۔

باب الدین یسر وقول النبی ﷺ احب الدین الی الله الحنیفیة السمحة

باب یہ دین یسر والا ہے اور نبی کریم ﷺ کا قول کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب دین دین حنیف ہے جس کی بنیاد سماحت اور سہولت پر قائم کی گئی ہے

حدیث

حدثنا عبدالسلام بن مطهر قال نا عمر بن علی عن معن بن محمد الغفاری عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الدین یسر ولن یشادّ الدین احد الا غلبه فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوة والروحة وشئی من الدلجة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین سہل ہے اور دین کے ساتھ کوئی پہلوانی نہ کرے گا مگر یہ کہ دین اس کو پچھاڑ دے گا پس تم میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو خوش خبری حاصل کرو صبح و شام اور

آخرشب کے اوقات سے (اپنے کاموں میں) مدد حاصل کرو۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ دین کی تقسیم عسر اور یسر کے اعتبار سے کر رہے ہیں اس باب میں امام بخاری ؒ کے دو مقصد ہیں۔

ا۔ دین آسان ہے جیسا کہ رمضان کے بارے میں آخر میں آیات ہیں یرید اللہ بکم الیسر و لایرید بکم العسر (البقرۃ:۸۵) کہ عبادات میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے اگر استطاعت نہیں ہے یا ہے مگر استقامت نہیں تو متوسط راستہ اختیار کرنا چاہیے جہاں رخصت ہو وہاں رخصت پر عمل کیا جائے جہاں عزیمت ہو وہاں عزیمت پر عمل کیا جائے ہر وقت عزیمت پر عمل کرنا اور رخصت کو چھوڑنا بندگی نہیں اس سے خوارج پر بھی رد ہے جو متشدد ہیں مثلاً حائضہ کا نماز قضاء کرنا وغیرہ۔

۲۔ حدیث میں دین کے بارے میں آیا الدین یسر دین کا اطلاق اعمال پر ہوتا ہے اور دین اور ایمان ایک ہے تو اعمال ایمان کا حصہ ہیں اور یسرؔ اور عسرؔ اعمال کے لیے آتا ہے اور الدین یسرؔ کے معنی یہی ہوں گے کہ اعمال آسان ہی ہیں تو دین میں درجات ہیں تو ایمان میں بھی درجات ہیں۔

حدیث پر بحث

لن یشادّ الدین احد الا غلبه فسددوا

ایک شخص دین میں مقابلہ بازی و مبالغہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سارے دین پر عمل کر کے حاوی ہو جاؤں گا اور ہر وقت عبادت کروں گا ساری رات جاگوں گا روزے رکھوں گا وغیرہ تو وہ منقطع ہو جاتا ہے کہ دین غالب آجاتا ہے والد صاحب ؒ کا فرمان ہے کہ رخصت پر عمل کیا کرو کیونکہ یہ کمزوری ظاہر کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے عزیمت پر تو گویا آپ قوت دکھا رہے ہیں۔

قاربوا کا ایک معنی ہے قاربوا فی (الصلوٰۃ) العبادۃ عبادت میں قریب قریب ہو مبالغہ بازی نہ کرو مثلاً تہجد کے سو نفل پڑھ لے اور فجر کی نماز چھوڑ دے اور دوسرا ساعدوا کے معنی میں ہے کہ مل جل کر طے کرلو جیسا ایک آدمی جہاد میں جا نہیں سکتا تو مجاہدین کی مدد کرے اور طالب علم نہیں بن سکتا تو ان کی مدد کرے۔

غدوۃ السیر فی اول النہار صبح کے وقت کا سفر اور دُلجۃٌ رات کو سفر کرنا گُلجۃٌ ادلاج لسکون الدال سے ہے تو سیر فی اوّل اللیل ہے اور اگر بتشدید الدال اِدّلاج سے ہے تو سیر فی اٰخِرِ اللَّیل تینوں مسافروں کے لیے ہیں کہ صبح کے وقت بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی نشاط ہوتی ہے اور رات کو بھی زمین سمٹ جاتی ہے چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان اوقات میں چونکہ نشاط ہوتی ہے اس لیے ان میں عبادت کرلیا کرو حضرت گنگوہی ؒ اپنے مریدین کو ان اوقات میں ذکر کی تلقین فرماتے

تھے کہ ان میں ذکر کرنا ہی قیمتی ہے ابو حمزہ ؒ نے بہجة النفوس میں ان اوقات پر تفصیلی بحث کی ہے صحیح بخاری شریف کی شرح ہے جواب انتخاب البخاری ؒ کے نام سے دو جلدوں میں مل جاتی ہے حضرت لدھیانوی ؒ اس کے مطالعہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

باب الصلوٰۃ من الایمان

وقول اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم (البقرۃ:۱۴۳) یعنی صلوٰتکم عند البیت

نماز ایمان کا شعبہ ہے اور اس کو خداوند کریم کے اس ارشاد میں دیکھو ما کان اللہ الآیۃ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے یعنی بیت اللہ کے پاس (استقبال بیت المقدس کے ساتھ) ادا کی گئی نمازوں کو۔

حدیث

حدثنا عمرو بن خالد قال نا زهير قال نا ابو اسحاق عن البراء ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اول ما قدم المدینة نزل علی اجداده او قال اخواله من الانصار وانه صلی قبل بیت المقدس ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا وکان یعجبه ان تکون قبلته قبل البیت وانه صلی اول صلوٰۃ صلاها صلوٰۃ العصر وصلی معه قوم فخرج رجل ممن صلی معه فمر علی اهل مسجد وهم راکعون فقال اشهد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل مکة فداروا کما هم قبل البیت وکانت الیهود قد اعجبهم اذ کان یصلی قبل بیت المقدس واهل الکتاب فلما ولّٰی وجهه قبل البیت انکروا ذالك قال زهیر حدثنا ابو اسحاق عن البراء فی حدیثه هذا انه مات علی القبلة قبل ان تحوّل رجال وقتلوا فلم ندر ما نقول فیهم فانزل اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اول اول مدینہ پہنچے تو انصار میں اپنے اجداد یا اخوال کے ہاں نزول فرمایا اور سولہ یا سترہ ماہ تک آپ نے بیت المقدس کی جانب منہ کرکے نماز ادا فرمائی اور آپ کو یہ بات طبعاً پسند تھی کہ بیت اللہ قبلہ قرار دیا جاتا اور پہلی وہ نماز جو بیت اللہ کی جانب پڑھی عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز ادا فرمائی آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے والے حضرات میں سے ایک صحابی نکلے اور وہ ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرے یہ لوگ نماز ادا کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس وقت کی نماز (عصر) پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مکہ کی طرف پڑھ کر آیا ہوں، چنانچہ وہ اصحاب اسی حالت میں بیت اللہ کی جانب گھوم گئے جس زمانے میں آپ بیت

المقدس کا استقبال فرمایا کرتے تھے تو یہود اور عام اہل کتاب آپ کے اس فعل کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے پس جب آپ نے بیت اللہ کی جانب روئے مبارک پھیرا تو یہ بات ان کو ناگوار گزری حضرت زہیر نے حضرت براء سے روایت ابو اسحاق اسی حدیث میں یہ بیان کیا کہ تحویل قبلہ سے قبل کچھ اصحاب وفات پاگئے اور شہید کردیے گئے پس ہم نے نہیں سمجھا کہ ان کے بارے میں کیا کہیں ؟ سو اللہ تعالیٰ نے آیت وما کان اللہ لیضیع ایمانکم (نہیں ہے اللہ کے تمہارے ایمان کو ضائع کرے) کا نازل فرمائی۔

شرح باب وحدیث

امام بخاری ؒ ایمان کے شعبوں کا بیان فرما رہے ہیں کہ نماز ایمان کا شعبہ ہے اس کا اور ایمان کا بہت گہرا تعلق ہے اس آیت سے استدلال کیا کہ ایمان سے نماز مراد ہے ایمان بول کر نماز مراد لینا اطلاق الکل علی الجزء ہے دوسرا امام بخاری ؒ نے دین کے یسر ہونے کی مثال بھی دی ہے کہ جو چیز ایمان اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے وہ نماز ہے لیکن اللہ پاک نے ہم پر آسانی کے لیے تمام نمازوں کا وقت ایک گھنٹہ پچیس منٹ رکھا ہے تقریباً اور یہ دین کے یسر ہونے کی بہترین مثال ہے۔

وما کان اللہ لیضع ایمانکم یعنی صلوٰتکم عند البیت یہ آیت کب اتری حضرت براء ابن عازب ؓ کی حدیث اس کا شان نزول ہے آپ علیہ السلام تقریباً سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے تو پھر تحویل قبلہ ہوا اور جو صحابہ ؓ اس سے قبل فوت یا شہید ہوگئے تھے تو ان کی نمازوں کے بارے میں صحابہ ؓ کو تردد ہوا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں وہ قبول ہیں یا نہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی امام بخاری ؒ نے شرح کی صلاتکم عند البیت۔

اشکال

امام بخاری ؒ کی شرح صلوٰتکم عند البیت پر اشکال ہے۔ اس کی محدثین نے کئی توجیہات پیش کی ہیں۔

۱۔ محدثین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے یہ لفظ تھا صلوٰتکم غیر البیت جس کو عند بنا دیا یعنی جو نمازیں بیت اللہ کے علاوہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں لیکن یہ رائے مضبوط نہیں کیونکہ تمام نسخوں میں عند ہے۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ نمازیں تو بیت اللہ کے پاس پڑھی گئیں تھیں لیکن چہرہ بیت المقدس کی طرف تھا۔

۳۔ محققین کی رائے یہ ہے کہ دراصل تحویل قبلہ کے بارے میں اختلاف کی طرف امام بخاری ؒ اشارہ کر رہے ہیں ایک رائے یہ ہے کہ پہلے آپ کا قبلہ بیت اللہ بنایا گیا پھر منسوخ کر کے بیت المقدس بنایا گیا اور پھر اس کو منسوخ کر کے دوبارہ بیت اللہ بنا دیا گیا اس سے نسخ مَرَّتَیْن ہوا ہے لیکن یہ رائے پسندیدہ نہیں ہے اس میں نسخ مَرَّتَیْن لازم آتا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا قبلہ تقسیم بلاد کے اعتبار سے تھا جب آپ مکہ میں تھے تو بیت اللہ اور جب مدینہ میں

تھے تو بیت المقدس بن گیا پھر اس کو منسوخ کر کے بیت اللہ بنا دیا گیا۔

امام بخاری ؒ کی پسند فرمودہ رائے یہ ہے کہ آپ کا قبلہ شروع ہی سے بیت المقدس تھا لیکن آپ بیت اللہ کو درمیان میں لے لیتے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ آپ کا قبلہ کون سا ہے جب مدینہ شریف آ گئے تو جمع کرنا مشکل ہو گیا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بیت اللہ کے پاس جن صحابہ ؓ نے نماز پڑھی اور رفوت ہو گئے تو ما کان اللہ لیضیع ایمانکم نازل ہوئی پہلے آپ علیہ السلام نے بیت اللہ کے دروازے کے پاس نماز پڑھی اور وہاں بیت المقدس کی طرف منہ نہیں ہو سکتا تھا اور نماز آئی بھی ۱ھ میں اور دو سال آپ نے اپنی مرضی سے منہ کر کے نماز پڑھی اور ہجرت سے تین سال قبل آپ کا قبلہ بیت المقدس بنا دیا گیا تو نسخ ایک مرتبہ ہی ہوا تو جنہوں نے ان تین سالوں میں نمازیں آپ کے ساتھ پڑھیں ان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی جو مذکور ہے۔

تحویل قبلہ

مسجد قبلتین جہاں تحویل قبلہ ہوا وہ براء بن معرور ؓ کا مکان تھا ان کے بیٹے بشر ہیں براء کو کعبہ سے بہت محبت تھی اس لیے ادھر منہ کر کے نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے خصوصاً حکم بھجوایا کہ نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھو چنانچہ یہ نماز تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے مگر دعا اور تسبیح خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے حتیٰ کہ جب مرنے لگے تو بیٹوں کو وصیت کی کہ میرا منہ قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف کرنا ان کی اسی محبت کی وجہ سے اللہ پاک نے ان کے گھر میں ہی تحویل قبلہ کروایا آپ علیہ السلام ان کے گھر میں نماز باجماعت ادا فرما رہے تھے اور ظہر کی نماز کی دو رکعتیں ہو چکی تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام آ گئے اور اللہ تعالیٰ کا امر سنایا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرۃ:۱۴۴) تو آپ ﷺ ویسے ہی بیت اللہ کی جانب گھوم گئے سب مقتدی چل کر آپ کے پیچھے آ گئے۔

پوری نماز جو بیت اللہ کے قبلے بنانے کے حکم کے بعد پڑھی گئی وہ مسجد نبوی میں نماز عصر ہے مگر جس نماز میں تحویل ہوئی وہ ظہر ہے دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف اور دو بیت اللہ کی طرف پڑھی گئیں آج اس جگہ مسجد قبلتین ہے جو زیارت گاہ ہے۔

نکتہ

یہ بات عجیب ہے کہ صرف ایک آدمی کی شہادت کی وجہ سے بنو عبد الاشہل کی مسجد میں لوگ بیت اللہ کی طرف گھوم گئے قبلہ تبدیل ہو گیا لانکہ چاہیے تھا کہ پہلے تحقیق وغیرہ کرتے تو جواب یہ تھی کہ ان دونوں بازگشت تھی کہ قبلہ بدلنے والا ہے اور ایک آدمی کی ایسی خبر جس پر خارجی شواہد موجود ہوں اس کو قبول کر لیا جاتا ہے ایسی خبر واحد کو محتف بالقرائن کہا جاتا ہے۔

مذکورہ آیت میں ایمان سے مراد نماز ہی ہے لیکن معنی یہ ہے کہ جو نمازیں ایمان کے ساتھ پڑھی ہیں اللہ پاک وہ ضائع نہیں کرے گا۔

باب حسن اسلام المرء

باب انسان کے اسلام کی اچھائی میں

قال مالك اخبرنی زيد بن اسلم ان عطاء بن يسار اخبره ان ابا سعيد الخدری اخبره انه سمع رسول الله ﷺ يقول اذا اسلم العبد فبحسن اسلامه يكفر الله عنه كل سيئة كان زلفها و كان بعد ذالك القصاص الحسنة بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف والسيئة بمثلها الا ان يتجاوز الله عنها

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی پچھلی کی ہوئی ہر برائی کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے بعد قصاص کا اصول چلتا ہے اچھائی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہے الا یہ کہ خداوند قدوس اسے معاف فرما دیں۔

حدیث

حدثنا اسحاق بن منصور قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن همام عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا احسن احدكم اسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف وكل سيئة يعملها تكتب له بمثلها۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے اسلام کو اچھا کرلے تو ہر وہ اچھائی جس کا وہ ارتکاب کرے گا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جائے گی اور ارتکاب کردہ ہر برائی اسی جیسی لکھی جائے گی۔

شرح باب و حدیث

امام بخاری ؒ یہ باب قائم کرکے حسن اور قبح کے اعتبار سے اسلام کی تقسیم کر رہے ہیں جو اسلام کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اس کا اسلام حسین ہوتا ہے جو اسلام کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتا اس کا اسلام قبیح ہوتا ہے اسلام کے حسن اور قبیح ہونے کے اعتبار سے درجات ہیں لہٰذا ایمان کے بھی درجات ہیں حسن اور قبح اعمال کے اوصاف ہیں اعمال اسلام اور ایمان کا حصہ ہیں (حسن اسلام) کہا گیا ہے اس کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے اعمال حسین تو اسلام بھی حسین اعمال قبیح تو اسلام بھی قبیح ہوگا۔

تعلیق

قال مالك کہہ کر یہ بتا رہے ہیں کہ یہ متصل سند نہیں ہے یہ تعلیق ہے امام نسائی ؒ، دار قطنی ؒ نے اس حدیث کے دو حصے بیان کیے ہیں یہ حدیث غرائب مالک کہلاتی ہے (۱) پہلا حصہ یہ ہے کہ پچھلے سارے گناہوں کی معافی (۲) دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو نیکیاں زمانہ کفر میں کیں تھیں ان پر بھی اجر ملے گا (مثال) جیسا ایک شخص زمانہ جاہلیت میں غریبوں کی مداد کرتا تھا یا صلہ رحمی کرتا تھا جب اسلام لے آیا تو ان نیکیوں پر بھی اسے اجر دیا جائے گا پوری روایت یہ ہے اذا اسلم العبد کتب الله له کل حسنة قدمها و محا عنه کل سیئة زلفها۔

اہم بحث

کافر کی حالتِ کفر کی نیکی اسلام لانے کے بعد معتبر ہو گی یا نہیں؟

جمہور ائمہ کی رائے

جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ نیکیاں بھی معتبر ہوں گی اور اجر و ثواب بھی ملے گا اور پچھلے ہر طرح کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے

امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں کہ پچھلے گناہوں میں سوائے کفر و شرک کے کوئی بھی معاف نہیں ہو گا ور نہ ہی نیکیوں پر اجر ملے گا بلکہ ہر گناہ سے الگ الگ توبہ کرنا پڑے گی اسلام لانے سے صرف شرک اور کفر معاف ہو گا نیکی کی قبولیت کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) عبادت کی نیت (اور کافر نیت کا اہل نہیں ہے) (۲) قرب کے لیے نیکی ہو اور قرب کے لیے متقرب الیہ یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت چاہیے کافر کو معرفت ہے ہی نہیں تو اجر کیسے ملے گا

دلیل امام احمدؒ

امام احمد بن حنبل ؒ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ اذا اسلم العبد ولم یحسن اسلامه اخذ بما قدم و اخر جب بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کا اسلام حسین نہیں ہوتا تو اگلے اور پچھلے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو گی تو معلوم ہوا کہ حالت کفر کے گناہوں پر بھی مواخذہ ہو گا۔

جمہور کی دلیل

پچھلی نیکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں (۱) وہ نیکی جس کا تعلق عبادت کے ساتھ ہو اس کا اجر نہیں ہو گا کیونکہ اس کے لیے نیت کی ضرورت ہے اور کافر کی نیت معتبر نہیں۔

(۲) دوسری وہ نیکی جو بھلائی کے طور پر کی گئی ہو جیسے والدین کی خدمت، حسن سلوک، صلہ رحمی وغیرہ ان نیکیوں کا اجر ایمان لانے کے بعد بھی معتبر ہو گا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اہل کتاب جب اسلام لے آئیں تو انہیں دوہرا اجر ملے گا۔ کما قال اللہ تعالی أُولَـٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (القصص:۵۴) اور بخاری شریف کی حدیث ہے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اگر وہ ایمان لے آئیں۔

معلوم ہوا کہ حالت کفر کا عمل معتبر ہوا اسی طرح کفارہ ظہار حالت کفر میں ادا کر دیا تو اسلام لانے کے بعد دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

ابن منیر کا قول

ابن منیر کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ أُولَـٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (الفرقان:۷۰) جب گناہوں پر نیکیاں دے دیتے ہیں تو نیکیوں پر بھلا کیسے اجر نہ دیں گے یا اس سے بڑھ کر ہے ہاں حالت کفر میں کچھ اجر نہ دیں گے اس موضوع پر حکیم بن حزام ؓ کی روایت بھی ہے جو مسلم شریف میں اسلمت علی ما اسلفت من خیر کہ تم سابقہ خیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے ہو اسی طرح ابن جدعان کے بارے میں جب اماں عائشہ ؓ نے سوال کیا کہ اس کی بھلائیاں اسے فائدہ دیں گی آپ ﷺ نے فرمایا اس نے زندگی میں کبھی نہیں کہا ب اغفر لی تو معلوم ہوا کہ اگر اسلام لے آتا تو وہ خیر کے کام فائدہ دیتے۔

سوال

سوال یہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے دوسرا ٹکڑا کیوں نہیں ذکر کیا؟

جواب

پہلا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے امام بخاری ؒ کو شاید دوسرا ٹکڑا پہنچا ہی نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری ؒ کو دوسرا ٹکڑا پہنچا ہو لیکن قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول قرار دے کر گرا دیا ہو اور امام بخاری ؒ کی رائے بھی امام احمد بن حنبل کی

طرح ہو۔

دوسرا مسئلہ

نیک کافر اور بد کافر کی سزا کا فرق ہے یا نہیں؟ تو تحقیق یہ ہے کہ قیامت کے دن عادل کافر کی سزا ظالم کافر سے کم ہوگی یعنی تخفیف کر دی جائے گی ہر ایک کی سزا برابر نہ ہوگی یہ لا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینصرون (الفرقان:۱۶۲) کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ سزا نافذ ہونے کے بعد کم نہیں ہوگی۔

عبد اللہ بن مسعود ؓ کی روایت کا جواب

پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہوگا جو مرتد ہو کر مرا ہوگا اب پچھلا کفر بھی اکٹھا کر دیا جائے گا اور سزا اکٹھی ملے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہو گا کہ جس کا اسلام نفاق والا ہو گا۔ تیسرا صحیح جواب یہ ہے کہ اس کو سخت سزا دی جائے گی گلی پچھلی کسر نکال دی جائے گی جیسے محاورہ ہے کہ اگلا پچھلا حساب برابر کر دیا۔

جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اسلام لانے سے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اسلام پچھلی ہر چیز کو ختم کر دیتا ہے حدیث میں بھی آتا ہے کہ الاسلام یہدم ما کان قبلہ"

دوسری روایت

دوسری روایت میں بھی آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور شرط لگائی کہ اگر میری مغفرت ہو جائے گی تو میں بیعت کروں گا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ (الاسلام یہدم ما کان قبلہ) جب کفر اور شرک معاف ہو گئے تو باقی گناہ بدرجہ اولیٰ معاف ہو جائیں گے۔

باب احب الدین الی اللہ ادومہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب دین وہ ہے جس پر مداومت کی جائے

حدیث

حدثنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا یحییٰ عن ہشام قال اخبرنی ابی عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا وعندہا امرأۃ فقال من ہذہ قالت فلانۃ تذکر من صلاتہا قال مہ علیکم بما تطیقون فواللہ لا یمل اللہ حتیٰ تملوا وکان احب الدین الیہ ما داومہ علیہ صاحبہ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اس وقت ایک عورت بھی ان کے پاس بیٹھی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا فلاں عورت ہے جس کی نماز کا ڈ ایہ جا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو تمہیں وہی عمل اختیار کرنا چاہیے جسے نبھا سکو پس قسم اللہ کی! اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اُکتاتا یہاں تک کہ تم اُکتا جاؤ اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ نے دین کی اَحَب اور غیر اَحَب کے اعتبار سے تقسیم کی ہے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو دین پر تو چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا طرز پسند نہیں ہوتا اَحَب اور غیر اَحَب کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے کیونکہ ایمان باطنی چیز ہے اور دوام و عدم دوام بھی اعمال پر ہی ہوتا ہے۔ اس باب کا ماقبل باب سے تعلق یہ ہے کہ جب اعمال پر دوام اختیار کرتا ہے تو انسان کا اسلام حسین تر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: سوال یہ ہے کہ اماں عائشہ ؓ نے اس عورت کی تعریف کی حالانکہ منہ پر تعریف کرنا تو منع ہے؟

جواب: ایسی تعریف منہ پر منع ہے کہ جس تعریف میں خوشامد اور دوسری غرض ہو اگر اخلاص ہو تو تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً حوصلہ افزائی کے لیے تعریف کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اسی وجہ سے مدح شیخ میں پڑھے جانے والے اشعار اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دائمی عمل بہت پسند ہے اگرچہ تھوڑا ہو کیونکہ دوام سے قلیل عمل بھی رفتہ رفتہ کثیر ہو جاتا ہے اور اگر بہت زیادہ عمل کیا جائے تو انسان تھک کر بیٹھ جائے گا دوسرا قلیل عمل میں نشاط اور تازگی و رجذبہ رہتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا تھا اگر نیند آتی ہو تو سو جائے جب تازہ ہو تو نفل پڑھ لے۔

نصاریٰ کے رہبان کی قرآن پاک نے اس لیے مذمت کی کہ آخر تھک کر بیٹھ گئے **فما رعوها حق رعايتها** (الحدید:۲۷) کہ جو اپنے اوپر لازم کیا تھا اس کی رعایت نہ رکھ سکے۔

باب زيادة الايمان ونقصانه

وقول الله تعالیٰ وزدناهم هدیً (الكهف:۱۳) **ويزداد الذين آمنوا ايماناً** (المدثر:۳۱) **وقال اليوم اكملت لكم دينكم** (المائدة:۳) **فاذا ترك شيئا من الكمال فهو ناقص**

ایمان کی کمی اور زیادتی کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہم نے ان (یعنی اصحاب کہف) کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور

ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور بڑھتے رہتے ہیں ایمان والے اپنے ایمان میں اور ارشاد فرمایا کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا پس اگر کمال میں سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے تو وہ شخص نقصان میں آجائے گا

حدیث

حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام قال حدثنا قتادة عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن شعيرة من خير ويخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن برة من خير ويخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن ذرة من خير قال ابو عبدالله قال ابان حدثنا قتادة حدثنا انس عن النبي صلى الله عليه وسلم من ايمان مكان خير.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم سے ہر وہ شخص نکلے گا یا نکال لیا جائے گا جس نے لا اله الا الله کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی خیر ہو اور جہنم سے ہر وہ شخص نکلے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے برابر خیر ہو گی۔ اور جہنم سے ہر وہ شخص نکلے گا یا نکال لیا جائے گا جس نے لا اله الا الله کا قرار کیا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر ہو۔ امام بخاری ؒ نے کہا کہ ابان نے حضرت قتادہ سے حدیث بیان کی اور انہوں نے حضرت انس ؓ سے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے اس روایت میں من خیر کی جگہ من ایمان کا لفظ نقل فرمایا ہے۔

حدیث

حدثنا الحسن بن الصباح سمع جعفر بن عوان حدثنا ابو العميس اخبرنا قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له يا امير المؤمنين آية في كتابكم تقرؤنها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذالك اليوم عيدا قال اي آية قال اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا، قال عمر قد عرفنا ذالك اليوم والمكان الذي نزلت فيه على النبي صلى الله عليه وسلم وهو قائم بعرفة يوم جمعة.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ کسی یہودی نے آپ سے یہ کہا امیر المؤمنین آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کو آپ پڑھتے رہتے ہیں اگر ہم "جماعت یہود" پر وہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں وہ دن اور وہ جگہ معلوم ہے جہاں رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی آپ اس وقت عرفات میں تشریف فرما تھے اور جمعہ کا دن تھا۔

اس باب پر تفصیلی اشکالات و جوابات پچھلے باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال میں گزر چکے ہیں مختصر بحث یہاں ذکر کی جاتی ہے۔

اشکال

امام بخاری ؒ نے شروع کتاب میں (الایمان یزید وینقص) پھر (تفاضل اھل ایمان) اور پھر آخر میں (زیادۃ الایمان نقصانہ) کا باب باندھا ہے ان تینوں میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شروع کتاب میں اس کو ضمناً ذکر کیا پھر دوسرے باب میں اہل ایمان کے اعتبار سے فرق بیان کیا اور اس باب میں نفس ایمان میں کمی وزیادتی کو بیان کیا ہے۔

احناف جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں پر نفس ایمان کے بارے میں بحث مذکور ہے یہ کمی زیادتی معرفت قلبی کے اعتبار سے ہے حقیقت میں ایمان نفس تصدیق کا نام ہے۔

امام بخاری ؒ حدیث کو لاکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین اکمل ہے پچھلے دین اپنے زمانے کے اعتبار سے کامل تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ناقص تھے پہلے دوسرا دین اجمالی تھا پھر بعد میں تفصیلات آگئیں۔ تو اس سے دین میں درجات ثابت ہو گئے جس سے ایمان میں بھی درجات ثابت ہوگئے احناف عرض کرتے ہیں کہ دین مجموعے کا نام ہے جبکہ بحث نفس ایمان میں ہے۔

(جَو کے برابر) اس سے مراد قلبی نیکی ہے اور اس کا نور ہو گا یہ تصدیق قلبی نہیں بلکہ تصدیق کے علاوہ نیکی کا نشان ہو گا اور قیامت کے دن چھپی چیزیں بھی نظر آئیں گی۔

کمال اور اتمام میں فرق

کمال کہتے ہیں کہ بنیادی چیزوں کا مکمل ہونا اور اتمام کہتے ہیں کہ اوصاف کے اعتبار سے مکمل ہونا جیسے کسی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا ہو جانا کمال ہے اور رنگ و روغن اور زیب و زینت اتمام ہے۔

علمی نکتہ

اپنی مرضی سے عید منانا یہود و نصاریٰ کا کام ہے جیسے اہل بدعت یہود و نصاریٰ کے طرز پر ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتے ہیں۔

امام بخاری کے استدلال کا جواب

ایمان میں کمی زیادتی ہونا یہ متعلقات ایمان سے ہے نفس ایمان میں نہیں ہے کیونکہ امام بخاری ؒ کے نزدیک ایمان کا اطلاق اعمال پر بھی، قلبی نیکی پر بھی، نفس تصدیق پر بھی اور نور ایمان پر بھی ہوتا ہے اصل تصدیق قلبی ہے باقی سب اطلاقات مجازی ہیں اور اطلاقات میں بہت وسعت ہوتی ہے۔

باب الزکوٰۃ من الاسلام

وقوله تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکوٰة وذالك دین القیّمة(البینة:۵)

باب زکوٰۃ اسلام کا رکن ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ یکسو ہو کر عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہ مضبوط دین ہے۔

حدیث

حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالك بن انس عن عمه ابی سهیل بن مالك عن ابیه انه سمع طلحة بن عبیدالله یقول جآء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم من اهل نجد ثائر الرأس نسمع دویّ صوته ولا نفقه ما یقول حتی دنا فاذا هو یسأل عن الاسلام فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس صلوات فی الیوم واللیلة فقال هل علیّ غیرها قال لا الا ان تطوع قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وصیام رمضان قال هل علیّ غیره قال لا الا ان تطوّع قال وذکر له رسول الله صلی الله علیه وسلم الزکوٰة قال هل علیّ غیرها قال لا الا ان تطوّع قال فادبر الرجل وهو یقول والله لا ازید علی هذا ولا انقص قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افلح ان صدق۔

ترجمہ: مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے طلحہ بن عبید اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اہل نجد میں سے ایک آدمی آیا جس کے سر کے بال پراگندہ تھے ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے اور اس کی بات سمجھتے نہ تھے حتیٰ کہ وہ نزدیک ہو گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلامی اعمال کے متعلق کچھ پوچھ رہا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اس نے کہا کیا میرے ذمہ اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں الا یہ کہ تم نفل ادا کرو حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے صوم و زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا اس نے کہا میرے ذمہ اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟ آپ

نے فرمایا نہیں الا یہ کہ تم صدقات ادا کرو۔ راوی نے کہا کہ پھر اس نے جانے کے لیے پیٹھ پھیری اور یہ کہتا ہوا چل دیا کہ خدا کی قسم میں اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا۔

وضاحت

امام بخاری اس باب کو لا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ایمان کا بھی حصہ ہے اور اسلام کا بھی حصہ ہے۔

دلیل

دلیل کے طور پر آیت وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ لائے امام بخاری ؒ کے نزدیک دین، ایمان، اسلام ایک ہے یہ سارے دین قیمہ کے حصے ہیں لِيَعْبُدُوا اللهَ سے مراد نیت اور اخلاص ہے یقیموا الصلوٰۃ سے مراد بدنی عمل ہے اور ویؤتوا الزکوٰۃ سے مراد مالی عمل ہے لہٰذا یہ تمام ایمان کے حصے ہیں۔

عرب کے تین حصے ہیں ا۔ نجد ۲۔ تہامہ ۳۔ حجاز

نجد بلند حصے کو کہتے ہیں بلندی کا اعتبار سطح سمندر سے کیا جاتا ہے ریاض نجد کا علاقہ ہے جو سعودیہ کا دار الحکومت ہے۔

تہامہ نیچے والا حصہ۔ حجاز متوسط حصہ جہاں مکہ شریف، مدینہ شریف اور جدہ ہے۔

حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ ایسا عقل مند دیہاتی ہم نے نہیں دیکھا جو اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہو۔

جواب میں پیغمبر علیہ السلام نے پانچ نمازوں کے بارے میں فرمایا اور (وتر) عشاء کے تابع ہیں۔

واقعہ

امام اعظم ؒ سے ایک بیوقوف نے سوال کیا کہ کتنی نمازیں ہیں امام صاحب ؒ نے فرمایا کہ پانچ اس نے کہا گنو آپ نے گنیں اور وتر کو بھی ذکر کیا پھر پوچھا تو پھر فرمایا ۵ ہیں اس نے پھر گنتی کا کہا آپ جب گنواتے تو وتر کو شامل کر لیتے اس نے کہا عجیب بات ہے کہتا ہے پانچ ہیں اور گنتے چھ ہو تمہیں حساب نہیں آتا ہے بیوقوف سمجھا نہیں کہ دراصل وتر عشاء کے تابع ہیں۔

اِلَّآ اَنْ تطوع

احناف کے ہاں یہ استثناء متصل ہے یعنی اگر نفل نماز شروع کر دے گا تو واجب ہو جائے گی صحیح قول یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے استثناء منقطع زیادہ غالب بھی ہے اور عام بھی ہے لیکن اس حدیث سے احناف کا استدلال نفلی عمل کے شروع کرنے سے واجب

ہونے پر صرف یہ نہیں بلکہ روایات ہیں۔

احناف کا استدلال

احناف کا استدلال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت حفصہ ؓ نے نفلی روزہ رکھا اور جب کھانے کی کوئی چیز سامنے آگئی تو روزہ توڑ دیا شام کو پیغمبر علیہ السلام گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کل آئندہ ایک روزہ رکھ کر قضاء کرلینا معلوم ہوا کہ نفلی عبادت شروع کر کے جب توڑ دی جائے تو نفلی عبادت کی قضاء واجب ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر حج شروع کر کے توڑ دے تو سب کے ہاں قضاء واجب ہو جاتی ہے اور صدقہ اور زکوٰۃ نیت کرنے سے ادا نہیں ہوتے بلکہ جب تک عملاً ادا نہ کرے اس وقت تک ادا نہیں ہوں گے۔

احناف کی دوسری دلیل

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج:۲۹) اور تم اپنی نذروں کو پورا کرو توڑو نہیں وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ۔ (محمد:۳۳) اور تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو تو نذر میں تو صرف نیت ہوتی ہے توڑنے کی اجازت نہیں اور عمل شروع کر لینا تو نیت سے بڑھ کر ہے اور اس سے بطلان عمل بھی لازم آتا ہے جو منع ہے۔

سوال

شریعت کے ان پانچ ارکان کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں پیغمبر علیہ السلام نے ان کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے خاص اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس آدمی کو یہ خصوصیت دے دی تھی یہی قول زیادہ راجح ہے مثلاً جب قربانی کے ایام آئے تو ایک صحابی اپنا چھ ماہ کا بکرا لے کر آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس کی قربانی کرلو یہ صرف اسی صحابی ؓ کی خصوصیت تھی اور جیسے ابو حذیفہ ؓ کی بیوی نے حضرت سالم کو دودھ پلایا تھا جو اگرچہ بڑی عمر کے تھے لیکن رضاعی بیٹا بن گئے یہ انہی کی خصوصیت تھی اور بھی بہت سے واقعات ہیں پیغمبر علیہ السلام نے مختلف صحابہ ؓ کو مختلف خصوصیات سے نوازا۔

باب اتباع الجنائز من الایمان

جنازے کے ساتھ چلنا داخل ایمان ہے

حدیث

حدثنا احمد بن عبداللہ بن علی المنجوفی قال حدثنا رَوح قال حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتبع جنازۃ مسلم ایمانا واحتسابا وکان معہ حتیٰ یصلّی علیھا ویفرغ من دفنھا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل اُحد ومن صلّی علیھا ثم رجع قبل ان تدفن فانہ یرجع بقیراط. تابعہ عثمان المؤذن قال حدثنا عوف عن محمد عن ابی هریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کے تقاضے سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے مسلم کے جنازے کے ساتھ ساتھ چلے اور نماز و دفن سے فراغت تک اسی کے ساتھ رہے تو وہ اجر کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا ہر قیراط جبل احد کے برابر ہوگا اور جو شخص نماز کے بعد ہی دفن سے قبل واپس آگیا وہ صرف ایک قیراط کا مستحق ہوگا۔ عثمان مؤذن نے اس کی متابعت کی فرمایا کہ عوف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بواسطہ محمد بن سیرین رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جیسی روایت کی ہے۔

باب پر بحث

امام بخاری "جنازے کا باب لا کر شعب ایمان کو ختم کر رہے ہیں جنازے کے پیچھے چلنا بھی ایمان کا حصہ ہے اور الوداع کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے کیونکہ مرنے والا سوائے ایمان کی دولت کے اپنے ساتھ کچھ بھی لے کر نہیں جا رہا۔

دنیا کا قیراط اور اللہ تعالیٰ کا قیراط

قیراط چھوٹے پیسے کو کہتے ہیں یعنی جو دینار کا بارہواں حصہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے احد پہاڑ سات میل لمبا اور تین میل چوڑا ہے۔

باب خوف المؤمن من ان يحبط عمله وهو لا يشعر

باب مومن کو بے شعوری میں حبطِ اعمال سے ڈرنا چاہیے

وقال ابراهيم التيمیؒ ما عرضت قولی علی عملی الا خشيت ان اکون مکذّبا وقال ابن ابی مليكة ادركت ثلاثين من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم كلهم يخاف النفاق علی نفسه ما منهم احد يقول انه علی ايمان جبرئيل وميكائيل ويذكر عن الحسن ما خافه الا مؤمن ولا امنه الا منافق وما يحذّر من الاصرار علی التقاتل والعصيان من غير توبة لقول الله عزوجل ولم يصرّوا علی ما فعلوا وهم يعلمون

حضرت ابراہیم تیمی ؒ نے فرمایا کہ میں نے جب بھی اپنے قول کا عمل سے تقابل کیا تو یہ خوف ہوا کہ کہیں میری تکذیب نہ کی جائے اور ابن ابی ملیکہ ؒ نے فرمایا کہ میری ملاقات تیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہوئی ہے ان میں سے ہر صحابی اپنے بارے میں نفاق سے خائف تھا ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل و میکائیل جیسا ہے اور حضرت حسن بصری ؒ سے منقول ہے کہ نفاق سے نہیں ڈرتا رہتا ہے مگر مومن اور نفاق سے بے فکر نہیں رہتا ہے مگر منافق اور اس باب میں ان چیزوں کا بھی بیان ہے جن سے ڈرایا جاتا ہے یعنی باہمی جنگ اور گناہوں پر بغیر توبہ کے اصرار کرنا کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ جان بوجھ کر گناہوں پر اصرار نہیں کرتے

حديث

عن زبير قال سالت اباوائل عن المرجئه فقال حدثنی عبدالله ان النبی ﷺ قال سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

ترجمہ: زبیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے ابو وائل سے فرقہ مرجئہ کے (عقیدہ کے) بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے عبد اللہ (ابن مسعود ؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

حديث

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ خرج يخبر بليلة القدر فتلاحیٰ رجلان من المسلمين فقال انی خرجت لأُخبركم بليلة القدر وانه تلاحیٰ فلان وفلان فرفعت وعسیٰ ان يكون خيرًالكم فالتمسوها فی السبع والتسع والخمس۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ شب قدر (کے متعلق) بتانے کے لیے باہر

تشریف لائے اتنے میں (آپ ﷺ نے دیکھا) کہ دو مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس لیے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر (کے متعلق) بتلاؤں لیکن یہ اور یہ باہم لڑے اس لیے (اس کی خبر) اٹھالی گئی اور شاید تمہارے لیے بہتر ہو اب اسے (رمضان کی) ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں (رات) میں تلاش کرو۔

ترجمۃ الباب سے مقاصد امام بخاری

یہ مرکب ترجمۃ الباب ہے اس کا پہلا حصہ باب خوف المؤمن ہے اور دوسرا حصہ وما یحذر من الاصرار ہے۔

پہلا مقصد

امام بخاری مکملات ایمان کے بعد مفسدات ایمان کو ذکر کررہے ہیں اور وہ تین چیزیں ہیں ایک غفلت دوسرا نفاق اور تیسرا اصرار علی المعاصی بدون توبہ ان کی وجہ سے انسان کے اعمال یا تو ثواب سے خالی ہوتے ہیں یا کم ثواب ملتا ہے اور یہی حبط عمل ہے ورنہ سابقہ نیکیوں کا آئندہ کے گناہوں کی وجہ سے ضائع ہوجانا یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک نہیں ہاں شرک وارتداد سے سابقہ ساری نیکیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

دوسرا مقصد

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ مرجئہ پر رد کررہے ہیں جو گناہ نفاق کو مضر نہیں سمجھتے حالانکہ یہ حبط عمل کا ذریعہ بنتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاری ؒ نے بہت سے ابواب میں مرجئہ پر رد کیا ہے لیکن وہ دوسرے باطل فرقوں کے ساتھ ساتھ رد تھا یہاں بالقصد صرف اسی فرقے پر رد ہے۔

تیسرا مقصد

حضرت شیخ الہند ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کے ہاں خوف المؤمن بھی ایمان کا شعبہ ہے اس کے بڑھنے سے ایمان بڑھتا ہے اور اس کے کم ہونے سے ایمان کم ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے مکر سے صرف منافق بے خوف ہوتا ہے۔

چوتھا مقصد

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نصیحت کررہے ہیں کہ ظاہری اعمال پر تکیہ نہ کرے بلکہ ڈرتا رہے اس لیے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے ان تین مفسدات سے بچنے کی کوشش کرے۔

عام آدمی اور کامل آدمی میں فرق

عام آدمی گناہ سے ڈرتا ہے جبکہ کاملین کفر سے ڈرتے ہیں جیسے حضرت حنظلہ ؓ کا خود کو منافق کہنا یہاں پر دل کی کیفیات کا تبدیل ہونا مراد ہے خوف ہونا یمان کے بڑھنے کا ذریعہ ہے جبکہ بے خوفی ایمان کے گھٹنے کا ذریعہ ہے۔

حبط اعمال سے مراد

حبط اعمال سے مراد عدم ثواب یا قلت ثواب ہے کیونکہ اخلاص نیت کی کمی کی وجہ سے عمل کی قبولیت و عدم قبولیت ہوتی ہے پوری نیکی کا ضائع ہوجانا یہ احباطیہ یعنی معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے۔

اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ کوئی چیز بھی پہلی نیکی کو ضائع نہیں کرتی یعنی پہلے اعمال ختم نہیں ہوں گے اس لیے کہ اگر ختم ہو گئے تو قیامت کے دن وزن اعمال کا پھر کیا مطلب ہو گا یہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے کہ پچھلے اعمال ضائع اور بے کار ہو جاتے ہیں امام بخاری ؒ کا حباطیہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ امام صاحب ؒ توان پر جگہ جگہ رد فرماتے ہیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ایک حبط حقیقی ہے اعمال کا کہ سابقہ اعمال اور نیکیاں بالکل ضائع ہوجائیں اہل سنت و الجماعت کے نزدیک یہ صرف ارتداد اور شرک سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں جو رفع الصوت عند النبی ﷺ کا ذکر ہے یہ حبط اعمال کا ذکر ہے وہ بھی۔۔۔ النبی ﷺ کی وجہ سے ہے۔ البتہ معتزلہ و خوارج کے نزدیک گناہوں سے نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں اور حبط اعمال ہوجاتا ہے اس لیے ان کو احباطیہ کہتے ہیں۔ دوسرا حبط صوری ہے یا مجازی ہے وہ ہے عمل پر ثواب نہ ملنا یا کم ملنا قلت اخلاص یا عدم اخلاص اور نفاق کی وجہ سے اس سے سابقہ اعمال پر کوئی اثر نہیں یہ اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے اور یہی امام بخاری ؒ کی مراد ہے۔ ھذا املہ۔۔ لی و اللہ اعلم۔

امام بخاری ؒ اور بزرگوں کے اقوال

امام بخاری ؒ یہاں سے بزرگوں کے اقوال لا رہے ہیں جن میں ابراہیم تیمی ؒ ہیں یہ تابعی ہیں اور بہت بڑے واعظ تھے بڑے بڑے صحابہ ؓ سے انہوں نے ملاقات کی تھی ان کے قول کے دو مطلب ہیں ایک مکذّبا اسم فاعل ہو تو معنی ہے کہ میں اپنے آپ کو جھٹلاتا ہوں یعنی میرا عمل میرے قول کو جھٹلا دیتا ہے اور دوسرا مکذّبا کا اسم مفعول پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ لوگ میرے عمل کو میرے قول کے خلاف دیکھ کر مجھے جھٹلائیں گے۔

ابن ابی ملیکہؒ

یہ بھی کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں میں نے تیس سے زائد صحابہؓ کو پایا سب کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا اور کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا ایمان جبرائیل علیہ السلام یا میکائیل علیہ السلام جیسا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس جملے کلا کر امام بخاریؒ نے امام ابو حنیفہؒ پر تعریض کی ہے اس کی پوری تفصیل درج ذیل ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا فرمان

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اقول ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول ایمانی مثل ایمان جبرئیل اس لیے کہ مثلیت مساوات کا تقاضا کرتی ہے جبکہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی (کذا فی الاتحاف) دوسرا قول یہ ہے کہ اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبرئیل ولکن یقول آمنت بما آمن بہ جبرئیل اور ایک قول یہ ہے ایماننا مثل ایمان الملائکۃ لان آمنا بوحدانیۃ اللہ تعالیٰ وربوبیتہ وقدرتہ وما جاء من عند اللہ بمثل ما اقرت بہ الملائکۃ والرسل تو مثلیت مؤمن بہ میں ہے کیفیات میں نہیں۔

عبارات میں توفیق

کاف کا جواز عالم بالعربیۃ کے لیے ہے جو کاف اور مثل کے فرق کو جانتا ہے اور کراہت غیر عالم کے لیے ہے اور مثلیت کا جواز مؤمن بہ کی تشریح کی صورت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے ما خافہ الا مؤمن ولا امنہ الا منافق تو ہٗ کی ضمیر دونوں جگہ نفاق کی طرف لوٹ رہی ہے کہ مومن نفاق سے ڈرتا ہے جبکہ منافق اپنے نفاق پر مطمئن اور بے خوف ہوتا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور منافق بے خوف ہوتا ہے قرآن مجید نے کہا فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (الاعراف:۹۹)۔

وما یحذر من الاصرار

یہ ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے اس کے ذریعہ مرجئہ پر رد کیا ہے آیت سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے اور گناہوں پر اصرار نہ کرنے والوں کی مدح اور تعریف کی ہے تو جو اصرار کرتے ہیں ان کی مذمت ہو جائے گی۔

احادیث سے ترجمۃ الباب پر استدلال

امام بخاری ؒ نے اس باب میں دو احادیث نقل کی ہیں پہلی حدیث دوسرے حصے وما یحذر من الاصرار سے متعلق ہے اور دوسری حدیث پہلے حصے سے متعلق ہے۔

حدیث نمبر ۱

یہ حدیث مرجئہ پر رد میں صریح ہے کہ گناہ ہر حال میں مضر ہے یہ ترجمۃ الباب کے دوسرے حصے کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۲

امام بخاری ؒ اس حدیث کو لا کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جھگڑے کی وجہ سے تعین اٹھ گیا یا ایک طرح کا حبط عمل ہوا اب مشقت کر کے اس نعمت کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔

باب سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة وبیان النبی ﷺ له

باب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رسول کرم ﷺ سے ایمان و اسلام احسان اور قیامت کے بارے میں سوال کرنا اور آپ کا بیان فرمانا

ثم قال جآء جبرئیل علیه السلام یعلمکم دینکم فجعل ذالك كله دینا وما بیّن النبی ﷺ لوفد عبدالقیس من الایمان وقوله تعالیٰ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے یہاں آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو دین شمار فرمایا اور وہ چیز جسے رسول اکرم ﷺ نے وفد عبد القیس کے سامنے ایمان کے بارے میں بیان فرمایا تھا اور باری تعالیٰ کا ارشاد جو اسلام کے علاوہ اور کسی دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔

حدیث

حدثنا مسدد قال حدثنا اسماعیل بن ابراهیم اخبرنا ابو حیان التیمی عن ابی زرعة عن ابی هریرة ﷛ قال کان النبی صلی الله علیه وسلم بارزا یوماً للناس فاتاه رجل فقال ما الایمان قال الایمان ان تؤمن

باللہ وملائکتہ وبلقائہ ورسلہ وتؤمن بالبعث قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبداللہ ولا تشرك بہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤدّی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال ما الاحسان قال ان تعبداللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك قال متی الساعۃ قال ما المسئول باعلم من السائل وساخبرك عن اشراطھا اذا ولدت الامۃ ربھا واذا تطاول رعاۃ الابل البُھم فی البنیان فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم تلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ ثم ادبر فقال ردوہ فلم یروا شیئا فقال ھذا جبرئیل جاء یُعلّم الناس دینھم. قال ابو عبداللہ جعل ذالك کلہ من الایمان.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن مجمع میں تشریف فرما تھے ایک انسان آیا اور اس نے سوال کیا ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے ملائکہ، اس کے انبیاء اور حشر و نشر پر یقین رکھو اس نے سوال کیا اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو نماز پوری طرح ادا کرو زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے سوال کیا احسان کیا ہے؟ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس نے سوال کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا مسئول سائل سے زیادہ باخبر نہیں ہے اور میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں جب باندی اپنے سردار کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے عمارتوں میں تفاخر کرنے لگیں قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم الساعۃ (لقمان: ۳۴) (قیامت کا علم صرف خدا کو ہے) پھر وہ انسان واپس چلا گیا آپ نے فرمایا اس کو واپس بلاؤ لیکن وہ کسی کو بھی نہ مل سکا آپ نے فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ ابو عبداللہ بخاری نے کہا کہ آپ نے ان تمام چیزوں کو ایمان قرار دیا ہے۔

امام بخاریؒ کا مقصد

امام بخاریؒ دراصل ایک دخل مقدر کا جواب دے رہے ہیں کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان اور اسلام متحد اور ایک شے ہیں جبکہ حدیث جبرئیل سے اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں ان کو الگ الگ کیوں بیان کیا امام بخاریؒ حدیث جبرئیل کا جواب دے رہے ہیں کہ اس حدیث میں ایمان اور اسلام کو جو الگ الگ بیان کیا گیا ہے یہ قرینہ مقابلہ کی وجہ سے ہے یہ تغایر مقامی ہے حقیقی نہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایمان اور اسلام اگر ایک جگہ دونوں استعمال نہ ہوں تو ایک میں دوسرا داخل ہے اور اگر دونوں ایک جگہ آجائیں تو پھر ہر ایک کا مفہوم الگ ہوتا ہے جیسا کہ اسم فقیر اور مسکین کی طرح

ہیں کہ اگر صرف لفظ فقیر آجائے جیسے وتوتوھا الفقرا (البقرۃ:۲۷۱) تو اس میں مساکین بھی داخل ہیں اور اگر لفظ مسکین آجائے اطعام عشرۃ مساکین تو اس میں فقراء بھی داخل ہیں اور اگر دونوں اکٹھے آجائیں انما الصدقات للفقرا والمساکین (التوبۃ:۶۰) تو دونوں کا مفہوم الگ الگ ہوگا تو اسی طرح ایمان اور اسلام ہے اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا تو حدیث جبرئیل میں دونوں اکٹھے آئے ہیں اس لیے الگ الگ مفہوم ہوگا امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جبرئیل کے شروع میں دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن حدیث کا آخری ٹکڑا جاء جبرئیل یعلمکم دینکم سب کو دین قرار دینا یا اتحاد پر دلالت کرتا ہے۔

جواب

امام بخاری ؒ کا استدلال اور تاویل تب درست ہیں اگر دونوں لفظ ایمان اور اسلام اکٹھے استعمال ہوں جبکہ حدیث جبرئیل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلے ایمان کا سوال کیا لفظ ما کے ساتھ جبکہ ما کسی شے کی حقیقت اور ماہیت پوچھنے کے لیے آتا ہے تو آپ علیہ السلام نے عقائد اور باطنی امور کو بیان فرمایا آپ علیہ السلام کو نہیں معلوم تھا کہ آگے اسلام کا سوال ہوگا آپ علیہ السلام نے تو جبرئیل علیہ السلام کو بھی نہیں پہچانا اس لیے یہاں پر تاویل نہیں چلے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مصداق ایک ہونے سے مفہوم کا ایک ہونا لازم نہیں آتا جیسے لفظ صدیق، شہید، صالح کا لفظ نبی پر بھی بولا جاتا ہے تو مصداق ایک ہونے کی وجہ سے مفہوم ایک نہیں ہوگا جبکہ مفہوم سب کا الگ الگ ہے جیسا ایک شخص عالم بھی ہو ڈاکٹر بھی ہو تو وہ مولانا بھی کہلائے گا اور ڈاکٹر بھی تو مصداق تو ایک ہے لیکن دونوں ڈگریوں کی حقیقت الگ ہے۔

وفد عبد القیس کی روایت

اس روایت میں آپ علیہ السلام نے ایمان کے سوال کے جواب میں اسلام کو بیان فرمایا تو یہ ترغیب اور تحریض مقصود تھی تاکہ عمل پر آجائیں جبکہ حدیث جبرئیل ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت بیان کرنے کے لیے آئی ہے۔

امام بخاریؒ کے دوسرے استدلال کا جواب

امام بخاری ؒ نے فرمایا کہ حدیث جبرئیل کا آخری ٹکڑا اتحاد پر دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ دین ایک جامع لفظ ہے جس میں عقائد و اعمال سب داخل ہے یہ مترادفات میں سے نہیں ہے۔

احسان

احسان یہ ہے کہ اس طرح عبادت کرے گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہیں تو اللہ تعالیٰ تو یقینا دیکھ رہے ہیں۔

یہ ایمان اور اسلام کی روح ہے اسی کا نام علم تصوف ہے اس کو علم الاخلاق بھی کہتے ہیں کیفیات احسانیہ حاصل کرنا عمل میں مقصود ہے میرے شیخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ؒ فرماتے تھے کہ کسی بزرگ کے پاس علم لینے نہ جاؤ کیفیت احسانیہ لینے جاؤ۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ کا فرمان

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب انسان میں احسانی کیفیات آجاتی ہیں تو ایمان بھی حسین ہوجاتا ہے اور اسلام بھی حسین ہو جاتا ہے۔

پہلی قسم مقام مراقبہ ہے دوسری قسم مقام مشاہدہ ہے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انسان روزانہ اس آیت الم یعلم بان اللہ یریٰ (العلق:۱۴) کا مراقبہ کرلے پورا دن اس آیت کی برکت سے استحضار نصیب ہوگا اور آدمی سے گناہ سرزد نہیں ہوں گے۔

نکتہ

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی احراری ؒ نے ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب ؒ سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ شیخ الحدیث صاحب ؒ نے فرمایا کہ تصوف کی ابتداء انما الاعمال بالنیات ہے اور انتہاء (ان تعبد اللہ کانک تراہ) ہے تصوف عین شریعت ہے ایمان اور اسلام کی روح علم تصوف ہے۔

لقاء سے مراد

اس سے مراد موت کے وقت یا قبر میں یا حشر میں۔

حج کا ذکر کیوں نہیں؟

دوسری روایات میں حج کا ذکر ہے۔

علامات قیامت

لونڈی اپنے مالک کو جنے گی مراد نافرمان اولاد پیدا ہوگی جو والدین پر حکومت کرے گی۔
اونٹ چرانے والے بڑی بڑی بلڈنگوں پر فخر کریں گے یہ آج سعودی عرب، دبئی اور ابو ظہبی میں ہو رہا ہے۔
پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔

۱)قیامت کب آئے گی؟

۲)بارش کب ہوگی؟

محکمہ موسمیات والے بارش کے متعلق جو خبر دیتے ہیں یہ ظنی ہوتی ہے یقینی نہیں ہوتی گر بالفرض بارش کا پتا چل بھی جائے تو یہ نہیں پتا کہ کتنا پانی ہو گا کتنے قطرے ہوں گے؟ کتنا پانی نفع مند ہو گا اور کتنا پانی نقصان دہ ہو گیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

۳)ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟

بچہ ہے یا بچی ہے کالا ہے گورا ہے خوبصورت ہے بدصورت ہے سعادت مند ہے شقی ہے یہ پوری تفصیلات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

۴)انسان کل کو کیا کرے گا؟

۵)انسان کی موت کس زمین پر ہوگی؟

یہ حدیث پاک پورے دین کا خلاصہ ہے جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی وفات سے چند دن پہلے تشریف لائے تھے علم الکلام، علم الفقہ اور علم الاخلاق کی بنیاد یہ روایت ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

حدیث

حدثنا ابراهيم بن حمزة قال حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبدالله ان عبدالله بن عباس اخبره قال اخبرني ابو سفيان بن حرب ان هرقل قال له سألتك هل يزيدون ام ينقصون فزعمت انهم يزيدون و كذالك الايمان حتىٰ يتمّ وسألتك هل يرتد احد سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه فزعمت ان لا و كذالك الايمان حين تخالط بشاشته القلوب لا يسخطه احد۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے ابوسفیان نے یہ بتلایا کہ ہرقل نے ان سے یہ کہا میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ ان کی تعداد ترقی پذیر ہے یا وبہ تنزل تم نے بتلایا کہ ترقی پذیر اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے یہاں تک کہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان کے متبعین میں کوئی شخص ایک بار دین میں داخل ہونے کے بعد اسے برا سمجھ کر پھرتا تو نہیں تم نے بتلایا کہ نہیں اور یہی ایمان کا حال ہوتا ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں گھل مل جاتی ہے تو اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ نے یہ باب بلا ترجمہ قائم کیا ہے یہ ما قبل باب کا تتمہ اور تکمیل ہے ما قبل باب میں امام بخاری ؒ نے ایمان اور دین کو ایک قرار دیا تھا تو حدیث ہرقل میں ہرقل نے دین کا لفظ بھی استعمال کیا اور ایمان بھی اور دونوں سے ایک مراد لیا ہرقل نے یہ بات کتب سابقہ کے مطالعہ سے کی تھی اور ان کی شرع ہماری شرع ہے اگر فسخ وارد نہ ہوا ہو۔

دوسرا یہ مفسدات ایمان کے مقابلے پر بھی باب ہو سکتا ہے کہ اگر بشاشت ایمان قلوب میں راسخ ہو جائے تو ایسے شخص کو نفاق وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

علامہ سندھی ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کا استدلال حتی یتم کے لفظ سے ہے کہ ایمان تمام و کمال کو قبول کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادت و نقصان ہر شریعت میں ثابت ہے۔

باب فضل من استبرألدينه

جس نے اپنے دین کی صفائی رکھی اس کی فضیلت کے بیان میں

حدیث

حدثنا ابو نعيم حدثنا زكريا عن عامر قال سمعت النعمان بن بشير يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات كراع يرعىٰ حول الحمىٰ يوشك ان يواقعه الا وان لكل ملك حمى الا ان حمى الله فى ارضه محارمه الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے جس شخص نے ان مشتبہات سے اجتناب کیا اس نے دین کی صفائی کرلی اور آبرو کو لوگوں کے طعنوں سے بچالیا اور جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہات میں ڈال دیا اس کی مثال ایسی چرواہے کی ہے جو سرکاری چراگاہ کے ارد گرد چرا رہا ہے عنقریب وہ جانور چراگاہ میں داخل کردے گا خبردار! ہر شہنشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے خبردار! کہ اس دنیا میں اللہ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں خبردار! انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ صالح رہتا ہے تو پورا جسم صالح رہتا ہے اور جب وہ خراب رہتا ہے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے خبردار کہ وہ قلب ہے۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ اس باب میں دین کے درجات باعتبار استبراء عن الشبہات وعدم استبرأ بیان فرمارہے ہیں دوسرا شبہات سے بچنے سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے اس میں پڑنے سے ایمان میں نقصان ہوتا ہے تیسرا یہ کہ ایمان کو خراب کرنے والی چیز مشتبہات میں پڑنا بھی ہے جس طرح نفاق وغیرہ ہے جبکہ استبرأ عن الشبہات مکملات ایمان میں سے ہے امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ شبہات سے بچے اور اپنے دین کو صاف ستھرا رکھے شبہات سے دین گند اور خراب ہو جاتا ہے۔

مشتبہ کی تعریف

تین چیزیں ہیں۔ ا۔وسوسہ ۲۔مشتبہ ۳۔صریح حرام

وسوسہ

وسوسہ کہتے ہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسے کمرے میں پانی رکھا ہے اب دل میں آتا ہے کہ پاک بھی ہے یا نہیں یہ وسوسہ ہے حالانکہ پانی اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہے۔

حرام

صراحتاً حرام جس پر دلیل موجود ہو جیسے برتن میں کتے کو پانی پیتے دیکھ لیا یہ پانی حرام ہے کیونکہ صراحتاً دلیل موجود ہے۔

مشتبہ

مشتبہ کہتے ہیں کہ جس پر ناقص دلیل موجود ہو یعنی آدھی دلیل موجود ہو جیسے پانی تو رکھا ہے لیکن برتن کے پاس کتا بھی پھر رہا ہے کتے کو پیتے نہیں دیکھا یہ ناقص دلیل ہے جیسے پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا تو ایک کالی عورت نے کہا کہ میں نے بچپن میں تم دونوں کو دودھ پلایا تھا وہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس آیا اور یہ ساری صورتحال بتائی اس عورت کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں تھا تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ طعنہ دیں گے اس لیے اس عورت کو چھوڑ دے یہ ناقص دلیل تھی کیونکہ رضاعت کے ثبوت کے لیے پوری گواہی چاہیے دو مرد یا دو عورتیں اور ایک مرد۔

وسوسے کی طرف توجہ نہ دے ورنہ شیطان وسوسے کے ذریعے اور زیادہ قابض ہو جاتا ہے اور مشتبہ سے بچے اور احتیاط کرے اپنی عزت اور دین کو بچانے کے لیے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔

الا ان حمی اللہ فی ارضہ محارمہ

حرام کردہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں جیسے تمام عورتیں حرام ہیں لیکن نکاح کے ذریعے عورت حلال ہوجاتی ہے اسی طرح بازار کی تمام چیزیں حرام ہیں لیکن بیع و شراء سے حلال ہوجاتی ہیں تو حرام کردہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے داخل ہوسکتا ہے۔

لطیفہ قلب

دل اچھا ہو تو عمل بھی اچھا ہوگا اور آسان ہوگا اسی وجہ سے لطیفہ قلب کی اصلاح ہوجائے تو باقی لطائف بھی درست ہوجائیں گے سلسلہ چشتیہ کے ہاں صرف ایک لطیفہ قلب ہے جس پر محنت کی جاتی ہے۔ انسان میں سب سے قیمتی شئی دل ہے جو تجلیات الٰہی کا سبب اور مرکز بنتا ہے اور نور الٰہی اس پر نازل ہوتا ہے۔ میرے شیخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر ؒ فرماتے تھے کہ انوارات و تجلیات کا دل پہ ورود کی قیمت یہ ہے کہ اس میں ایک مزدور ہے خون جوان انوارات کے اثرات کو جسم کے ہر حصے تک لے جاتا ہے اور اس انسان کا پورے جسم پر نور ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح العزیز میں سورۃ البقرۃ میں ذکر فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا تو شیطان جوان فرشتوں کا استاد تھا اس پتلے میں گھس کر گھوما اور واپس آکر بتلایا کہ اس میں کوئی خاص چیز نہیں ہے البتہ اس کے سینے کے بائیں جانب ایک صندوق ہے جو بند تھا جس میں میں نہ گھس سکا اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اسی میں ہے۔ واللہ اعلم

باب اداء الخمس من الایمان

خمس کا ادا کرنا ایمان میں داخل ہے

حدیث

حدثنا علی بن الجعد قال اخبرنا شعبة عن ابی جمرة قال کنت اقعد مع بن عباس رضی اللہ عنہ فیجلسنی علی سریرہ فقال اَقِم عندی حتی اجعل لك سهما من مالی فاقمت معه شهرین ثم قال ان وفد عبد القیس لما اتوا النبی صلی اللہ علیه وسلم قال مَنِ القوم او من الوفد قالوا ربیعة قال مرحبا بالقوم او بالوفد غیر خزایا ولا ندامیٰ قالوا یا رسول اللہ انا لا نستطیع ان ناتیك الا فی الشهر الحرام بیننا وبینك هذا الحیّ من کفار مضر فمرنا بامر فصل نخبر به من ورائنا وندخل به الجنة وسألوه عن

الاشربة فامرهم باربع ونهاهم عن اربع امرهم بالایمان بالله وحده قال اتدرون ما الایمان بالله وحده قالوا الله ورسوله اعلم قال شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس ونهاهم عن اربع عن الحنتم والدبّاء والنقیر والمزفت وربما قال المقیر وقال احفظوهن واخبروبهن من ورائکم۔

ترجمہ: حضرت ابو جمرہ ؓ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس ؓ کے پاس بیٹھتا تھا اور وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھالیتے تھے انہوں نے فرمایا کہ تم میرے پاس کچھ روز اقامت کرو میں تمہارے لیے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کردوں گا چنانچہ میں ان کے پاس دو بارہ اقامت پذیر رہا پھر انہوں نے فرمایا کہ وفد عبد القیس جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کس قوم سے آئے ہیں یا کس قوم کے وفد ہیں ؟وفد نے کہا ربیعہ آپ نے قوم یا وفد کو مرحبا کہا کہ نہ رسوا ہوا اور نہ ندامت ہی کی کوئی بات ہے پھر وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم شہر حرام کے علاوہ اور کسی ماہ میں آپ کے پاس نہیں آسکتے ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یک قبیلہ ہے اس لیے آپ ہمیں دوٹوک بات بتلا دیجیے جسے ہم ان لوگوں کو بھی بتلا دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور ہم داخل جنت ہوں اور ان لوگوں نے مشروبات (ظروف) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے انہیں چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے روکا آپ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان رکھیں آپ نے فرمایا تم جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان کا کیا مطلب ہے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نمازوں کا قائم رکھنا زکوٰۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار چیزوں سے منع فرمایا سبز ٹھلیا سے ،تونبی سے ، کھجور کی لکڑی کے برتن سے اور اس برتن سے جس پر روغن زفت مَلا گیا ہو آپ نے فرمایا تم ان باتوں کو محفوظ کرلو اور ان لوگوں کو اس سے باخبر کردینا جو تمہارے پیچھے ہیں۔

باب پر بحث

امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس کا ادا کرنا بھی ایمان کا شعبہ ہے یہ متعلقات ایمان میں سے باب ہے۔

سوال: امام بخاری ؒ نے پہلے متعلقات و مکملات ایمان میں اس باب کو کیوں قائم نہیں کیا؟

جواب: ہوسکتا ہے کہ پہلے یاد نہ ہو بعد میں یاد آگیا ہو تو یہ درج کردیا دوسرا اس باب کا تعلق باب الشبہات سے ہے کہ اس میں ان برتنوں کا بیان ہے جن میں نبیذ بنانے سے نشہ آنے کا خدشہ ہے تیسرا احقر عرض کرتا ہے کہ امام بخاری ؒ نے حدیث جبرئیل

میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا تھا اس لیے اس کو لائے اور مزید اس سے جو فائدہ ظاہر ہوتا تھا وہ بھی پیش نظر ہے۔

امام بخاری ؒ نے پہلے جو شعبے بیان کیے وہ ہر وقت رونما ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ لیکن جنگ و جدال کبھی کبھی پیش آتا ہے اس لیے امام بخاری ؒ نے اس شعبے کو آخر میں بیان کیا۔

ابو جمرہ ؒ

یہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کے شاگرد ہیں اور فارسی میں ترجمانی کرتے تھے اس لیے آپ نے ان کو مال دینے کا وعدہ فرمایا دوسرا اس نے حج کے بعد خواب دیکھا تھا اس نے حج قران کیا تھا اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس کو افضل قرار دیتے ہیں۔ کسی فرشتے نے خواب میں کہا حج **مبرور و عمرة متقبله** تو آپ ؓ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے ہدیہ دینے کا وعدہ فرمایا۔

حدیث پر اشکال

اس حدیث کو محدثین نے مشکل روایات میں سے قرار دیا ہے اشکال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان سے چار کا حکم فرمایا لیکن اس کی تفصیل میں پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔

جواب

محدثین نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ راوی نے اس حدیث میں صرف ایک چیز ایمان **بالله وحده** کو بیان کیا ہے باقی کو بھول گئے یا آپ نے بیان نہیں فرمائیں۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ شہادتین تبرک کے لیے ہیں باقی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور خمس کا دینا چار چیزیں ہیں۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلی چار مقصود ہیں مال غنیمت سے خمس کا دینا آپ علیہ السلام نے زائد بات فرمائی اس لیے کہ وہ اہل جہاد تھے تتمیم فائدہ کے لیے خمس کا مسئلہ بیان فرما دیا۔

الحنتم: سبز رنگ کے گھڑے جو شراب بنانے کے لیے مصر سے لائے جاتے تھے۔

الدبأ: کدو سے بنا ہوا برتن۔

النقیر: کھجور کا تنا جس کو اندر سے خالی کر دیا جائے۔

المزفت: وہ برتن جس پر کالا تیل ملا جائے ان برتنوں میں شراب بنتی تھی تو آپ علیہ السلام نے نبیذ بنانے سے منع فرما دیا کہ نشہ آنے کا خطرہ ہے۔

باب ما جاء ان الاعمال بالنية والحسبة

ولكل امرئ ما نوىٰ فدخل فيه الايمان والوضوء والصلوٰة والزكوٰة والحج والصوم والاحكام وقال الله تعالىٰ قل كل يعمل علىٰ شاكلته (الاسراء: ٨٤) اى علىٰ نيته نفقة الرجل علىٰ اهله يحتسبها صدقة وقال النبى صلى الله عليه وسلم ولكن جهاد ونية

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور احتساب پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے اس میں ایمان، وضو، نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور دوسرے احکام بھی داخل ہو گئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل پیرا ہے اور انسان کا اپنے اہل پر بہ نیت ثواب خرچ کرنا صدقہ ہے اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لیکن جہاد اور نیت باقی ہیں

حدیث

حدثنا عبدالله بن مسلمة قال اخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد عن محمد بن ابراهيم عن علقمة بن وقاص عن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الاعمال بالنية ولكل امرئ ما نوىٰ فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الىٰ ما هاجر اليه۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی چیز ہے جو اس کی نیت میں ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی نیت کے مطابق ہوگی۔

حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة قال اخبرنى عدىّ بن ثابت قال سمعت عبدالله بن يزيد عن ابى مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا انفق الرجل علىٰ اهله يحتسبها فهى له صدقة۔

ترجمہ: حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر انسان اپنے اہل پر بہ نیت ثواب خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

حدثنا الحكم بن نافع قال اخبرنا شعيب عن الزهرى قال حدثنى عامر بن سعد عن سعد بن ابى

وقاص انه اخبره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انك لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله الا اجرت علیها حتیٰ ما تجعل فی فم امرأتك۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں ہر اس نفقہ پر ثواب دیا جائے گا جس سے تمہارا مقصد خداوند قدوس کی خوشنودی حاصل کرنا ہو حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو۔

باب پر بحث

نیت اور حسبہ میں فرق

نیت کا معنی ہے قصد التقرب الی اللہ تعالیٰ اور حسبہ کا معنی ہے طلب ثواب اور رجاء انعام پہلا دوسرے کے لیے بمنزلہ بیج ہے درخت کے لیے۔

حضرت گنگوہی ؒ نے الاعمال بالنیۃ کی شرح کی ہے کہ امام بخاری ؒ فرمارہے ہیں کہ ثواب نیت اور حسبہ سے ملے گا اس شرح کی وجہ سے بہت سے اشکال حل ہو جاتے ہیں ورنہ امام بخاری ؒ نے جو ایمان کے لیے نیت شرط قرار دی ہے اس پر رد کر دیا گیا ہے کہ اعمال قلب جیسے ایمان، خشیت، محبت وغیرہ کے لیے نیت کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا تعلق پہلے ہی دل سے ہے لیکن اگر ثواب مقدر نکالیں تو پھر اشکال نہیں ہوگا اسی طرح جو عبادت کے ذرائع ہیں جیسے وضو و طہارت وغیرہ اسی طرح معاملات وغیرہ ان میں اگر نیت و حسبہ ہوگا تو ضرور ثواب ملے گا۔

امام بخاری ؒ کا مقصد

امام بخاری ؒ نے ایک تو یہ باب مرجئہ پر رد کرنے کے لیے باندھا ہے جو صرف قول لسانی کو اہمیت دیتے ہیں اور دوسرا سارے اعمال خیر کو ذکر کرنے کے بعد ان کی قبولیت کے لیے جو شرائط ہیں وہ ذکر کی ہیں ایک نیت ہے یعنی قصد التقرب الی اللہ تعالیٰ اور دوسرا حسبہ یعنی طلب ثواب اگر یہ نہیں تو پھر عمل بلا فائدہ ہے۔

تیسرا ایمان کی تعریف جمہور کے ہاں تین چیزوں سے مرکب ہے ایک جزء تصدیق قلبی تھا اس باب میں نیت کا لفظ لا کر اس جزء کو ذکر کیا ہے۔

باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم

وقوله تعالیٰ اذا نصحوا الله ورسوله (التوبة:۹۱)

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین اللہ ،اللہ کے رسول ،ائمہ مسلمین اور عامۃ الناس کے ساتھ خیر خواہی کا نام ہے اور باری تعالیٰ کا ارشاد جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے خیر خواہی کا تعلق رکھیں

حدیث

حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن اسماعیل قال حدثنی قیس بن ابی حازم عن جریر بن عبدالله البجلی رضی اللہ عنہ قال بایعت رسول الله ﷺ علیٰ اقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والنصح لکل مسلم

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے ،زکوٰۃ دینے اور رہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

حدثنا ابو النعمان قال حدثنا ابوعوانة عن زیاد بن علاقة قال جریر بن عبدالله یوم مات المغیرة بن شعبه قام فحمد الله واثنیٰ علیه وقال علیکم باتقاء الله وحدهٗ لاشریك له والوقار والسکینة حتی یاتیکم امیر فانما یاتیکم الان ثم قال استعفوا لامیرکم فانه کان یحب العفو ثم قال امابعد فانی اتیت النبی ﷺ قلت ابایعك علی الاسلام فشرط علی والنصح لکل مسلم فبایعته علی هذا ورب هذا المسجد انی لناصح لکم ثم استغفر ونزل۔

ترجمہ: جس دن مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہوا اس روز میں نے جریر بن عبد اللہ سے سنا کھڑے ہو کر انہوں نے (اول) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور (لوگوں سے) کہا تمہیں صرف خدائے وحدہٗ لاشریک سے ڈرنا چاہیے اور وقار اور سکون اختیار کرو جب تک کہ کوئی امیر تمہارے پاس آئے کیونکہ وہ (امیر) ابھی تمہارے پاس آنے والا ہے پھر کہا اپنے (مرحوم) امیر کے لیے خدا سے مغفرت مانگو کیونکہ وہ بھی در گزر کرنے کو پسند کرتے تھے پھر کہا اس (حمد و صلوٰۃ) کے بعد (سن لو کہ) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں تو آپ نے مجھ سے اسلام (پر قائم رہنے) کی اور ہر مسلمان کے خیر خواہی کی شرط لی تو میں نے اسی پر آپ کی بیعت کی اور قسم ہے اس مسجد کے رب کی کہ یقیناً میں تمہارے لیے خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور (منبر پر سے) اتر آئے۔

امام بخاریؒ کا مقصد

امام بخاری ؒ نے کتاب الایمان کو باب النصیحۃ پر لا کر ختم کیا ہے نصیحت کا معنی خلوص من الغش ہے یہ تمام شعب ایمان کو احاطہ کیے ہوئے ہے جس طرح شعبہ حیاء تھا امام صاحب نے باب امور الایمان میں شعب الایمان کو اجمالی بیان کیا تھا پھر ایک ایک باب میں ہر شعبہ کی الگ الگ تفصیل بیان کی آخر میں پھر یہ باب مکرر اجمال کے ساتھ اعادہ کیلیہ نہایت بلیغ انداز ہے۔ وللہ دُرُّ البخاری۔

جس طرح تمام اعمال خیر اور شعب الایمان کے لیے نیت اور حسبہ شرط ہے اسی طرح جذبہ نصیحت کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ سب اعمال اکارت ہیں تو یہ نہایہ بدایہ میں اور خاتمہ فاتحہ میں مندرج ہو گیا۔

حدیث پر بحث

نصیحت کا معنی الخلوص من الغش النصیحۃ للہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہنا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنے حق پر مقدم کرنا۔

النصیحۃ لرسول نبی کریم ﷺ کی ذات کو اپنی جان سے عزیز رکھے اور آپ ﷺ کی سنت کے احیاء اور اس کی تعلیم و تعلم کی کوشش کرے۔

النصحیۃ لائمۃ المسلمین ان کی اطاعت کرتے رہیں انہیں خیر کی طرف ارشاد کرے غفلت سے بیدار کرے ان کے خلاف خروج کرنے والوں سے بغض کرے وغیر ذلک۔

النصیحۃ لعامۃ المسلمین ان سے شفقت کر کے ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے اسے ناپسند کرے چھوٹوں پر رحم بڑوں کی توقیر کرے ان کے غم پر غمگین اور ان کی خوشی پر خوش ہو۔

جریر بن عبد اللہ ؓ

یہ وہ صحابی ہیں جن کو یوسف ھذہ الامۃ کا لقب ملا ہے نہایت حسین و جمیل تھے جہاں جاتے لوگ ان کی زیارت کے لیے جمع ہو جاتے آپ علیہ السلام کی وفات سے چالیس دن قبل ایمان لائے آپ علیہ السلام نے ان سے بیعت لیتے ہوئے یہ بیعت لی تھی کہ ہر ایک کو نصیحت کرو گے حسین آدمی جب نصیحت کرتا ہے تو ہر ایک محبت اور دلچسپی سے بات سنتا ہے۔

ثم استغفر ونزل

پھر جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے استغفار کیا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔

بقول علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام بخاریؒ ہر کتاب کے آخر میں ایسے لفظ براعۃ استہلال کے طور پر لاتے ہیں جس میں ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جیسا کہ اس روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔ آمین

بسم الله الرحمن الرحيم

كتاب العلم

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراهیم الجعفی البخاری رحمہ اللہ

تقریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ

جلیل احمد اخون صاحب دامت برکاتہم

جامع العلوم عید گاہ بہاول نگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہیدی باتیں

امام بخاری ؒ نے کتاب الوحی اور کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو شروع کیا ہے ایمان لانے کے بعد انسان پر اللہ کی اطاعت فرض ہے اطاعت کرنے کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مرضیات ۲۔ اللہ تعالیٰ کی نامرضیات

یعنی کونسی چیزوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور کونسی چیزوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان باتوں کو جاننے کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے تو کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم لائے اس کے بعد پھر عمل ہے اور اعمال نماز سے شروع ہوتے ہیں اور نماز کا مقدمہ طہارت ہے تو کتاب العلم کے بعد کتاب الوضوء لائے۔

علم کی تعریف

اصطلاح میں علم کہتے ہیں کہ "هُوَ صِفَةٌ يَتَجَلّٰى بِهِ الْمَذْكُوْرُ لِمَنْ قَامَتْ هِيَ بِهِ"

علم انسان کے اندر ایک ایسا وصف ہے جب یہ وصف انسان میں آجاگر ہوتا ہے تو جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ روشن ہو جاتی ہے۔

یہ ایسا وصف ہے جو عقل میں ہوتا ہے عقل انسانی کا وصف علم ہے عقل کا محل قلب انسانی ہے اور دماغ اس کا آلہ ہے عقل بھی باقی حسوں کی طرح ایک حس ہے جیسے سننا، چکھنا، سونگھنا اسی طرح عقل بھی ایک حس ہے۔

جتنی بھی نظریاتی چیزیں ہیں انسان عمر کے لحاظ سے اور تجربے سے خود بخود دیکھتا ہے جیسے دو اور دو چار وغیرہ یہ پہلے ہی سے انسان کے اندر موجود ہیں جیسے بادام کے اندر روغن موجود ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا جب مشین میں ڈالا جاتا ہے تو روغن نکل آتا ہے اسی طرح نظریاتی چیزیں جو عقل انسانی میں موجود ہوتی ہیں تجربات کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہیں۔

بچے کی عقل کی مثال دن کی سفیدی کی طرح ہے جیسے جیسے دن بڑھتا ہے سفیدی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جیسے عمر اور تجربہ بڑھتا ہے عقل کامل ہوتی چلی جاتی ہے معجزات میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ معجزات خرق عادت ہوتے ہیں جن کو انسانی عقل تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق بہت زیادہ طاقتور ذات کے ساتھ ہے شریعت کی ہر بات غیب کی ہے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی غیب کی ہے جسے عقل انسانی تسلیم کرتی ہے رسول اکرم ﷺ کو رسول جان کر اطاعت کرے اللہ تعالیٰ کو اللہ جان کر عبادت کرے

عقل انسانی بغیر شریعت کے صحیح فیصلہ نہیں کرسکتی کیونکہ اگر شریعت کی روشنی نہ ہو تو عقل بیوی اور بہن میں تمیز نہیں کرسکتی اگر عقل انسانی فیصلہ کرے گی تو شریعت کی روشنی چاہیے تو جب تک شریعت کی روشنی نہیں ہوگی اگرچہ تمام عقلیں جمع ہو جائیں وہ صحیح فیصلہ نہیں کرسکتیں۔

عقل کی شریعت کے ساتھ نسبت

عقل کی شریعت کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسے آنکھ کی روشنی کے ساتھ نسبت ہے جس طرح آنکھ روشنی میں دیکھتی ہے بغیر روشنی اندھی ہے اسی طرح عقل انسانی شریعت کی روشنی میں صحیح فیصلہ کرتی ہے ورنہ اندھی ہے۔

علم کی اقسام

علم کی دو قسمیں ہیں

۱۔ وہ علم جو عمل کا موقوف علیہ ہے۔ ۲۔ وہ علم جو عمل کا ثمر ہے۔

علم پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور اشیاء کی ماہیت کھل جاتی ہے تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل ہوگا قرآن پاک میں آتا ہے واتقوا اللہ ویعلّمکم اللہ (البقرۃ:۲۸۲) تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطاء کریں گے یہ معرفت لدنی علم ہے اور فرمایا" وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً " (طٰہٰ:۱۱۴) یہاں معرفت باللہ کا علم مانگا گیا ہے ظاہری علم نہیں مانگا کیونکہ ظاہری علم تو" الیوم اکملت لکم دینکم " (المائدۃ:۳) کے ذریعے سے پورا ہو چکا تھا۔

باب فضل العلم

وقول اللہ عزوجل یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت واللہ بما تعملون خبیر (المجادلۃ:۱۱)

وقولہٗ عزوجل رَبِّ زدنی علماً (طٰہٰ:۱۱۴)۔

علم کی فضیلت (جس کی تفصیل میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان کے درجے بلند کرے گا اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے بہت درجات ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ (سب) جانتا ہے اور (اسی علم کی فضیلت میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

وضاحت

امام بخاری ؒ فضیلت علم پر حدیث کیوں نہیں لائے قرآن پاک کی آیت لے کر آئے ہیں کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ امام

بخاری ؒ کے ہاں کوئی حدیث شرط پر نہیں ہے اسی وجہ سے قرآن پاک کی آیت لاتے ہیں۔

آیت کی باب سے مناسبت

آیت کی باب کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس میں پہلے ایمان کا بیان ہے پھر علم کا بیان ہے اور پیغمبر علیہ السلام علم کے بہت زیادہ حریص تھے انسان کو اگر اللہ تعالیٰ کی نیابت ملی ہے وہ علم کی وجہ سے ملی ہے اسی وجہ سے عالم باللہ اور عارف باللہ کی دو رکعات غیر عارف کی لاکھ رکعات سے افضل ہیں۔

باب من سئل علما وهو مشتغل في حديثه فاتم الحديث ثم اجاب السائل

باب اس شخص کے بارے میں جس سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا جبکہ وہ اپنی گفتگو میں مشغول تھا پس اس نے گفتگو کو پورا کیا پھر سائل کا جواب دیا

حدیث

عن ابی هريرة قال بينما النبی ﷺ فی مجلس يحدّث القوم جآءه اعرابی فقال متی الساعة فمضی رسول الله ﷺ يحدث فقال بعض القوم سمع ما قال فكره ما قال وقال بعضهم بل لم يسمع حتى اذا قضی حديثهٗ قال اين اراهُ السائل عن الساعة قال ها انا يا رسول الله قال فاذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة فقال كيف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غير اهله فانتظر الساعة۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک مجلس میں لوگوں سے بات فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اس اعرابی نے پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی گفتگو جاری رکھی کچھ لوگ کہنے لگے کہ آپ نے اس اعرابی کی بات سن لی آپ نے اس کی بات کو ناپسند فرمایا کچھ لوگ کہنے لگے کہ آپ نے اس کی بات سنی ہی نہیں یہاں تک کہ جب آپ نے اپنی گفتگو مکمل فرمالی تو فرمایا کہ کہاں ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس اعرابی نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ سائل میں ہوں آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو اس شخص نے سوال کیا کہ امانت کا ضائع ہونا کیسے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

ترجمۃ الباب پر بحث

امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھ کر علم سیکھنے اور سکھانے کے آداب کو بیان فرمایا ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ دوران سبق سوال نہ کرے جب سبق ختم ہو جائے تب سوال کرے اور استاد کو چاہیے کہ پہلے بات مکمل کرے پھر جواب دے دوران سبق جواب نہ دے بلکہ سبق مکمل ہونے کے بعد جواب دے ہاں اگر عقیدے کے متعلق سوال ہو تو درمیان سبق جواب دے سکتا ہے۔
اسی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام مجلس میں تشریف فرما تھے اور ایک دیہاتی آیا سوال پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ پیغمبر علیہ السلام نے جواب نہ دیا کیونکہ یہ ایسا سوال نہیں کہ جس کا فوری جواب دینا ضروری ہو اور دوسرے مقام پر پیغمبر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا سوال کیا کہ دین کیا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام نے خطبہ روک کر سارا جواب دے دیا یعنی دین کی تفصیلات بتا دیں سوال کی نوعیت کو دیکھ کر پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس آدمی کی مجھ سے دوبارہ ملاقات ہی نہ ہو اس لیے آپ نے خطبہ روک کر دین کی تفصیلات کو بیان فرمایا۔

وضاحت

دنیا میں جب ذمہ داریاں نااہلوں کے ہاتھ میں ہوں گی تو امانت ضائع ہو جائے گی سرکاری کام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معاہدہ ہے اگر کوتاہی کرے گا تو اس کے بارے میں بھی قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔

حدیث شریف کی کتاب العلم سے مناسبت

حدیث شریف کی کتاب العلم کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے کہ اگر عالم اور متعلم کسی مشغلے میں مصروف ہوں تو بات مکمل کر کے مسائل کا جواب دیا جائے۔

باب من رفع صوتہ بالعلم

باب اس شخص کا بیان جو علم کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے

حدیث

عن عبداللہ بن عمرو قال تخلف عنا النبی ﷺ فی سفرۃ سافرناها فادرکنا وقد ارهقنا الصلوٰۃ ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین اوثلاثاً۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں جس میں ہم سے آپ ﷺ پیچھے رہ گئے تھے آپ ﷺ

آملے اس حال میں کہ ہمیں نماز نے آلیا تھا ہم (جلدی جلدی) وضو کر رہے تھے سو ہم (جلدی جلدی وضو کرتے ہوئے) اپنے پیروں پر پانی پھیرنے لگے آپ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا ''ایڑیوں کے لیے آگ کے عذاب کی خرابی ہے''

ترجمۃ الباب پر بحث

امام بخاری ؒ نے یہ باب قائم کرکے فرمایا ہے کہ او نچا بولنا ادب کے خلاف ہے لیکن دو وجوہات کی بناپر او نچا بولا جاسکتا ہے

۱۔ آواز پہنچانے کے لیے

۲۔ بات کی اہمیت کے لیے

جب قیامت کا ذکر آتا تو پیغمبر علیہ السلام کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوجاتا اور آواز بلند ہو جاتی تو اس حدیث میں ہے کہ صحابہ ؓ عصر کا وضو کرکے آئے ایڑیاں خشک رہ گئیں پیغمبر علیہ السلام نے دوری اور بات کی اہمیت کے پیش نظر دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ خشک ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کا وظیفہ دھونا ہے مسح کرنا نہیں جیسا کہ روافض کا مذہب ہے۔

باب قول المحدث حدثنا و أخبرنا و أنبأنا

وقال لنا الحميدي كان عند ابن عيينة حدثنا وأخبرنا وأنبأنا وسمعت واحداً قول المحدث حدثنا واخبرنا وانبأنا وقال الحميدي كان عند ابن عيينة حدثنا واخبرنا وانبأنا وسمعت واحدا وقال ابن مسعود حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق وقال شقيق عن عبدالله سمعت النبي ﷺ كلمة كذا وقال حذيفة حدثنا رسول الله ﷺ حديثين وقال ابو العالية عن ابن عباس عن النبي ﷺ فيما يروى عن ربه عزوجل وقال انس عن النبي ﷺ يرويه عن ربه وقال ابوهريرة عن النبي ﷺ يرويه عن ربكم تبارك وتعالى۔

باب محدث کے حدثنا اخبرنا اور انبانا کہنے کا بیان حمیدی نے کہا کہ ابن عیینہ کے نزدیک حدثنا، اخبرنا، انبأنا اور سمعت ایک ہیں محدث کے اس قول کی تائید میں کہ ہم سے حدیث بیان کی یا ہمیں خبر دی یا ہمیں بتلایا حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ ابن عیینہ کے نزدیک حدثنا، اخبرنا، انبأنا اور سمعت (کے معنی) ایک ہی ہیں اور ابن مسعود ؓ نے کہا (حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق) اور شقیق نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا کہ سمعت النبي ﷺ كلمة كذا (میں نے رسول اللہ ﷺ سے فلاں بات سنی) اور حذیفہ نے کہا حدثنا رسول الله ﷺ حديثين ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں بیان کیں اور ابو العالیہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے عن النبي ﷺ عن ربه اور حضرت انس ؓ نے فرمایا عن

النبی ﷺ عن ربہ اور حضرت ابو ہریرۃ ؓ نے فرمایا عن النبی ﷺ عن ربکم تبارک وتعالیٰ۔

حدیث

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقها وانها مثل المسلم حدثونی ماهی فوقع الناس فی شجر البوادی قال عبدالله ووقع فی نفسی انها النخلة فاستحییت ثم قالوا حدثنا ماهی یارسول الله قال هی النخلة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے (خزاں میں) نہیں جھڑتے اور وہ مومن کی طرح ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ درخت کونسا ہے؟ (اسے سن کر) لوگ جنگلی درختوں (کے دھیان) میں پڑ گئے عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے شرم آئی (کہ بڑے بڑوں کے سامنے کچھ کہوں) پھر صحابہ ؓ نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ آپ ہی بتا دیجئے کہ وہ کونسا درخت ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ترجمۃ الباب پر بحث

امام بخاری ؒ مختلف اقوال لا کر بیان فرما رہے ہیں کہ یہ تمام صیغے ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے حدثنا، اخبرنا، انبأنا یہ تمام ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں نیز امام بخاری ؒ اس باب کو لا کر تحمل حدیث کے طریقے اور اس کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کو بیان کر رہے ہیں کہ تحمل حدیث کے سات طریقے ہیں

۱۔ قرأت الشیخ ۲۔ قرأت علی الشیخ یا عرض علی المحدث ۳۔ اجازت ۴۔ مناولہ ۵۔ رسالہ ۶۔ کتابت ۷۔ وجادہ

۱۔ قرأتُ الشیخ

قرأت الشیخ کہتے ہیں کہ استاذ خود حدیثیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور تلمیذ سنتا ہے اس کے لیے اصطلاح میں حدثنا حدثنی کا لفظ استعمال ہوتا ہے اگر سامع ایک تھا تو حدثنی اگر سامع زیادہ تھے تو حدثنا۔

۲۔ قرأت علی الشیخ

قرأت علی الشیخ کہتے ہیں کہ شاگرد پڑھتا ہے اور استاذ سنتا ہے اسے عرض علی المحدث بھی کہتے ہیں۔

امام مالک ؒ شاہ ولی اللہ ؒ شاہ اسحٰق ؒ اور شیخ الہند ؒ کے ہاں یہی طریقہ رائج تھا کیونکہ پہلے وقت کے طالب علموں میں خوب استعداد تھی اس کے لیے اصطلاح میں اخبرنا، اخبرنی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۳۔اجازت

اجازت کہتے ہیں کہ نہ استاذ پڑھتا ہے نہ شاگرد پڑھتا ہے بلکہ استاذ شاگردوں کو اپنی حدیثوں کی اجازت دے دیتا ہے اس کے لیے انبأنا، آنْبَأَنِی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۴-مُناوله

استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دے دیتا ہے اور ساتھ ہی کہہ دیتا ہے کہ جاؤ تم اس کتاب سے حدیثیں بیان کرو اس کے لیے (ناولنی فلان) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۵-رساله

محدث کسی کو حدیثیں یاد کرا کے کہہ دیتا ہے کہ فلاں کو میری طرف سے یہ بتا دینا یا سنا دینا اسے مراسلہ کہتے ہیں اس کے لیے (ارسلنی فلان) یا (حدثنا مراسلةً) یا (ارسل الیَّ فلان) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۶-کتابت

محدث خط کے ذریعے حدیثیں بھیج دیتا ہے اسے کتابت کہتے ہیں اس کے لیے (کتب الی فلان) یا حدثنی کتابةً یا مکاتبةً کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

۷-وِجَادَہ

کسی بھی محدث کی کتاب مل گئی اس کے حوالے سے حدیثیں بیان کیں اس کے لیے (وجدت فی کتاب فلان) کا لفظ استعمال ہوتا ہے آج کل یہی طریقہ رائج ہے یہ تمام تحمل حدیث کے طریقے ہیں۔

وقال لنا حمیدی الخ

یہاں سے امام بخاری ؒ ایک اختلافی مسئلہ بیان فرمارہے ہیں

متقدمین محدثین اور امام بخاریؒ کا مذہب

متقدمین محدثین اور امام بخاری ؒ کا مذہب یہ ہے کہ تحمل حدیث کے جتنے بھی صیغے ہیں سب ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں یعنی قرأة الشیخ ہو یا قرأة علی الشیخ ہو سب کے لیے حدثنا یا اخبرنا یا انبأنا استعمال ہو سکتے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام مسلمؒ اور متاخرین محدثین

امام مسلمؒ اور متاخرین محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ان صیغوں میں فرق ہے تحمل حدیث کے طریقوں کے لیے سات طرح کے صیغے استعمال ہوتے ہیں ہر ایک کے لیے الگ الگ لفظ ہے۔

دلیل امام بخاریؒ (قرأت الشیخ قرأت علی الشیخ)

امام بخاریؒ بیان فرمارہے ہیں کہ (قرأت الشیخ) اور (قرأت علی الشیخ) دونوں صورتوں میں حدثنا ہے آپ علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا تو حدثونی اور صحابہؓ نے عرض کیا حدثنا بعض محدثین نے فرمایا کہ دوسری سند میں اخبرونی اور اخبرنا کا لفظ ہے جو دونوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

مومن کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

کھجور کے درخت کو مومن کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی کوئی بھی چیز ضائع نہیں جاتی بلکہ ہر چیز استعمال ہوتی ہے اسی طرح مومن کا ہر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ثواب کمانے میں گزرتا ہے اگر مومن کی نیت درست ہو تو اس کا ہر لمحہ ثواب سے خالی نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم کا قول

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نخلة پھوپھی ہے بنو آدم کی اس کو آدم علیہ السلام کے بچے ہوئے گارے سے بنایا گیا ہے اس وجہ سے اس میں انسانوں والی خصوصیات ہوتی ہیں محبت کا مادہ بھی اس میں پایا جاتا ہے یہ پانی میں ڈوب کر مر بھی جاتی ہے اگر اس پر نر کے ذرات نہ آئیں تو پھل بھی صحیح نہیں آتا۔

باب طرح الامام المسئلة علی اصحابہ لیختبر ما عندھم من العلم

باب امام کا اپنے تلامذہ کے سامنے مسئلہ پیش کرنا تاکہ ان کے علم کا امتحان لے سکے

حدیث

عن ابن عمر عن النبیﷺ قال ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقها انها مثل المسلم حدثونی ما هی قال فوقع الناس فی شجر البوادی قال عبداللہ فوقع فی نفسی انها النخلة فاستحییت ثم قالوا حدثنا یارسول اللہ ما هی قال هی النخلة۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی طرح ہے مجھے بتلاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟ عبد اللہ کہتے ہیں کہ لوگ جنگلی درختوں (کے خیال) میں پڑ گئے ان کا بیان ہے کہ میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور (کا درخت) ہے مگر مجھے (عرض کرتے ہوئے) شرم آئی پھر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ (ہی) بتلا دیجئے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ کھجور ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاریؒ اس باب کو لائے ہیں کہ استاذ بطور آزمائش اپنے شاگردوں سے سوال بھی کرسکتا ہے۔

باب القرأة والعرض على المحدث

ورأى الحسن وثوري ومالك القرأة جائزة واحتج بعضهم في القرأة على العالم بحديث ضمام بن ثعلبة انه قال للنبي ﷺ آلله امرك ان نصلي الصلوٰة قال نعم قال فهذه قرأة على النبي ﷺ اخبر ضمام قومه بذلك فاجازوه واحتج مالك بالصّك يقرأ على القوم فيقولون اشهدنا فلان ويقرأ على المقرئ فيقول القارى اقرأني فلان.

(حدیث) پڑھنا اور محدث کے سامنے (حدیث) پیش کرنے کا بیان۔ حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ اور مالکؒ کے نزدیک قرأۃ جائز ہے بعض محدثین نے عالم کے سامنے قرأۃ (کافی ہونے پر) ضمام بن ثعلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو (یہ) حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تو یہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا ہے اور ضمام نے اس بات کی اپنی قوم کو اطلاع دی اور ان کی قوم نے (ان کی) اس خبر کو کافی سمجھا اور امام مالکؒ نے قرأۃ کے جواز پر دستاویز سے استدلال کیا ہے جو لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔

عن سفيان قال اذا قرأ على المحدث فلا بأس ان يقول حدثني قال وسمعت ابا عاصم يقول عن مالك وسفيان القرأة على العالم وقرأته سواء.

حضرت سفیانؒ سے منقول ہے کہ جب محدث کے سامنے حدیث پڑھی جائے تو پھر حدثنی کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے امام بخاریؒ نے بیان کیا کہ میں نے ابو عاصم سے امام مالک اور سفیان کا یہ ارشاد سنا ہے کہ شاگردوں کا عالم کے سامنے پڑھنا یا عالم کا شاگردوں کے سامنے پڑھنا برابر ہے۔

حدیث

حدثنا عبدالله بن یوسف قال حدثنا اللّیث عن سعید هو المقبُری عن شریك بن عبدالله ابن ابی نمر انه سمع انس بن مالك یقول بینما نحن جلوس مع النبی صلی الله علیه وسلم فی المسجد دخل رجل علی جمل فاناخه فی المسجد ثم عقله ثم قال لهم ایکم محمد والنبی صلی الله علیه وسلم متّکئ بین ظهرانیهم فقلنا هذا الرجل الابیض المتکئ فقال له الرجل یا ابن عبدالمطلب فقال له النبی صلی الله علیه وسلم قد اجبتك فقال الرجل للنبی صلی الله علیه وسلم انی سائلك فمشدد علیك فی المسئلة فلا تجد علیّ فی نفسك فقال سل عما بدالك فقال اسألك بربك ورب من قبلك آلله ارسلك الی الناس کلهم فقال اللهم نعم فقال انشدك بالله آلله امرك ان تصلی الصلوات الخمس فی الیوم واللیلة فال اللهم نعم فقال انشدك بالله آلله امرك ان تصوم هذا الشهر من السنة قال اللهم نعم قال انشدك بالله آلله امرك ان تأخذ هذه الصدقة من اغنیائنا فتقسمها علی فقرائنا فقال النبی صلی الله علیه وسلم اللهم نعم فقال الرجل اٰمنت بما جئت به وانا رسول من ورآئی من قومی وانا ضمام بن ثعلبة اخو بنی سعد بن بکر. رواه موسیٰ و علی بن عبدالحمید عن سلیمان عن ثابت عن انس النبی صلی الله علیه وسلم بهذا۔

ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس اثناء میں کہ ہم آنحضور ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس نے اونٹ مسجد میں بٹھا یا پھر اس کے پیروں میں عقال ڈال دیا پھر حاضرین سے کہا تم میں محمد کون ہے ؟اس وقت نبی اکرم ﷺ حاضرین کے درمیان سہار ا لگائے ہوئے جلوہ افروز تھے ہم نے اس شخص سے کہا کہ یہ جو رنگ میں سب سے ممتاز اور سہارا لگائے ہوئے ہیں چنانچہ آپ سے اس انسان نے کہا اے عبدالمطلب کے بیٹے ! آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں جواب دینے کے لیے ہی یہاں بیٹھا ہوں اس انسان نے کہا میں آپ سے کچھ سوالات کرنے والا ہوں اور سوالات میں کچھ تشدد بھی کروں گا مگر آپ مجھ پر اپنے جی میں غصہ نہ ہوں آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو پھر اس نے کہا میں آپ کو آپ کے اور آپ سے پہلوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا بخدا ہاں !اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ کو اللہ نے دن ورات میں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے ؟ آپ نے فرمایا بخدا ہاں !اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے امراء

سے لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم فرمادیں آپ نے فرمایا بخدا ہاں! پھر اس آدمی نے کہا میں آپ کی لائی ہوئی تمام چیزوں پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کے ان لوگوں کا فرستادہ ہوں جو میرے پیچھے ہیں اور میں ضمام بن ثعلبہ بن سعد بن بکر میں سے ہوں، موسیٰ اور علی بن الحمید نے یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ سلیمان عن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے بیان کی ہے۔

حدیث

حدثنا موسیٰ ابن اسماعیل قال ثنا سلیمان بن المغیرۃ قال ثنا ثابت عن انس قال نھینا فی القرآن ان نسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان یعجبنا ان یجیئی الرجل من اھل البادیۃ العاقل فیسأله ونحن نسمع فجآء رجل من اھل البادیۃ فقال اتانا رسولك فاخبرنا انك تزعم ان اللہ عزوجل ارسلك قال صدق فقال فمن خلق السمآء قال اللہ عزوجل قال فمن خلق الارض والجبال قال اللہ عزوجل قال فمن جعل فیھا المنافع قال اللہ عزوجل قال فبالذی خلق السمآء وخلق الارض ونصب الجبال وجعل فیھا المنافع آللہ ارسلك قال نعم قال زعم رسولك ان علینا خمس صلوات وزکوۃ فی اموالنا قال صدق قال بالذی ارسلك آللہ امرك بھذا قال نعم قال وزعم رسولك ان علینا صوم شھر فی سنتنا قال صدق قال فبالذی ارسلك آللہ امرك بھذا قال نعم قال وزعم رسولك ان علینا حج البیت من استطاع الیہ سبیلا قال صدق قال فبالذی ارسلك آللہ امرك بھذا قال نعم قال فوالذی بعثك بالحق لا ازید علیھن شیئا ولا انقص فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان صدق لیدخلن الجنۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم کو قرآن کریم میں رسول اکرم ﷺ سے سوالات کرنے سے منع فرمایا گیا اور ہمیں یہ بات اچھی لگتی تھی کہ کوئی ہوشیار بدوی آئے اور آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں چنانچہ ایک بدوی آیا اور اس نے کہا کہ ہمارے پاس آپ کا فرستادہ پہنچا اور اس نے ہمیں خبر دی آپ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا پھر اس نے کہا کہ آسمان کس نے پیدا کیا آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا زمین اور پہاڑ کس نے پیدا کیے آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے پھر اس نے کہا کس نے ان میں نفع کی چیزیں رکھیں آپ نے فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جس نے پہاڑوں کو نصب کیا اور جس نے ان چیزوں میں منافع رکھے،

کیا آپ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس شخص نے کہا کہ آپ کے قاصد نے یہ بتلایا کہ ہم پر پانچ نمازیں اور مالوں میں زکوٰۃ واجب ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا کیا آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ کے فرستادہ نے بتلایا کہ ہم پر سال میں ایک ماہ کے روزے ہیں آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا جی ہاں اس نے کہا کہ آپ کے قاصد نے یہ بتلایا کہ اس شخص پر حج بھی ہے جو زاد سفر کی استطاعت بھی رکھتا ہو آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا کیا اللہ نے آپ کو اس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں ان باتوں پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گر اس نے دعویٰ کو سچ کر دکھایا تو ضرور داخل جنت ہوگا۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ یہاں پر عرض علی المحدث کے معتبر ہونے پر دلیل دے رہے ہیں یہ طریقہ کہ شاگرد پڑھتا ہے اور استاذ سنتا ہے درست ہے جیسا کہ امام مالک ؒ کے ہاں یہی طریقہ رائج تھا کہ شاگرد پڑھتے تھے آپ کی کتاب اور آپ خاموشی سے سنتے تھے۔

حضرت حسن بصری ؒ اور سفیان ثوری ؒ کے ہاں بھی یہ طریقہ معتبر تھا امام مالک ؒ نے دستاویز سے بھی اس پر استدلال کیا ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں فلاں شخص نے (اس دستاویز پر) گواہ بنایا اور قرآن جب استاذ کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔

امام بخاری ؒ دلائل لائے کہ ضمام بن ثعلبہ ؓ نے خود ساری باتیں بیان کیں آپ علیہ السلام نے صرف نعم کہہ کر اقرار فرمایا اسی طرح دستاویزات گواہوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں اور پڑھنے والا کوئی اور ہوتا ہے پھر بھی گواہی دی جاتی ہے طالب علم قرآن پاک خود استاذ کے سامنے پڑھتا ہے لیکن کہتا یہ ہے کہ فلاں نے پڑھایا۔

احادیث کی وضاحت

ان دونوں روایات میں سائل نے از خود سب باتیں بیان کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعم کے ساتھ اس کا اثبات کیا یہ قرأۃ علی المحدث کی بڑی واضح دلیل ہیں۔

باب مایذکر فی المناولة و کتاب اهل العلم بالعلم الی البلدان

باب جوچیز مناولت کے بارے میں ذکر کی جاتی ہے اور اہل علم کا شہروں میں علم کی بات لکھ کر بھیجنا

وقال انس نسخ عثمان المصاحف فبعث بها الی الافاق ورای عبداللہ بن عمر ویحیٰی بن سعید ومالک ذلک جائزا واحتج بعض اهل الحجاز فی المناولة بحدیث النبی ﷺ حیث کتب لامیر السریة کتابا وقال لا تقرأه حتی تبلغ مکان کذا و کذا فلما بلغ ذلک المکان قرأه علی الناس واخبرهم بامر النبی صلی اللہ علیه وسلم۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان ؓ نے مصاحف لکھوا دیے اور انہیں چاروں طرف بھیج دیا اور عبداللہ بن عمر، یحیٰی بن سعید اور امام مالک کے نزدیک یہ (کتاب) جائز ہے اور بعض اہل حجاز نے مناولہ پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے امیر لشکر کے لیے خط لکھا پھر قاصد سے فرمایا کہ جب تک تم فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اس خط کو نہ پڑھنا پھر جب وہ اس جگہ پہنچ گئے تو اس خط کو لوگوں کے سامنے پڑھا جو آپ کا حکم تھا وہ انہیں بتلایا۔

حدیث

عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة بن مسعود ان عبداللہ بن عباس اخبره ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعث بکتابه رجلا وامره ان یدفعه الی عظیم البحرین فدفعه عظیم البحرین الی کسریٰ فلما قرأه مزّقه فحسبت ان ابن المسیب قال فدعا علیهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یمزقوا کل ممزق۔

ترجمہ عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بتلایا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنا مکتوب گرامی ایک شخص کو عنایت فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ بحرین کے گورنر کا سے دے دیں چنانچہ بحرین کے گورنر نے آپ کا مکتوب کسریٰ تک پہنچا دیا جب کسریٰ نے اسے پڑھا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ابن شہاب کا بیان ہے کہ مجھے یہ خیال ہے کہ ابن مسیب نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے لیے حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی بددعا فرمائی۔

عن انس بن مالک قال کتب النبی صلی اللہ علیه وسلم کتابا او اراد ان یکتب فقیل له انهم لا یقرؤن کتابا الا مختوما فاتخذ خاتما من فضة نقشه محمد رسول اللہ کانی انظر الی بیاضه فی یده فقلت لقتادة من قال نقشه محمد رسول اللہ قال انس۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مکتوب گرامی لکھایا لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ اہل عجم صرف مہر شدہ مکتوب پڑھتے ہیں چنانچہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا حضرت انس کا بیان ہے کہ گویا میں آپ کے دست مبارک میں اس انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں پھر میں (شعبہ) نے قتادہ سے پوچھا کہ یہ کس نے بتلایا کہ اس کا نقش محمد رسول اللہ تھا؟ فرمایا انس رضی اللہ عنہ نے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ کے پاس مناولہ پر تو کوئی دلیل نہیں ہے لیکن مکاتبہ لا کر مناولہ کو ثابت کر رہے ہیں گرچہ بعض محدثین نے مناولہ پر حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو امام بخاری ؒ نے نقل کی۔ امام بخاری ؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ حضرت عثمان ؓ نے قرآن پاک کی جمع و تدوین کرا کے کچھ نسخے مختلف علاقوں میں بھیجے لہذا اگر مکاتبہ معتبر نہ ہوتا تو قرآن بھی معتبر نہ ہوتا لہذا مکاتبت حدیث کی دلیل ہے رسول اللہ ﷺ کے سارے خطوط محفوظ ہیں جو شاہان عالم کو لکھے یہ بھی مکاتبت حدیث کی دلیل ہے۔ یہ دونوں روایات مکاتبت حدیث پر واضح دلیل ہیں اور اسی سے مناولہ کا جواز ثابت ہو جاتا ہے۔

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجة في الحلقة فجلس فيها

باب اس شخص کا بیان جو مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا اور جس شخص نے حلقے میں جگہ دیکھی اور وہ اس میں بیٹھ گیا

حدیث

عن ابي واقد الليثي ان رسول الله ﷺ بينما هو جالس في المسجد والناس معهٗ اذ اقبل ثلثة نفر فاقبل اثنان الىٰ رسول الله ﷺ وذهب واحد قال فوقفا على رسول الله ﷺ فامّا احدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس فيها وأما الاخر فجلس خلفهم وأما الثالث فادبر ذاهبا فلما فرغ رسول الله ﷺ قال ألا أخبركم عن النفر الثلاثة أما احدهم فأوىٰ الى الله فآواه الله اليه واما الآخر فاستحيى فاستحى الله منه وأما الآخر فاعرض فاعرض الله عنه۔

ترجمہ: ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ تین آدمی آئے (ان میں سے) دو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچ گئے اور ایک چلا گیا (راوی کہتے ہیں) پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اس کے بعد ان میں سے ایک نے مجلس میں گنجائش دیکھی تو وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا اہل مجلس کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا لوٹ گیا تو جب رسول اللہ ﷺ (اپنی گفتگو سے) فارغ ہوئے تو (صحابہ ؓ سے) فرمایا کہ میں تمہیں تین آدمیوں

کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ تو (سنو) ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ سے پناہ ڈھونڈی اللہ تعالیٰ نے اسے پناہ دی اور دوسرے کو شرم آئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیاء کی اور تیسرے شخص نے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے (بھی) اس سے منہ موڑ لیا۔

آداب شاگرد

امام بخاری ؒ یہ عنوان قائم کر کے شاگردوں کو آداب بتلا رہے ہیں کہ شاگرد کو چاہیے کہ جب سبق ہو رہا ہو تو بغیر گردنوں کو پھلانگے جہاں جگہ مل جائے وہاں بیٹھ جائے ۔ ہاں اگر آگے جگہ خالی ہو اور پہنچنا آسان ہو تو بہتر ہے لیکن علمی مجلس سے بلا وجہ اعراض نہ کرے۔

حدیث کی وضاحت

اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھنے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھنا ہے اور آخرت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آغوش میں آجانا۔ اسی طرح اہل حق اور اولیاء کے پاس بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں بیٹھنا ہے مولانا رومی ؒ فرماتے ہیں۔

هر که خواهد هم نشینی باخدا

گو نشیند با حضور اولیاء

جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی کرے تو اس سے کہد و اولیاء کرام کی ہم نشینی اختیار کرے۔

اهل حق خدا نه باشد

لیکن از خدا جدا نه باشد

اہل حق خدا تو نہیں ہیں لیکن خدا سے الگ بھی نہیں ہیں۔ اس کی مثال سورج اور دھوپ ہے دھوپ سورج تو نہیں لیکن اس سے الگ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حیاء اور اعراض

اللہ تعالیٰ کی حیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف کر کے ستاری فرما دی اور اعراض کا یہ مطلب ہے۔

باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلَّغ اوعیٰ من سامع

باب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ کبھی وہ شخص جسے بات پہنچائی گئی ہے اس شخص سے زیادہ فہم اور یاد رکھنے والا ہوتا ہے جس نے خود سنا۔

حدیث

عن عبدالرحمن ابی بکرۃ عن ابیہ قال ذکر النبی ﷺ قعد علی بعیرہٖ وامسك انسان بخطامہٖ اوبزمامہٖ ثم قال ایّ یوم ھذا فسکتنا حتی ظننا انہٗ سیسمّیہ سوی اسمہٖ قال الیس یوم النحر قلنا بلیٰ قال فایّ شھر ھذا فسکتنا حتیٰ ظننا انه سیسمّیه بغیر اسمه قال الیس بذی الحجة قلنا بلیٰ۔ قال فانّ دمائکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسی ان یبلغ من ھو اوعیٰ له منہٗ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ پر بیٹھے تھے اور ایک شخص نے اس کی نکیل تھام رکھی تھی آپ نے پوچھا یہ کونسا دن ہے؟ ہم خاموش رہے حتی کہ ہم یہ سمجھے کہ آج کے دن کا آپ کوئی دوسرا نام اس کے نام کے علاوہ تجویز فرمائیں گے (پھر) آپ ﷺ نے فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا بے شک (اس کے بعد) آپ نے فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے ہم (اس پر بھی) خاموش رہے اور یہ (ہی) سمجھے کہ اس ماہ کا (بھی) آپ ﷺ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے (پھر) آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا (بے شک) تب آپ نے فرمایا یقینا تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان (ہمیشہ کے لیے) اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں جو شخص حاضر ہے اسے چاہیے کہ غائب کو یہ بات پہنچا دے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ جو شخص یہاں موجود ہے وہ ایسے شخص کو یہ خبر پہنچائے جو اس سے زیادہ (حدیث کا) محفوظ رکھنے والا ہو۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ اس باب کولا کر یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ جو بات سیکھی یا جو بھی ادب سیکھو اسے آگے پھیلاؤ ہو سکتا ہے جسے تم بتلاؤ وہ تم سے زیادہ یاد کرنے والا اور فائدہ اٹھانے والا ہو۔

حدیث کی وضاحت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو بھی بات سیکھے اسے آگے پہنچائے جو پڑھا ہے اسے امت کے افراد تک پہنچائے (مثال) جیسے آپ نے زکوٰۃ کے مسائل پڑھے ہیں اگرچہ آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لیکن آپ آگے زکوٰۃ کے مسائل بتائیں گے تو لوگ اس پر عمل کریں گے تو ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے جیسے صحابہ کرام ؓ نے حدیثیں روایات کیں و ائمہ مجتہدین نے ان حدیثوں کے ذریعے سے لاکھوں مسائل کا استخراج کیا۔

باب العلم قبل القول والعمل

باب علم کا مرتبہ قول اور عمل سے پہلے ہے

وان العلمآء هم ورثة الانبياء ورّثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر ومن سلك طريقا يطلب به علما سهّل الله له طريقا الى الجنة وقال جل ذكره انما يخشى الله من عباده العلمٰٓوا وقال ما يعقلها الا العالمون وقال وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحٰب السعير وقال هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون وقال النبى ﷺ من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين وانما العلم بالتعلّم وقال ابوذر لو وضعتم الصمصامة على هٰذه وأشار الى قفاهٔ ثم ظننت انى انفّذ كلمة سمعتها من النبى ﷺ قبل ان تجيزوا علىّ لانفذتها وقول النبى ﷺ ليبلغ الشاهد الغائب وقال ابن عباس كونوا ربانيين. حكمآء علمآء فقهآء ويقال الربانى الذى يربى الناس بصغار العلم قبل كباره۔

اور علماء انبیاء کے وارث ہیں (اور) پیغمبروں نے علم (ہی) کا ترکہ چھوڑا ہے (پھر) جس نے علم حاصل کیا اس نے (دولت کی) بہت بڑی مقدار حاصل کر لی اور جو شخص کسی راستے پر حصول علم کے لیے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں اور (دوسری جگہ) فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا اور ان لوگوں (کافروں نے) کہا اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے جہنمی نہ ہوتے اور (ایک جگہ فرمایا) کیا اہل علم اور جاہل برابر ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے اور حضرت ابوذرؓ کا ارشاد ہے کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور مجھے گمان ہوا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے جو ایک کلمہ سنا ہے گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اس کو بیان کر دوں گا اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ حاضر کو چاہیے کہ (میری بات) غائب کو پہنچا دے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ آیت (کونوا ربانیین) سے مراد حکماء، فقہاء، علماء ہیں اور ربانی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل سمجھا کر لوگوں کی (علمی) تربیت کرے۔

ترجمۃ الباب پر بحث

امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر علم کی اہمیت کو بیان کیا ہے کہ علم کے بعد قول و عمل ہوتا ہے جب یقین یا غلبہ ظن ہو گا تب زبان سے کہو گے علم، عمل اور قول کا موقوف علیہ ہے ہر قول و عمل سے پہلے علم ہے۔

آیت مبار کہ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فبدأ بالعلم پس جان لو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو اللہ تعالیٰ نے علم سے شروع فرمایا جب دل اور زبان میں مطابقت ہوگی تو وہ قول صدق اور سچا ہوگا تو پہلے علم ہے پھر اس علم کا قول و اقرار ہے۔

وضاحت فاعلم انہ لا الہ الا اللہ

امام بخاری ؒ اس آیت کلا کریہ ثابت کر رہے ہیں کہ پہلے کلمہ کا علم پھر کلمہ کا قول ہے تاکہ دل و زبان مطابق ہو جائیں پہلے دل میں بٹھالے بعد میں کلمہ پڑھے اس لیے ایمان میں پہلے تصدیق بالقلب ہے پھر اقرار باللسان اور عمل بالارکان ہے۔ اس لیے ایمان سے پہلے تصدیق بالقلب ہے پھر اقرار باللسان اور عمل بالارکان ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء معلوم ہوا کہ عابدین، زاہدین، واعظین نہیں بلکہ علماء، انبیاء کے وارث ہیں اس لیے کہ نبوت علمی منصب ہے عملی منصب نہیں لیکن علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی زیادہ ہوتا ہے۔

من اخذہ اخذ بحظ وافرٍ (دو معانی)

۱۔ علم کا تھوڑا حصہ بھی بہت زیادہ ہے۔

۲۔ وافر حصہ لے لو یعنی زیادہ سے زیادہ لے لو۔

سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ اس عبارت کے دو معانی ہیں

۱۔ اعمال جنت آسان ہو جائیں گے۔

۲۔ علم کی برکت سے آخرت میں آسانی سے جنت میں چلا جائے گا۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ

مفتی ولی حسن صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ علم کا راستہ ہی جنت کا راستہ ہے علم کے راستے میں آنا جانا یہ تمام اعمال شمار ہوں گے انما یخشی اللہ من عبادہِ العلماء (فاطر:۲۸) خشیت علم کے بعد آتی ہے یعنی ڈرتا بھی ہے خشیت وہ خوف ہے جس میں عظمت شامل ہو اللہ تعالیٰ کی خشیت علم سے آتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے انا اعلم باللہ واخشاکم

یفقھہُ فی الدین۔ دین کی سمجھ سے مراد فقہ ہے

وانما العلم بالتعلم معلوم ہوا کہ علم طالب علمی سے آتا ہے یہ امام بخاری ؒ کا قول ہے۔

حضرت ابوذر غفاری ؓ

حضرت ابوذر غفاری ؓ کا آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ (التوبۃ:۳۴) کے بارے میں دوسرے صحابہ ؓ سے

اختلاف تھا حضرت ابوذر غفاری ؓ کی تشکیل لشکر میں شام کے محاذ پر تھی جہاں حضرت امیر معاویہ گورنر تھے تو انہوں نے ان سے اختلاف کیا۔ تو انہیں واپس مدینہ شریف بلوالیا گیا یہ حضرت عثمان غنی ؓ کے دور کا واقعہ ہے تو حضرت امیر معاویہ ؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی لیکن جو آدمی مال کا حق ادا کرتا ہے وہ کنز میں شامل نہ ہوگا حضرت ابوذر ؓ اس آیت کو مطلق سمجھتے تھے کیونکہ آپ پر زہد کا غلبہ تھا اگر کسی کے پاس مال موجود ہوتا تو اسے سخت ڈانٹتے حضرت عثمان غنی ؓ نے انہیں مقام ربذہ پر بھیج دیا جو مدینہ سے مکہ کی جانب دس میل کے فاصلے پر تھا اور ان پر پابندی لگادی تھی کہ کنز والا فتویٰ نہ دیا کرو ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر لوگ مسائل پوچھ رہے تھے اتنے میں ایک سپاہی آگیا سپاہی نے کہا آپ کیوں مسئلے بیان کر رہے ہیں (حالانکہ خاص مسئلے کی پابندی تھی) اس موقعہ پر حضرت ابوذر ؓ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا 'لو وضعتم الصمصامة علی هٰذه' دیکھئے صحابہ کرام کے ہاں علم کی کس قدر اہمیت تھی۔ صمصامہ کا معنی تلوار ہے۔

ربانی کون لوگ ہیں؟

حضرت ابن عباس ؓ تفسیر فرماتے ہیں ربانیین کی کہ وہ لوگ جن میں حکمت، علم اور فقاہت اور دین کی سمجھ ہو (ربانی) رب سے نکلا ہے رب والے اللہ والے یا تربیت سے نکلا ہے یعنی بڑے علوم سے پہلے چھوٹے علوم سے تربیت کرنا جیسے دین میں جزئیات پہلے ہیں اور اصول بعد میں ہیں (علماء ربانی) چھوٹے علوم کے ذریعے بڑے علوم سے پہلے تربیت کرتے ہیں۔

باب ما کان النبی ﷺ یتخوّلهم بالموعظة والعلم کی لاینفروا

باب رسول کرم ﷺ وعظ و تعلیم میں صحابہ کرام کے لیے اوقات کی نگہداشت فرماتے تھے تا کہ وہ متنفر نہ ہوجائیں

حدیث

عن ابن مسعود قال کان النبی ﷺ یتخولنا بالموعظة فی الایام کراهة السآمة علینا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمانے کے لیے کچھ دن مقرر کردیے تھے ہمارے پریشان ہوجانے یا اُکتا جانے کے خیال سے (ہر روز وعظ نہ فرماتے)

عن انس عن النبی ﷺ قال یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؑ نے فرمایا آسانی کرو تنگی نہ کرو اور خوشخبری سناؤ نفرت نہ دلاؤ مطلب یہ ہے کہ دین کی بات آسان کر کے پیش کرو ایسا انداز نہ اختیار کرو کہ لوگ متنفر ہونے لگیں۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ اس باب کولا کر استاد کو ادب بتلا رہے ہیں کہ استاد کو چاہیے کہ طلباء کو شوق دلائے اور ان کے اوقات کی رعایت کرے تاکہ انہیں تعلیم حاصل کرنے میں ناگواری پیش نہ آئے اور اکتا نہ جائیں۔

باب من جعل لاهل العلم اياماً معلومة

باب اس شخص کے بیان میں کہ جس نے اہل علم کے لیے تعلیم کے دن مقرر کر دیے

حدیث

عن ابی وائلٍ قال كان عبدالله يذكر الناس فی كل خميس فقال لهٗ رجل يا اباعبدالرحمن لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال أما انه يمنعنی من ذلك انی اكرهٗ ان اُمِلَّكم وانی اتخولكم بالموعظة كما كان النبی ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا۔

ترجمہ: ابو وائل ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ سنایا کرتے تھے ایک آدمی نے ان سے کہا کہ اے عبدالرحمن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ سنایا کریں انہوں نے فرمایا تو سن لو کہ مجھے اس امر سے کوئی چیز اگر مانع ہے تو یہ کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کہیں تم تنگ نہ ہو جاؤ اور میں وعظ میں تمہاری فرصت و فرحت کا وقت تلاش کیا کرتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خیال سے کہ ہم تنگ نہ ہو جائیں وعظ کے لیے ہمارے اوقاتِ فرصت کے متلاشی رہتے تھے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ یہ باب قائم کر کے یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اہل علم کے لیے تعلیم کے الگ الگ ایام مقرر کیے جاسکتے ہیں یہ جائز ہے تاکہ طبیعت میں نشاط رہے۔

باب من يرد الله به خيراً يفقهه فی الدين

باب جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین عطا کرتے ہیں

حدیث

قال حميد بن عبدالرحمن سمعت معاوية خطيبا يقول سمعت النبی ﷺ من يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين

وانما انا قاسم والله يعطي ولن تزال هٰذہ الامة قائمة على امر الله لايضرهم من خالفهم حتیٰ يأتي امر الله۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتے ہیں اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی جو شخص ان کی مخالفت کرے گا نہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ اس باب کولا کر یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ حصول دین اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے اگرچہ یہ آسان ہے لیکن جب توفیق نہ ہو تو اتنا ہی مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔

امام بخاری ؒ ساتھ یہ بات بتا رہے ہیں کہ حق کبھی بھی ختم نہیں ہوگا باطل جتنی بھی کوشش کرتا ہے حق ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

باب الفهم في العلم

باب علم میں فہم حاصل کرنے کی فضیلت

حدیث

عن مجاهد قال صحبت ابن عمر الى المدينة فلم اسمعهٗ يحدّث عن رسول الله ﷺ الا حديثا واحدا قال كنا عند النبي ﷺ فاُتي بجُمّار فقال ان من الشجر شجرة مثلها كمثل المسلم فاردت ان اقول هي النخلة فاذا انا اصغر القوم فسكتّ فقال النبي ﷺ هي النخلة۔

ترجمہ: حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمر ؓ کے ساتھ مدینے تک رہا میں نے (اس) ایک حدیث کے سوا ان سے رسول اللہ کی کوئی اور حدیث نہیں سنی وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ کے پاس کھجور کا ایک مغز لایا گیا (اسے دیکھ کر) آپ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے (عبد اللہ بن عمر ؓ) کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے ارادہ کیا کہ عرض کروں کہ وہ (درخت) کھجور کا ہے مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لیے خاموش رہا (پھر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ فہم بہت بڑی نعمت ہے یعنی بات کو سمجھنا یہ بہت بڑی نعمت ہے انسان جتنی اپنی عقل

استعمال کرتا ہے اتنی ہی فہم و فراست تیز ہوتی چلی جاتی ہے غور و فکر کرنے سے عقل میں جلاء پیدا ہوتا ہے۔

حدیث کی وضاحت

اس روایت میں عبد اللہ بن عمر ؓ نے نبی کریم ﷺ کے دست مبارک میں جُمار دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ وہ درخت کھجور ہے یہ ابن عمر ؓ کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔

باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ

باب علم حکمت میں رشک کرنا

وقال عمر رضی اللہ عنہ تفقھوا قبل ان تُسوّدوا، قال ابو عبداللہ وبعد ان تسودوا وقد تعلم اصحاب النبی ﷺ بعد کبر سنھم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرداری یعنی ذمہ داریوں سے پہلے علم حاصل کرو اس پر امام بخاری ؒ اضافہ فرما رہے ہیں کہ بعد ان تسودوا کہ سرداری کے بعد بھی علم حاصل کرتے رہو اور دلیل یہ دی کہ صحابہ کرام ؓ نے بڑی عمر کے بعد دین سیکھا۔

حدیث

عن عبداللہ بن مسعود قال قال النبی ﷺ لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاہُ اللہ مالاً فسلّطہٗ علیٰ ھلکتہ فی الحق ورجل اُتاہُ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلّمھا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسد (رشک) صرف دو باتوں میں جائز ہے ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر تُلا ہوا اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو وہ اس کے ذریعے سے فیصلے کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ اس باب سے علم و حکمت کی قیمت اور اہمیت کو بیان فرما رہے ہیں اور حدیث شریف میں جو لفظ حسد آیا ہے اس کا معنی بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے مراد اغتباط یعنی رشک ہے جس کا معنی ہے نعمت کی تمنا کرنا بغیر دوسرے سے زوال کے جبکہ حسد کا معنی زوال نعمت کی تمنا کرنا خواہ خود کو حاصل ہو یا نہ ہو۔

باب ما ذکر فی ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر وقولہ تبارك وتعالیٰ هل أتّبعك علیٰ ان تعلّمنی الآیة

باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف جانے کا ذکر اور باری تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کی حکایت فرماتے ہوئے یہ ارشاد کہ کیا میں آپ کے ساتھ چلوں اس شرط پر کہ آپ مجھے تعلیم دیں الی اخر الآیة

حدیث

عن ابن عباس انه تماریٰ هو والحر بن قیس بن حصن الفزاریؒ فی صاحب موسیٰ قال ابن عباس هو خَضِر فمر بهما ابی بن کعب فدعاه ابن عباس فقال انی تماریت انا وصاحبی هذا فی صاحب موسیٰ الذی سأل موسیٰ السبیل الی لُقیّه هل سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یذکر شانه قال نعم سمعت النبی ﷺ یقول بینما موسیٰ فی ملاء من بنی اسرائیل اذ جاءه رجل فقال هل تعلم احدا اعلم منك قال موسیٰ لا فاوحیٰ الله الی موسیٰ بلیٰ عبدنا خضر فسأل موسیٰ السبیل الیه فجعل الله له الحوت ایةً وقیل لهٗ اذا فقدتَّ الحوت فارجع فانك ستلقاهٗ فکان یتبع اثر الحوت فی البحر فقال لموسیٰ فتاهٗ ارأیت اذ اوینا الی الصخرة فانی نسیت الحوت وما انسانیهُ الا الشیطن ان اذکره قال ذلك ما کنا نبغ فارتدا علیٰ اثارهما قصصاً فوجدا خضرا فکان من شانهما ما قصّ الله تعالیٰ فی کتابه۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ان کا اور حر بن قیس الفزاری کا اس بات میں تنازع ہوا کہ وہ کون شخص تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام نے ملنے کی تمنا کی تھی ابن عباس ؓ نے کہا کہ وہ خضر تھے اتنی دیر میں ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب ؓ گزرے تو ان کو ابن عباس ؓ نے بلایا اور تنازعہ کا ذکر کیا اور پوچھا آپ نے نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں کچھ فرماتے سنا انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ (دنیا میں) کوئی آپ سے بھی بڑھ کر عالم ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہاں ہمارا بندہ خضر ہے (جس کا علم تم سے زیادہ ہے) تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ خضر علیہ السلام سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملاقات کی علامت قرار دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جب تم اس مچھلی کو گم کر دو تو (واپس) لوٹ جاؤ تب خضر علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہوگی تب موسیٰ علیہ السلام (چلے اور) دریا میں مچھلی کی علامت تلاش

کرتے رہے اس وقت ان کے ساتھی نے کہا جب ہم پتھر کے پاس تھے کیا آپ نے دیکھا تھا میں اس وقت مچھلی کو کہاں بھول گیا اور شیطان ہی نے مجھے اس کاذکر بھلا دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اسی مقام کی تو ہمیں تلاش تھی تب وہ اپنے نشانات قدم پر پچھلے (پاؤں) تلاش کرتے ہوئے لوٹے (وہاں) انہوں نے خضر علیہ السلام کو پایا پھر ان کا وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان کیا ہے۔

باب باندھنے کی دو وجوہات

ا۔ امام بخاری ؒ اس باب کو قائم کرنے کی پہلی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ سردار بننے کے بعد بھی علم حاصل کرو جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغمبری کے بعد بھی علم حاصل کرنے کے لیے سفر فرمایا تھا۔

۲۔ امام بخاری ؒ علم حاصل کرنے کے لیے سمندری سفر کے جواز کو ثابت کر رہے ہیں۔

اعتراض

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سمندر میں تو نہیں گئے بلکہ خشکی کا سفر اختیار کیا پھر ''فی البحر'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب

ا۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں الی بمعنی مع ہے یعنی فی البحر مع الخضر کہ آگے سمندری سفر کیا۔

۲۔ فی ساحل البحر الی الخضر یعنی سمندر کے ساحل پر گئے یعنی پیدل چل کر مجمع البحرین کی طرف گئے۔

۳۔ یہاں واو محذوف ہے عبارت یوں ہے فی البحر والی الخضر تو اشکال نہیں رہتا۔

خِضَر کو خِضَر کہنے کی وجہ

خِضَر سبزے کو کہتے ہیں یعنی جہاں بیٹھتے تھے وہیں کھیتی اُگ آتی تھی یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے ہیں یہ ذوالقرنین کے مشیر تھے ذوالقرنین کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دعا کروائی تھی کہ میں پوری دنیا کا سفر کروں اسی وجہ سے پوری دنیا کی بادشاہت آپ کو ملی موسیٰ علیہ السلام سے بھی ذوالقرنین کی ملاقات ہوئی ان کی حیات یا وفات پر بحث آگے چل کر آئے گی۔

باب قول النبی ﷺ اللھم علمہ الکتاب

باب رسول کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! اسے علم کتاب سکھاوے

حدیث

عن ابن عباس قال ضمنی رسول اللہ ﷺ وقال اللھم علمہ الکتاب۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھے (سینے سے) چپکالیا اور فرمایا کہ اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطا فرما۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے باندھا کہ شاگرد کو استاذ کی دعائیں بھی لینی چاہئیں خدمت سے دعا لی جاتی ہے جب استاذ دعا دے گا تو شاگرد کا کام بن جائے گا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو پیغمبر علیہ السلام نے دعا دی اور دعا ایسی لگی کہ اپنے وقت کے مفسر قرآن بن گئے دعا کرانا اور رہے اور دعائیں لینا اور رہے استاذ کا طاعت اور خدمت اور محنت کے ذریعے سے خوش رکھے۔

باب متی یصح سماع الصغیر

باب نابالغ کا حدیث سننا کب درست ہے

حدیث

عن عبد اللہ بن عباس قال اقبلت راکباً علی حمارٍ اتان وانا یومئذٍ قد ناھزت الاحتلام ورسول اللہ ﷺ یصلی بمنیٰ الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف وارسلت الاتان ترتع ودخلت فی الصف ولم ینکر ذلك علیّ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں (ایک مرتبہ) گدھی پر سوار ہو کر چلا اس زمانے میں میں بالغ ہونے کے قریب تھا رسول اللہ ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سامنے دیوار (کی آڑ) نہ تھی تو میں بعض صفوں کے سامنے سے گزرا اور گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی (مگر کسی نے مجھے اس بات پر نہیں ٹوکا)

عن محمود بن ربیع قال عقلت من النبی ﷺ مجۃً مجھا فی وجھی وانا ابن خمس سنین من دلوٍ۔

ترجمہ: محمود بن ربیع سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول سے منہ میں

پانی لے کر میرے چہرے پر کلی فرمائی اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ تحمل حدیث کے لیے کتنی عمر ہونی چاہیے بچے کا سماع کب معتبر ہوتا ہے تو ثابت کیا کہ بچہ اگر سن تمیز کو پہنچ چکا ہے تو وہ تحمل حدیث کر سکتا ہے پھر بالغ ہو کر بیان کرے گا۔

احادیث پر بحث

مسئلہ پہلی حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر گدھا نمازیوں کے آگے سے دوران نماز گزر جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی ورنہ پیغمبر علیہ السلام نے منع فرمایا۔

اور دوسری روایت میں جس صحابی کا ذکر ہے جس کے چہرے پر آپ نے کلی کا پانی پھینکا تھا پیغمبر علیہ السلام کی برکت تھی کہ اس صحابی ؓ کی ۹۰ سال کی عمر تک داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے اور نہ ہی سر میں دردہوا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کا سماع معتبر تھا جبکہ حدیث بڑے ہو کر بیان کی اور اس حدیث سے آپ علیہ السلام کا بچوں سے مزاح بھی ثابت ہوتا ہے۔

باب الخروج فی طلب العلم

ورحل جابر بن عبداللہ مسیرۃ شھر الی عبداللہ بن اُنیس فی حدیث واحد

باب حصول علم کے لیے سفر کرنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کے لیے حضرت عبداللہ ابن انیس کی طرف ایک ماہ کی مسافت کا سفر کیا۔

حدیث

عن ابن عباس انه تمارىٰ هو والحر بن قيس بن حصن الفزارى فى صاحب موسىٰ فمر بهما ابى بن كعب فدعاه ابن عباس فقال انى تماريت انا وصاحبى هذا فى صاحب موسىٰ الذى سأل السبيل الى لُقيّه هل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر شانه فقال ابى نعم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر شانه يقول بينما موسىٰ فى ملأ من بنى اسرائيل اذ جاءه رجل فقال هل تعلم احدا اعلم منك قال موسىٰ لا فاوحىٰ الله الى موسىٰ بلىٰ عبدنا خضر فسأل السبيل الى لقيّه فجعل الله له الحوت اٰية وقبل له اذا فقدت الحوت فارجع فانك ستلقاه فكان موسىٰ يتبع اثر الحوت فى البحر فقال فتى موسىٰ

لموسیٰ ارأیت اذ اوینا الی الصخرة فانی نسیت الحوت وما انسانیه الا الشیطان ان اذکرہ قال موسیٰ ذالك ما کنا نبغ فارتدا علیٰ آثارھما قصصا فوجدا خضرا فکان من شانھما ما قصّ اللہ فی کتابه۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور حربن قیس بن حصن الفزاری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں جھگڑے چنانچہ ان دونوں کے پاس سے ابی بن کعب گزرے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور کہا کہ میرے اور میرے ان ساتھی کے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے بارے میں جھگڑا ہوا جن کی ملاقات کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستہ پوچھا تھا کیا آپ نے رسول اکرم ﷺ سے ان کا حال بیان کرتے ہوئے کچھ سنا ہے؟ حضرت ابی نے فرمایا ہاں میں نے رسول اکرم ﷺ کو ان کا حال بیان فرماتے ہوئے سنا ہے فرماتے تھے اس اثناء میں کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کیا آپ کسی کو اپنے سے زیادہ عالم جانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر آپ سے زیادہ دانا ہے حضرت موسیٰ نے ان تک پہنچنے کا راستہ پوچھا پس اللہ نے ان کے لیے مچھلی کو نشان کر دیا اور ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ جب تم مچھلی کو گم پاؤ تو لوٹ پڑنا یقین رکھو کہ قریب ہی تمہاری ملاقات ہوجائے گی پس موسیٰ تھے کہ چل رہے تھے تاکہ پانی میں مچھلی کے نشان کو معلوم کریں پس حضرت موسیٰ سے ان کے نوجوان رفیق سفر نے کہا کیا آپ نے دیکھا جب ہم صخرہ کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا اور نہیں بھلایا مجھ کو مگر شیطان نے کہ میں اسے یاد رکھتا اور اس کا ذکر آپ سے کرتا موسیٰ نے فرمایا یہی تو وہ چیز تھی جس کے ہم متلاشی تھے چنانچہ دونوں اپنے نقشہائے قدم پر تلاش کرتے ہوئے واپس ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی پھر دونوں کا وہ معاملہ ہوا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

امام بخاری ؒ یہ باب قائم کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ طلب علم کے لیے ایک ماہ کی مسافت بھی طے کی جاسکتی ہے۔

پہلے باب اور اس باب میں فرق

پہلے باب میں طالب علم کے لیے سمندری سفر کے جواز کو ثابت کیا تھا اور اس باب میں طلب علم کے لیے مطلقاً سفر کے جواز کو ثابت کیا جا رہا ہے مذکورہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

باب فضل من علِم وعلّم

باب اس شخص کی فضیلت جس نے علم سیکھا اور سکھایا

حدیث

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال مثل ما بعثنی الله به من الهدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکان منها نقیّة قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکانت منها اجادب امسکت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منها طائفة أخریٰ انما هی قیعان لا تمسك ماء ولا تنبت کلاء فذالك مثل من فقه فی دین الله ونفعه بما بعثنی الله به فعلِم وعلّم ومثل من لم یرفع بذلك رأسا ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به قال ابو عبدالله قال اسحاق وکان منها طائفة قیّلت الماء قاع یعلوه الماء والصفصف المستویٰ من الارض۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس چیز کی مثال جو مجھے اللہ نے ہدایت اور علم سے نواز کر بھیجا ہے اس بروقت اور زیادہ بارش کی ہے جو زمین پر اتری پس اس زمین میں سے ایک صاف زمین تھی جس نے پانی کو قبول کیا اور خشک و تروسر سبز گھاسیں بہت اگائیں اور اسی میں سے دوسری زمین سخت تھی جس نے پانی روک لیا پس اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے وہ پانی پیا اور پلایا اور اپنی کھیتوں کو سیراب کیا اور وہ بارش ایک دوسری زمین پر اتری جو چٹیل میدان تھی جو نہ پانی کو روکتی ہے اور نہ گھاس اُگاتی ہے یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اسے ان چیزوں نے فائدہ دیا جنہیں دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے پس اس نے علم حاصل کیا اور پھر دوسروں کو سکھلایا اور مثال ہے اس شخص کی جس نے سر اٹھا کر توجہ بھی نہیں کی اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جسے لے کر میں آیا ہوں۔ ابوعبداللہ بخاری نے کہا کہ اسحاق نے وکان منها طائفة قیلت الماء کہا ہے قاع اس زمین کو کہتے ہیں جس پر پانی چڑھتا ہوا گزر جائے اور صفصف برابر اور ہموار زمین ہے۔

مقصد بخاری

امام بخاری یہ باب قائم کر کے تعلیم اور تعلم کی فضیلت کو بیان فرما رہے ہیں کہ علم سیکھو اور آگے بھی لوگوں کو علم سکھاؤ علم پھیلانے میں سب برابر ہیں لیکن عمل کے اعتبار سے دو جماعتیں ہیں پہلی وہ جماعت جو خود بھی عمل کرتی ہے اور اس کی خیر و برکات سے دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسری جماعت وہ ہے جو اہل علم ہے لیکن عمل میں سست ہے لوگ ان سے علمی استفادہ کرتے ہیں لیکن وہ عمل میں کمزور ہیں۔

دوسری مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ پہلی جماعت سے مراد ائمہ مجتہدین اور فقہاء علماء ہیں۔

پہلی جماعت کی مثال زرخیز زمین کی طرح ہے جو پانی کو جذب کرتی ہے اور پھر پانی کے ذریعے سے خوب پیداوار یعنی پھل اور پھول کا ذریعہ بنتی ہے اس سے مراد وہ عالم ہے جس سے نئی طرح کی خیر جاری ہوتی ہے مراد فقہاء ہیں کہ جنہوں نے قرآن و سنت میں غوطہ زنی کرکے ہزاروں لاکھوں مسائل کا استنباط کیا امت کو سب سے زیادہ نفع انہی حضرات سے ہوا ہے۔

دوسری جماعت کی مثال نشیبی زمین کی سی ہے کہ جس میں پانی جمع ہوجاتا ہے اگرچہ اس زمین میں کوئی عمدگی اور زرخیزی پیدا نہیں ہوتی مگر اس جمع شدہ پانی سے آدمی اور جانور سیراب ہوتے ہیں دوسروں کے لیے نافع ہے اس سے مراد محدثین، عام علماء اور حفاظ لوگ شامل ہیں۔

تیسری جماعت کی مثال ایک سنگلاخ زمین کی طرح ہے شوریدہ زمین یا چٹیل زمین وغیرہ جس میں کچھ بھی نہیں اُگتا اور مزید خرابی یہ ہے کہ نہ اس میں پانی ٹھہرتا اور نہ ہی لوگ نفع اٹھاتے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر کان ہی نہیں دھرا وہ سب سے بدتر جماعت ہے۔

واقعہ

امام ابو حنیفہ ؒ کے استاذ محدث اعظم امام شعبی سے کسی خاتون نے سوال پوچھا کہ حالت حیض میں طلاق ہوجاتی ہے تو انہوں نے فرمایا مجھے اس کے بارے میں کوئی حدیث معلوم نہیں تو وہاں امام ابو حنیفہ ؒ بھی موجود تھے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں جواب دوں استاذ نے کہا بہتر ہے تو کہا کہ طلاق ہوجاتی ہے امام شعبی ؒ نے پوچھا تم نے کہاں سے یہ بات لی تو عرض کیا آپ نے ہی یہ روایت بیان کی تھی کہ عبد اللہ بن عمر ؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو آپ علیہ السلام نے رجوع کا حکم دیا تھا تو اگر طلاق نہ ہوتی تو رجوع کا کیوں فرماتے اس پر امام شعبی ؒ نے وہ مشہور جملہ کہا کہ **انتم الاطباء ونحن العطارون** کہ تم لوگ طبیب ہو اور ہم تو دوا فروش ہیں۔

مثال وممثل لہ

حدیث شریف میں مثالیں تو تین بیان ہوئیں لیکن ممثل لہ دو بیان کیے گئے اس لیے کہ نفع کے اعتبار سے دونوں پہلی جماعتیں ایک ہیں اگرچہ ان میں فرق مراتب ہے لیکن امت کو دونوں سے نفع پہنچتا ہے اور دونوں جماعتیں فائز اور ناجح ہیں اور قابل مدح ہیں۔

صفصف

امام بخاری آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں **قاعاً صفصفا** کہ زمین ہموار چٹیل میدان کی طرح قیامت کے دن ہو

جائے گی۔

باب رفع العلم وظهور الجهل

وقال ربیعة لا ینبغی لاحد عنده شیء من العلم ان یضیع نفسه

باب علم کا اٹھایا جانا اور جہالت کا لوگوں میں ظاہر ہو جانا ربیعۃ الرائے کا ارشاد ہے کسی ایسے شخص کے لیے جس کے پاس علم کا کچھ بھی حصہ ہے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کر دے۔

حدیث

حدثنا عمران بن میسرة قال حدثنا عبد الوارث عن ابی التیاح عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم ویثبت الجهل وتشرب الخمر ویظهر الزنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بے شک قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ لوگوں میں سے علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت جمادی جائے گی، شرابیں پی جائیں گی اور زنا پھیل جائے گا۔

حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة عن انس قال لاحدثکم حدیثا لا یحدثکم احد بعدی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من اشراط الساعة ان یقلّ العلم ویظهر الجهل ویظهر الزنا وتکثر النسآء ویقل الرجال حتیٰ یکون لخمسین امرأة القیّم الواحد۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جو میرے بعد تمہیں کوئی نہیں سنائے گا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے، جہالت زور پکڑ جائے اور زنا کا غلبہ ہو جائے، عورتیں زیادہ ہو جائیں اور مرد کم ہو جائیں حتیٰ کہ پچاس پچاس عورتوں کے لیے ایک ہی نگراں ہو جائے۔

ربیعۃ الرائے

یہ امام مالک کے استاذ ہیں تابعی اور بڑے محدث ہیں اور ان کے والد کا نام ابو عبد الرحمن فروخ ہے جو بنو امیہ کے زمانے میں خراسان جہاد کے لیے چلے گئے تھے اس وقت ربیعہ ماں کے پیٹ میں تھے ان کے والد جاتے ہوئے تیس ہزار دینار چھوڑ گئے تھے 27 سال کے بعد واپس آئے اور اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو آگے سے گھر سے ربیعہ نکلے وہ والد کو نہ پہنچانتے تھے انہوں نے کہا آپ میرے گھر میں کیوں داخل ہو رہے ہیں انہوں نے کہا یہ میرا گھر ہے جب جھگڑا بڑھا تو لوگ جمع ہو گئے تو اندر سے ان کی والدہ نے دیکھا تو بولی ربیعہ یہ تیرے والد ہیں تو دونوں لپٹ کر رو دئے ربیعہ مسجد نبوی میں چلے گئے اور فروخ اپنی اہلیہ سے

حال احوال کرنے لگے اور اس دوران تیس ہزار دینار کا تذکرہ ہوا اہلیہ نے کہا آپ مسجد میں نماز پڑھ لیں ظہر کی نماز کا وقت تھا فروخ جب مسجد گئے اور نماز سے فارغ ہوئے تو ربیعہ کا حلقہ لگ گیا اور درس حدیث شروع ہو گیا فروخ اپنے بیٹے کی شان دیکھ کر حیران رہ گئے اور گھر آ کر اہلیہ سے اس کا ذکر کیا تو اہلیہ نے کہا وہ تیس ہزار دینار میں نے اس پر خرچ کر دیے تو فروخ نے کہا تم نے مال ضائع نہیں کیا بلکہ قیمتی بنا دیا۔ ۱۳۰ھ میں وفات ہوئی۔

یرفع العلم اس روایت میں رفع علم کا بیان ہے اور دوسری روایت میں قلت علم کا بیان ہے تو ابتداء میں علم کم ہو جائے گا اور پھر بالکل مرتفع ہو جائے گا اور آخر میں قرآن مجید کے الفاظ بھی اٹھا لیے جائیں گے۔

تکثر النساء وتقل الرجال تکوینی طور پر بھی عورتیں زیادہ پیدا ہوں گی اور جنگ و جدال کی وجہ سے مرد مارے جائیں گے اور عورتیں رہ جائیں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگہبان ایک مرد ہو گا اس کے ذمہ پچاس عورتیں ہوں گی جن کی وہ دیکھ بھال کرے گا بیویاں مراد نہیں ہیں۔

باب فضل العلم

باب زائد علم کا بیان

حدیث

حدثنا سعید بن عُفیر قال حدثنی اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شهاب عن حمزة بن عبدالله بن عمر ان ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول بینما انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتیٰ انی لاریٰ الریّ یخرج من اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اوّلته یا رسول الله قال العلم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا چنانچہ میں نے پیا حتیٰ کہ تراوٹ کو میں نے اپنے ناخنوں سے نکلتے ہوئے دیکھا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر لی آپ نے فرمایا علم۔

ترجمۃ الباب پر بحث

امام بخاری نے اس عنوان سے شروع کتاب العلم میں بھی باب باندھا ہے لیکن اس کا معنی فضلیت ہے اور یہاں فضل سے زائد علم مراد ہے مقصد یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد علم سیکھنا بھی اجر اور نفع سے خالی نہیں اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے مثلاً

ایک شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں وہ زکوٰۃ کے مسائل سیکھتا ہے تو یہ زائد علم دوسروں کے کام آئے گا ضرورت مند ہوں گے۔

حدیث کی وضاحت

اس حدیث شریف سے حضرت عمرؓ کی خاص علمی شان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو علوم نبوت کا خاص ضمیمہ دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں بہت سے شرعی مسائل پر اتفاق رائے ہوا مثلاً تین طلاق کا مسئلہ، تراویح باجماعت کا مسئلہ وغیرہ لیکن اس سے حضرت عمرؓ کی حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ جزوی فضیلت کلی فضیلت پر غالب نہیں آسکتی۔

باب الفتیا وھو واقف علی ظھر الدابة اوغیرھا

باب ایسے حال میں فتویٰ دینے کے بیان میں کہ مفتی سواری پر بیٹھا ہو یا غیر سواری پر

حدیث

حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالك عن ابن شهاب عن عیسیٰ بن طلحة بن عبید الله عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وقف فی حجة الوداع بمنیٰ للناس یسألونه فجاءه رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج فجاء آخر فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج قال فما سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن شیء قدم ولا اخّر الا قال افعل ولا حرج۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ منیٰ میں لوگوں کے لیے حجۃ الوداع میں کھڑے ہوئے اس حال میں کہ لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا میں نے ذبح سے پہلے حلق کرا لیا آپ نے فرمایا ذبح کر دو کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا اور اس نے کہا مجھے معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے ذبح کر دیا، آپ نے فرمایا رمی کر لو اور کوئی حرج نہیں ہے غرض آپ سے تقدیم و تاخیر کے بارے میں جو کچھ بھی پوچھا گیا آپ نے یہی فرمایا کہ ادا کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تحصیل علم سکون و وقار کا مقتضی ہے لیکن بوقت ضرورت سواری یا چلنے کی حالت میں بھی مسئلہ بتلایا جاسکتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان افعال کی تقدیم و تاخیر پر حج میں جنایت ہے یا نہیں تو فقہاء نے اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہے اس حدیث میں جو رعایت دی گئی وہ اس لیے کہ یہ آپ علیہ السلام کا پہلا اور آخری حج تھا

لوگوں کو علم نہیں تھا تو آپ علیہ السلام نے جنایت ساقط فرمادی۔

باب من اجاب الفتیا باشارۃ الید والرأس

باب جس شخص نے فتویٰ کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دیا

حدیث

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا وھیب قال حدثنا ایوب عن عکرمۃ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل فی حجتہ فقال ذبحت قبل ان ارمی فاومأ بیدہ قال ولا حرج وقال حلقت قبل ان اذبح فاومأ بیدہ ولا حرج۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا ہے آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی گناہ نہیں ہے اور پوچھا گیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی گناہ نہیں ہے۔

حدثنا المکیّ بن ابراھیم قال اخبرنا حنظلۃ عن سالم قال سمعت ابا ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقبض العلم ویظھر الجھل والفتن ویکثر الھرج قیل یا رسول اللہ وما الھرج؟ فقال ھکذا بیدہ فحرّفھا کانہ یرید القتل۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ علم اٹھالیا جائے گا جہالت اور فتنہ زور پکڑ جائیں گے اور ہرج زیادہ ہو جائے گا آپ سے پوچھا گیا کہ ہرج کیا چیز ہے؟ آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور ہاتھ کو ترچھا کیا جیسا کہ آپ قتل کا ارادہ فرمارہے ہوں۔

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا وھیب قال حدثنا ھشام عن فاطمۃ عن اسماء قالت اتیت عائشۃ وھی تصلی فقلت ما شأن الناس فاشارت الی السماء فاذا الناس قیام فقالت سبحان اللہ قلت اٰیۃ فاشارت برأسھا ای نعم فقمت حتیٰ علانی الغشی فجعلت اصب علی رأسی المآء فحمد اللہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واثنیٰ علیہ ثم قال ما من شیء لم اکن اریتہ الا رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار فاوحی الیّ انکم تفتنون فی قبورکم مثل او قریبا لا ادری ایّ ذالك قالت اسماء من فتنۃ المسیح الدجال یقال ما علمك بھذا الرجل فاما المؤمن او الموقن لا ادری ایھما قالت اسماء

فیقول هو محمد هو رسول الله جاء نا بالبینات والهدیٰ فاجبناه واتبعناه هو محمد ثلاثا فیقال نم صالحا قد علمنا ان کنت لموقنا به واما المنافق او المرتاب لا ادری ایّ ذالك قالت اسماء فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلته۔

ترجمہ: حضرت اسماء سے روایت ہے کہ میں عائشہ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں میں نے کہا لوگوں کا حال کیا ہے؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا چانک لوگ کھڑے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا سبحان اللہ میں نے کہا لذا اب کی نشانی ہے تو حضرت عائشہ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں بس میں کھڑی ہوئی حتیٰ کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی تو میں اپنے سر پر پانی بہانے لگی، پھر نبی کریم ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو میں نے پہلے نہیں دیکھی مگر اس مقام میں دیکھ لی حتیٰ کہ دوزخ اور جنت بھی۔ مجھ پر وحی اتاری گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں مسیح دجال کے فتنے کے مماثل یا قریب فتنے کے ذریعے آزمائے جاؤ گے (راوی کہتا ہے کہ مجھے مثل اور قریب کے اندر اندیشہ ہے کہ حضرت اسماء نے کیا لفظ کہا تھا) کہا جائے گا کہ اس انسان کے متعلق تمہیں کیا علم ہے بہر حال مومن یا موقن (معلوم نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا لفظ کہا تھا) کہے گا کہ میں یہ محمد تین بار یہ کہے گا پس اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم آرام کے ساتھ سو جاؤ ہم جانتے ہیں کہ تمہیں پہلے سے ہی اس کا یقین تھا رہا منافق یا مرتاب (راوی کہتا ہے کہ معلوم نہیں اسماء نے کیا لفظ بولا تھا) وہ یہ کہے گا مجھے معلوم نہیں میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تھا تو میں نے بھی کہہ دیا تھا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ علم سکھلانے میں بہت وضاحت اور افہام کا انداز ہونا چاہیے لیکن اگر ایسا اشارہ ہو جس سے بات واضح ہو جائے جس کا اشارہ مفہمہ کہتے ہیں تو یہ بھی درست ہے کما فی احادیث الباب

باب تحریض النبی صلی الله علیه وسلم وفد عبد القیس علیٰ ان یحفظوا الایمان والعلم ویخبروا من ورائهم وقال مالك بن الحویرث قال لنا النبی صلی الله علیه وسلم ارجعوا الیٰ اهلیکم فعلّموهم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفد عبد القیس کو اس بات پر ابھارنا کہ وہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں اور اس سے ان لوگوں کو باخبر کریں جو ان کے پیچھے ہیں مالک بن الحویرث نے کہا رسول اکرم ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھر والوں کی

طرف واپس جاؤ اور انہیں تعلیم دو

حدیث

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال ثنا شعبة عن ابی جمرة قال کنت اترجم بین ابن عباس وبین الناس فقال ان عبدالقیس اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من الوفد اومن القوم قالوا ربیعة قال مرحبا بالقوم او بالوفد غیر خزایا ولا ندامیٰ قالوا انا نأتیك من شقّة بعیدة وبیننا وبینك ھذا الحیّ من کفار مضر ولا نستطیع ان ناتیك الا فی شھر الحرام فمرنا بامر نخبر بہ من ورائنا ندخل بہ الجنة فامرھم باربع ونھاھم عن اربع امرھم بالایمان باللہ وحدہ قال ھل تدرون ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شھادة ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصوم رمضان وتعطوا الخمس من المغنم ونھاھم عن الدبّاء والحنتم والمزفت قال شعبة وربما قال النقیر وربما قال المقیّر قال احفظوا واخبروہ من ورائکم۔

ترجمہ: ابوجمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حاضرین کے درمیان ترجمان تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وفد عبدالقیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کس قوم کے وفد ہیں یا کس قوم سے آئے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا ربیعہ سے آپ نے قوم یا وفد کو مرحبا کہا کہ نہ رسوا ہوئے اور نہ ندامت ہی کی کوئی بات ہے ان لوگوں نے کہا کہ ہم بہت دور دراز کی مسافت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ ہے کفار مضر کا اور ہم شہر حرام کے علاوہ کسی اور مہینے میں آپ کے پاس نہیں آسکتے اس لیے آپ ہم کو کسی ایسی چیز کا حکم فرما دیجیے جسے ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو بتلادیں اور اس پر عمل کرنے سے داخل جنت ہوجائیں چنانچہ آپ نے انہیں چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے نہی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نمازوں کا قائم رکھنا زکوٰۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور انہیں آپ نے تونبی سے روغنی ٹھلیا سے اور اس برتن سے جس پر روغن زفت ملا گیا ہو منع فرمایا۔ شعبہ کا بیان ہے کہ کبھی کبھی ان کے ساتھ آپ نے نقیر (کھجور کی لکڑی کا برتن) کا بھی ذکر کیا اور کبھی مزفت کی جگہ مقیر کہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے یاد رکھو اور ان لوگوں کو خبر کرو جو تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ استاذ کو چاہیے کہ طلباء کو علم کی تحصیل پر ابھارے اور ترغیب دے کما فی الحدیث **احفظوهن واخبروهن من ورائکم**۔ اور اسے آگے پھیلانے کی تلقین کرے۔

باب الرحلة في المسئلة النازلة

جب کوئی مسئلہ درپیش ہو اس کے لیے سفر کرنا

حدیث

عن عقبة بن الحارث انه تزوج ابنة لابی اهاب بن عزیز فاتته امرأة فقالت انی قد ارضعت عقبة والتی تزوج بها فقال لها عقبة ما اعلم انك ارضعتنی ولا اخبرتنی فركب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمدینة فساله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم كیف وقد قیل ففارقها عقبة ونكحت زوجاً غیره۔

ترجمہ: عقبہ نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح کیا تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے اس کا نکاح ہوا ہے اس کو دودھ پلایا ہے یہ سن کر عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے تب سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کس طرح تم اس لڑکی سے تعلق رکھو گے حالانکہ اس کے متعلق یہ کہا گیا تب عقبہ نے اس لڑکی کو چھوڑ دیا اور اس نے دوسرا خاوند کرلیا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری ؒ اس باب میں کسی ایک خاص مسئلے کے لیے سفر کا جواز ثابت کر رہے ہیں پہلے سمندری سفر کا جواز تھا پھر مطلق سفر کا ذکر تھا اب خاص سفر کا ذکر کر رہے ہیں صحابی نے مکہ سے مدینہ سفر کیا پیغمبر علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے ایک مسئلے کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: کیا رضاعت میں ایک عورت کی شہادت معتبر ہے؟

اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر مرضعہ شہادت دے تو صرف اس کی تنہا شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تنہا مرضعہ کی شہادت معتبر ہوگی جیسا کہ اس روایت میں ذکر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں کم از کم رضاعت کے معاملے میں چار عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رضاعت کے اثبات کے لیے دو عورتوں کی شہادت معتبر ہوگی کسی مرد کا ہونا ضروری نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نصابِ شہادت مکمل ہو یعنی دو مرد ہوں یا دو عورتیں اور ایک مرد ہو تب رضاعت ثابت ہوگی۔

جمہور آئمہ کی طرف سے جواب

اس حدیث کو تورع اور تقویٰ پر محمول کیا جائے گا شبہات سے بچنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہ نازک معاملہ تھا نسب اور عزت کا معاملہ تھا اس وجہ سے پورا نصاب شہادت نہ دیکھا گیا۔

باب التناؤب فی العلم

باری باری علم حاصل کرنا

حدیث

عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال كنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیة بن زید وهی من عوالی المدینة و کنا نتناؤب النزول علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئته بخبر ذلك الیوم من الوحی وغیره واذا نزل فعل مثل ذلك فنزل صاحبی الانصاری یوم نوبته فضرب بابی ضربا شدیدا فقال اثم هو ففزعت فخرجت الیه فقال قد حدث امر عظیم فدخلت علیٰ حفصة فاذا هی تبکی فقلت اطلقكنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قالت لا ادری ثم دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم فقلت وانا قائم اطلقت نسائك فقال لا فقلت الله اکبر۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں عوالیٔ مدینہ کے ایک گاؤں بنی امیہ بن یزید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ایک دن وہ آتا ایک دن میں آتا جس دن میں آتا تو اس دن کی وحی کی اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی) دیگر باتوں کی اس کو اطلاع دیتا تھا اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تو ایک دن وہ میرا انصاری رفیق اپنی باری کے روز حاضر خدمت ہوا جب واپس آیا تو میرا دروازہ بہت زور سے کھٹکھٹایا اور (میرے بارے میں) پوچھا کہ کیا وہ یہاں ہے؟ میں گھبرا کر اس کے پاس آیا (حضرت عمرؓ نے سمجھا ہرقل نے حملہ کر دیا کیونکہ یہ خبر کئی دن سے آرہی تھی) وہ کہنے لگا کہ ایک بڑا معاملہ پیش آگیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی) پھر میں حفصہ کے پاس گیا وہ رو رہی تھی میں نے پوچھا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی

ہے؟ وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے کھڑے کھڑے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تب میں نے (تعجب سے) کہا اللہ اکبر!

حدیث کی وضاحت

کاروباری اور کھیتی باڑی کرنے والے صحابا ایسے کرتے تھے کہ محلے میں سے ایک آدمی کو بھیج دیتا اور وہ ایک دوسرے کو علم کی بات بتادیتے اس سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ انسان اس سے غافل نہ ہو اس لیے باری باری علم حاصل کرنے کے عمل کو جاری رکھیں تاکہ کوئی بات مخفی نہ ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ کے نزدیک خبر واحد حجت تھی ورنہ بتانے کا فائدہ نہ ہوتا۔

باب الغضب فی الموعظة والتعلیم اذا رأی ما یکرہ

نصیحت اور تعلیم کے وقت غصہ کرنا جب کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے

حدیث

عن ابی مسعود الانصاری قال قال رجل یا رسول اللہ لا اکاد ادرك الصلوٰة مما یطول بنا فلان فما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظة اشد غضبا من یومئذ فقال ایھا الناس انکم منفّرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیھم المریض والضعیف وذا الحاجة۔

ترجمہ: ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص لمبی نماز پڑھتا ہے اس لیے میں (جماعت کی) نماز میں شریک نہیں ہوسکتا ابو مسعود کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو دوران نصیحت میں غضبناک نہیں دیکھا آپ نے فرمایا اے لوگو! تم ایسی شدت اختیار کرکے لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو سن لو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ مختصر پڑھائے کیونکہ ان میں بیمار کمزور اور ضرورت مند سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

عن زید بن خالد الجھنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سالہ رجل عن اللقطة فقال اعرف وکاءھا اوقال وعاءھا وعفاصھا ثم عرفھا سنة ثم استمتع بھا فان جاء ربھا فادھا الیہ قال فضآلّة الابل فغضب حتیٰ احمرت وجنتاہ او قال احمر وجھہ فقال مالك ولھا معھا سقاءھا وحذاءھا ترد المآء وترعیٰ الشجر فذرھا حتیٰ یلقاھا ربھا قال فضالّة الغنم قال لك او لاخیك او للذئب۔

ترجمہ: زید بن خالد الجھنی ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا آپ

نے فرمایا اس کی بندش پہچان لے یا فرمایا کہ اس کا برتن اور تھیلی پہچان لے پھر فرمایا ایک سال تک اس کی شناخت کا اعلان کراؤ پھر اس کا مالک نہ ملے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر اس کا مالک آجائے تو اسے سونپ دے اس نے پوچھا کہ اچھا گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ کو غصہ آگیا کہ رخسار مبارک سرخ ہوگئے یا راوی نے کہا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا آپ نے فرمایا تجھے اونٹ سے کیا واسطہ؟ اس کے ساتھ اس کی مشک ہے اور اس کے پاؤں کے سُم ہیں وہ خود پانی پر پہنچے گا اور درخت سے چرے گا لہذا اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا مالک مل جائے اس نے کہا کہ اچھا گم شدہ بکری کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی ورنہ بھیڑیئے کی غذا ہے۔

عن ابی موسیٰ قال سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن اشیآء کرهها فلما اکثر علیه غضب ثم قال للناس سلونی عما شئتم فقال رجل من ابی قال ابوك حذافة فقام آخر فقال من ابی یا رسول الله قال ابوك سالم مولیٰ شیبة فلما رأی عمر ما فی وجهه قال یا رسول الله انا نتوب الی الله عزوجل۔

ترجمہ: ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ ایسی باتیں دریافت کی گئیں جو آپ کو ناگوار ہوئیں اور جب (اس قسم کے سوالات کی) آپ پر بہت زیادتی کی گئی تو آپ کو غصہ آگیا اور پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا مجھ سے جو چاہے پوچھو تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرے کا حال دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم (ان باتوں کے دریافت کرنے سے جو آپ کو ناگوار ہوں) اللہ سے توبہ کرتے ہیں۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو لے کر آئے کہ قاضی اور حاکم غصہ نہیں کرسکتا لیکن وعظ و تعلیم میں اگر مضمون غصہ والا ہے تو غصہ کرنا جائز ہے یہ خلاف حلم اور شان واعظ کے خلاف نہیں ہے اس لیے موعظ اور تعلیم کی شرط امام بخاری ؒ نے باب میں لگا دی اس حدیث میں آدمی سے مراد یا معاذ بن جبل یا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما ہیں۔

تشریح

لقطہ: یعنی گری ہوئی چیز وکاء: (تھیلی یا رسی)

مسئلہ

اگر کوئی گمشدہ چیز ملے تو ایک سال تک اعلان کیا جائے اگر بہت زیادہ قیمتی ہے تو کئی سال تک اعلان کیا جائے لیکن کم سے کم

مدت ایک سال ہے اگر چیز بہت سستی ہے تو اٹھانے والے ادھر ادھر دیکھ لے اور ادھر ادھر دیکھ کر اعلان کر دے۔

قیمتی گمشدہ چیز ملنے کا کیا حکم ہے؟

اختلاف آئمہ

امام شافعی، امام مالک، امام احمد کے ہاں چیز اٹھانے والا غنی ہو یا فقیر ہو اگر مالک نہ ملے تو خود فائدہ اٹھالے۔

احناف کے نزدیک اگر چیز اٹھانے والا فقیر ہے اور مالک نہ ملے تو خود فائدہ اٹھالے اگر غنی ہے تو اس کی طرف سے ثواب کی نیت سے صدقہ کر دے۔

شوافع کی دلیل روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہے جس میں پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ کرام کو خود ہی نفع اٹھانے کا حکم دیا ہے۔

احناف کی طرف سے جواب

یہ اس زمانے کی بات ہے جب صحابہ ؓ بہت غریب تھے صحابہ ؓ کی بعد کی حالت پر قیاس نہ کیا جائے۔

لقطہ: یہاں پر بڑی چیز اونٹ مراد ہے لیکن اب عرف عام تبدیل ہو گیا ہے کہ ہر بڑی چیز پر لقطہ کا اطلاق ہو گا۔

آخری حدیث میں کثرت سوال سے منع کیا گیا ہے کیونکہ کثرت سوال سے نئے نئے حکم آجاتے ہیں اور یہ ادب کے خلاف بھی ہے۔

باب من برك علی رکبتیه عند الامام او المحدث

امام یا محدث کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھنا

حدیث

عن الزهری قال اخبرنی انس بن مالك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج فقام عبدالله بن حذافة فقال من ابی قال ابوك حذافة ثم اکثر ان یقول سلونی فبرك عمر علی رکبتیه فقال رضینا بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا ثلثا فسکت۔

ترجمہ: زہری سے مروی ہے کہ انہیں انس بن مالک ؓ نے بتایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نکلے تو عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ پھر آپ نے بار بار فرمایا کہ مجھ سے پوچھو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوزانو ہو کر عرض کیا کہ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں اور یہ جملہ

تین مرتبہ دہرایا پھر یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

مقصد بخاریؒ

اس حدیث میں طالب علم کو ادب بتایا گیا ہے کہ جب بڑا بات کر رہا ہو تو با ادب دو زانو بیٹھ کر اس کی بات کو سنا جائے ایک صحابیؓ کے بارے میں لوگ یہ بات مشہور کر رہے تھے کہ اس کا والد حذافہ نہیں ہے پیغمبر علیہ السلام نے اس کے والد کا نام حذافہ بتلایا تو سب کی تسلی ہوگئی اور آپ کو غصہ میں دیکھ کر حضرت عمرؓ دو زانو بیٹھ گئے

باب من اعاد الحدیث ثلثا لیفهم

بات کو سمجھانے کے لیے تین مرتبہ بھی سمجھایا جا سکتا ہے

فقال النبی صلی الله علیه وسلم الا وقول الزور فما زال یکرّرها ۔ وقال ابن عمر قال النبی صلی الله علیه وسلم هل بلغت ثلثا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (آگاہ ہو جھوٹ بولنا) اور اس کو بار بار دہراتے رہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ فرمایا کیا میں نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا؟

حدیث

عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان اذا تکلم بکلمة اعادها ثلثا حتیٰ تفهم عنه واذا اتی علی قوم فسلّم علیهم سلّم علیهم ثلثا۔

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین بار لوٹاتے حتیٰ کہ خوب سمجھ لیا جاتا اور جب کچھ لوگوں کے پاس آپ تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

عن عبدالله بن عمرو قال تخلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر سافرناه فادرکنا وقد ارهقنا الصلوٰة صلوٰة العصر ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادیٰ باعلیٰ صوته ویل للاعقاب من النار مرتین اوثلثا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے پھر آپ ہمارے قریب پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت آ

گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے تو ہم اپنے پیروں پر پانی کا ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ آگ کے عذاب سے ان ایڑیوں کی خرابی ہے یہ دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

جو مضمون مشکل ہو یا اہم بات ہو تو اس کو بار بار دہرایا جا سکتا ہے تا کہ سمجھنے والوں کے لیے مشکل نہ ہو اسی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام بات کا تین بار اعادہ کر دیتے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام ہر بات تین تین بار نہیں دہراتے تھے بلکہ جو اہم اور مشکل بات ہوتی اس کو دہراتے تھے۔

سوال: تین مرتبہ سلام کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب نمبر ۱: پہلا سلام استیذان ہوتا تھا یعنی اجازت طلب کرنے کا تھا دوسرا سلام ملاقات کا ہوتا تھا اور تیسرا سلام وداع کا ہوتا تھا۔

جواب نمبر ۲: لوگوں کا مجمع کثیر ہوتا تھا اس لیے پیغمبر علیہ السلام تین مرتبہ سلام کرتے تھے تا کہ سب تک سلام کی آواز پہنچ جائے۔

حدیث کی تشریح

دوسری حدیث میں بھی پیغمبر علیہ السلام نے وضو میں ایڑیوں کے خشک رہ جانے پر تین مرتبہ بلند آواز سے تنبیہ فرمائی تا کہ آواز سب تک پہنچ جائے۔

باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ

آدمی کا اپنی لونڈی اور گھر والوں کو تعلیم دینا

حدیث

حدثنی ابوبردۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ لھم اجران رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ وآمن بمحمد والعبد المملوک اذا ادی حق اللہ وحق موالیہ ورجل کانت عندہ امۃ یطأھا فادّبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا فتزوجھا فلہ اجران ثم قال عامر اعطینا کھا بغیر شئی قد کان یرکب فیما دونھا الی المدینۃ۔

ترجمہ: ابوبردہ نے اپنے باپ کے واسطے سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے لیے دو

اجر ہیں ایک وہ جو اہل کتاب ہو اور اپنے نبی اور محمد ﷺ پر ایمان لائے اور دوسرے وہ مملوک غلام جو اپنے آقا اور اللہ دونوں کا حق ادا کرے اور تیسرے وہ آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جس سے شب باشی کرتا ہے اور اسے تربیت دے تو اچھی تربیت دے تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ پھر عامر نے کہا کہ ہم نے یہ حدیث تمہیں کسی عوض کے بغیر دی ہے ورنہ اس سے کم حدیث کے لیے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ علم سے غلاموں لونڈیوں اور نوکروں چاکروں کو محروم نہیں کرنا چاہیے ان کے لیے مناسب تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے حدیث شریف میں تو لونڈی کا بیان ہے اس پر قیاس کر کے امام بخاریؒ نے لفظ اہل بڑھا دیا کہ جب لونڈی کے لیے علم کی تاکید ہے تو اہل خانہ کے لیے تو بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

حدیث کی شرح

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ تین آدمیوں کو دوگنا اجر ملے گا ایک وہ جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لائے یعنی اپنے نبی پر ایمان لانے کا اجر الگ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا اجر الگ ملے گا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرتا ہے تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو علم و ادب سکھاتا ہے پھر اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیتا ہے۔

اعتراض

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان ختم ہو گیا جب سابقہ ایمان نہ رہا تو دوگنا اجر کیسے ملے گا؟

جواب نمبر ۱: بعض مدینہ کے یہودی ایسے تھے جن تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی اس وجہ سے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے مکلف ہی نہیں تھے۔ یہاں پر جن یہودیوں کا تذکرہ ہوا مدینہ کے یہودی اس قوم میں سے نہیں تھے بلکہ یہ عرب کے یہودی تھے اس لیے جب یہ کافر نہیں تھے تو ایمان کے مکلف بھی نہیں تھے۔

جواب نمبر ۲: عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اور ان کی شریعت پر عمل کرنا الگ الگ چیزیں ہیں اور وہ وہی کریں گے جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے لہٰذا یہ لوگ بھی مکلف نہ تھے۔

جواب نمبر ۳: پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کا پچھلا ایمان بھی معتبر ہو گیا۔

ایمان معتبر ہونے کی دلیل یہ آیت ہے فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات (الفرقان:۷۰) کہ ہم ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دیتے ہیں اس سے پہلا ایمان بھی معتبر ہو جاتا ہے۔

اعتراض

ان کو دو گنا اجر کیوں ملتا ہے؟

جواب نمبر ۱: اس لیے کہ تینوں نے دو کام کیے تو ہر کام کے اعتبار سے دوھرا اجر ملتا ہے۔ چنانچہ (۱) مؤمن اھل کتاب انہوں نے دو کام کیے ہیں پہلے نبی پر بھی ایمان لائے اور بعد میں آپ ﷺ پر بھی ایمان لائے۔ مملوک کو اس لیے دگنا اجر ملتا ہے کہ وہ اللہ کو بھی خوش کرتا ہے اور اپنے مالک کو بھی خوش کرتا ہے (۳) ایک لونڈی کو تعلیم حسن ادب سکھایا دوسرا آزاد کر کے نکاح کیا

جواب نمبر ۲: اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے کام ایسے ہیں کہ جن میں مجاہدہ زیادہ ہے پہلے پیغمبر پر ایمان کے بعد دوسرے پیغمبر پر ایمان لانا بہت مشکل ہے نفس کو جتنا مجاہدہ ہوتا ہے اتنا ہی اللہ اجر بڑھا دیتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ کو بھی راضی رکھنا اور اپنے آقا کی بھی خدمت کرنا بڑا مجاہدہ ہے۔ اسی طرح لونڈی جو پہلے نوکر تھی جس کی چند کوڑی قیمت تھی اب نکاح کر کے اس کو سر پر بٹھا لینا یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ دو گنا اجر صرف ان تین کاموں میں محصور نہیں ہے بلکہ گیارہ بارہ کام ایسے ہیں کہ جن پر دوگنے اجر کا وعدہ ہے جیسے ازواج مطہرات کی ہر نیکی پر دوگنا اجر اسی طریقے پر فرمایا جو مسجد کے بائیں حصے کو آباد کرے گا اس کو دوگنا اجر، قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اس کو دوگنا اجر رشتہ دار پر صدقہ کرتا ہے اس کو دوگنا اجر صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی اسی طرح اور بھی بہت سے کام ہیں جن پر دوگنے اجر کا وعدہ ہے یہاں صرف تین کو بیان کیا ہے۔

باب عظة الامام النسآء وتعلیمھن

امام کا عورتوں کو وعظ کرنا اور ان کو تعلیم دینا

حدیث

عن ایوب قال سمعت عطاء بن ابی رباح قال سمعت ابن عباس قال اشھد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم او قال عطاء اشھد علی ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ومعہ بلال فظن انہ لم یسمع النسآء فوعظھن وامرھن بالصدقۃ فجعلت المرأۃ تلقی القرط والخاتم وبلال یأخذ فی طرف ثوبہ وقال اسمٰعیل عن ایوب عن عطاء قال ابن عباس اشھد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں یا عطاء نے کہا کہ میں ابن عباس کو گواہ بناتا ہوں کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ عید کے موقع پر لوگوں کی صفوں میں نکلے اور آپ کے ساتھ بلال تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ عورتوں کو خطبہ اچھی طرح نہیں سنائی دیا تو آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور صدقے کا حکم دیا تو یہ وعظ سن کر کوئی عورت بالی اور کوئی انگوٹھی ڈالنے لگی اور بلال اپنے کپڑے کے دامن میں یہ چیزیں لینے لگے۔

مقصد بخاریؒ

اس باب کا امام بخاری ؒ نے اس لیے قائم کیا کہ عورتوں کو بھی وعظ و نصیحت کی جائے تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں پیغمبر علیہ السلام نے مردوں کو صدقہ کرنے کا علیحدہ حکم دیا اور عورتوں کو صدقہ کرنے کا علیحدہ حکم دیا ہے امام بخاری ؒ نے وعظ پر تعلیم کو قیاس کیا ہے کہ وعظ اور تعلیم کا علیحدہ انتظام کرنا چاہیے یہ بنات کے مدارس کی بڑی دلیل ہے۔

قرط: بمعنی کان کی بالیاں۔

باب الحرص علی الحدیث

حدیث پر حرص کرنا

حدیث

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قیل یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك یوم القیمۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد ظننت یا ابا ہریرۃ ان لا یسألنی عن ہذا الحدیث احد اوّل منك لما رأیت من حرصك علی الحدیث اسعد الناس بشفاعتی یوم القیمۃ من قال لا الہ الا اللہ خالصا من قلبہ او نفسہ۔

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کس کو حصہ ملے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ مجھے خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص دیکھ لی تھی قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہو گا جو سچے دل سے یا سچے جی سے لا الہ الا اللہ کہے گا۔

مقصد بخاری ؒ

امام بخاری ؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ علوم میں خاص علم حدیث کی بڑی فضلیت ہے کیو نکہ حدیث مبار کہ میں خالص علم حدیث کو بیان کیا گیا ہے کہ علم حدیث پر حرص کرنا بہت مبار ک کام ہے اس کے او پر حریص ہو نا مطلوب ہے یہ ہی تمام علوم کی بنیاد ہے تمام علوم کے سارے سلسلے حدیث مبار کہ سے نکلتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہے آپ ﷺ نے حضرت ابو ہر یرہ ؓ کی علم حدیث پر حریص ہونے کی تعریف فرمائی۔

لقد ظننت اور من اسعد الناس کی وضاحت

لقد ظننت اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس بات کا سوال سب سے پہلے تمہیں کرنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہ کر سکے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجھے گمان تھا کہ تم ہی سوال سب سے پہلے اس بارے میں کرو گے کیو نکہ تم حدیث پر بہت حریص ہو۔ اس میں آپ علیہ السلام نے ابو ہریرہ ؓ کی توصیف و تحسین فرمائی جبکہ پہلی صورت میں لطیف تنبیہ ہے۔

من اسعد الناس کون سب سے زیادہ سعادت مند ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وجہ سے سوال پوچھا تا کہ تمام مومنین کو فائدہ ہو جائے نیک مومن ہو یا مومن ہو نیک بھی رسول اللہ ﷺ کی سفارش کے محتاج ہوں گے اور بد بھی رسول اللہ کی سفارش کے محتاج ہوں گے رسول اللہ کی پہلے سفارش گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہو گی اور پھر نیکوں کے لیے ہو گی۔

باب کیف یقبض العلم

علم کیسے قبض ہو تا ہے؟

و کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأکتبه فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتیٰ یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتیٰ یکون سرا

عمر بن عبد العزیز ؒ نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی جتنی حدیثیں بھی ہوں ان پر نظر کرو اور انہیں لکھ لو کیو نکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی حدیث قبول نہ کرو اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور ایک جگہ جم کر بیٹھیں تا کہ جاہل بھی جان لے اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہو تا ہے۔

سند قول عمر بن عبد العزیز ؒ

عن عبداللہ بن دینار بذالك يعني حديث عمر بن عبد العزیز الی قولہ ذھاب العلماء

حدیث

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد ولكن یقبض العلم بقبض العلمآء حتیٰ اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ قال الفربری حدثنا ابن عباس قال ثنا قتیبة قال حدثنا جریر عن ھشام نحوہ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر جواب دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

مقصد بخاری ؒ

امام بخاری ؒ علم کے قبض ہونے کی صورت بیان کر رہے ہیں کہ جب علماء دنیا سے چلے جائیں اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ رک جائے تو علم مفقود ہو جاتا ہے باقی قرآن مجید کا سینوں سے بھلا دیا جانا اور اوراق سے مٹ جانا قرب قیامت میں ہو گا جیسے اس قول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ علم پڑھنے پڑھانے سے بڑھتا ہے جب علم راز بن جائے اور علماء دنیا سے چلے جائیں پیچھے کوئی پڑھنے پڑھانے والا نہ ہو تو علم ختم ہو جائے گا۔

تدوین حدیث

حدیث کے مدون اول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے علم حدیث کی تدوین کی بنیاد رکھی اور ابو بکر بن حزم کو حکم نامہ جاری کیا اسی طرح ابن شہاب زہری اور مکحول شامی کو بھی فرمان جاری کیا ان کے علاوہ اور بھی کئی نام آتے ہیں انہوں نے دو سال میں یہ کام کر کے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔

تدوین حدیث میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا یہ فرمان اصل ہے جس کی وجہ سے یہ عظیم الشان کام ہوا چنانچہ اس فرمان کے

بعد مدینہ شریف میں قاضی ابو بکر بن حزم اور ابن شہاب زہری نے احادیث جمع کیں اور شام میں مکحول شامی اور کوفہ میں امام شعبی نے یہ کام کیا۔ مدون اول بقول بعض کے ابن شہاب زہری ہیں اور بعض نے مکحول شامی کو کہا ہے بہر حال یہ سب حضرات ایک ہی زمانے کے ہم عصر ہیں۔ لیکن افسوس کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ؒ اپنے فرمان کے ثمرات دیکھنے سے قبل ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے۔

سب سے پہلے باقاعدہ کتابی شکل میں حدیث مبارکہ پر امام اعظم ابو حنیفہ ؒ نے کتاب الآثار اور امام مالک ؒ نے مؤطا امام مالک لکھی یہ دوسری صدی کے نصف کے بعد لکھی گئیں۔

قرآن کی تدوین حضرت صدیق اکبر ؓ کے دور میں اور ایک قرأت پر جمع حضرت عثمان غنی ؓ کے دور میں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ستانوے سال بعد کتابی شکل میں حدیث کو جمع کیا گیا۔

فقہ کی تدوین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دور میں ہوئی پہلے قرآن پھر حدیث اور بعد میں فقہ کی تدوین ہوئی دو ہجری سے یہ کام شروع ہوا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بچے ہیں امام ابو حنیفہ ہی ہیں جنہوں نے تدوین فقہ پر سب کو اکٹھا کیا امام محمد ؒ نے پھر فقہ پر کئی کتابیں لکھ ڈالیں۔

قال الفربری حدثنا ابن عباس قال ثنا قتيبة قال حدثنا جرير عن هشام نحوه.
یوسف فربری کبھی الگ سند بھی لاتے ہیں۔

باب هل يجعل للنسآء يوم على حدة فى العلم

کیا عورتوں کو علم سکھانے کے لیے ایک دن مقرر کیا جا سکتا ہے؟

حديث

عن ابى سعيد الخدرى قال قال النسآء للنبى صلى الله عليه وسلم غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وامرهن فكان فيما قال لهن ما منكن امراة تقدم ثلثة من ولدها الا كان لها حجابا من النار فقالت امراة واثنين فقال واثنين.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مرد ہم سے بڑھ گئے اس لیے آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر فرما دیں تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کر لیا اس دن عورتوں سے آپ ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں مناسب احکام دیے جو کچھ آپ نے ان سے فرمایا اس میں یہ بھی تھا کہ جو کوئی عورت تم

میں سے اپنے تین لڑکے آگے بھیج دے گی تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آڑ بن جائیں گے اس پر ایک عورت نے کہا گر دو لڑکے بھیج دے تو آپ نے فرمایا ہاں اور دو کا بھی یہ ہی حکم ہے۔

عن ابی سعید عن النبی صلی الله علیه وسلم بهذا وعن عبدالرحمن بن الاصبهانی قال سمعت ابا حازم عن ابی هریرة رضی الله عنه قال ثلثة لم یبلغوا الحنث۔

ترجمہ: ابو سعید رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اور عبد الرحمن بن اصبھانی سے روایت ہے کہ میں نے ابو حازم سے سنا وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ایسے تین لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہ پہنچے ہوں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب سے مقصد یہ ہے کہ عورتوں کے لیے الگ سے وعظ کی مجلس قائم کرنا سنت نبوی ہے جیسا کہ ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں نے پیغمبر علیہ السلام سے کہا کہ مردوں نے آپ پر قبضہ کرلیا ہے ہمارے لیے بھی ایک دن وعظ و نصیحت کا مقرر کیا جائے تو آپ علیہ السلام نے ان کی درخواست پر الگ دن مقرر فرمادیا۔

باب من سمع شیئا فلم یفهمه فراجعه حتیٰ یعرفه

جو کچھ علم کی بات سنے پھر سمجھ نہ آئے تو دوبارہ پوچھ لے یہاں تک کہ اسے جان لے

حدیث

حدثنی ابن ابی ملیکة ان عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم کانت لا تسمع شیئا لا تعرفه الا راجعت فیه حتی تعرفه وان النبی صلی الله علیه وسلم قال من حوسب عُذّب قالت عائشة فقلت اولیس یقول الله عزوجل فسوف یحاسب حسابا یسیرا قالت فقال انما ذالك العرض ولکن من نوقش الحساب یهلك۔

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کوئی ایسی بات سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ اس کو معلوم کرتیں تاکہ سمجھ لیں چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ عن قریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صرف اللہ کے دربار میں پیشی ہے لیکن جس کے حساب میں جانچ کی گئی سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ استاذ سے سوال پوچھنے کے لیے مراجعت کرلینا یہ بالکل درست ہے اور استاذ کو بھی دوبارہ بتادینا چاہیے نہ یہ تکرار ہے اور نہ عبث ہے عورتوں کے فہم میں کمزوری ہوتی ہے اس لیے عورتوں کے ذکر کے بعد یہ باب دکھلایا۔ یسیرا سے مراد اعمال کا پیش کرنا ہے اور مناقشہ سے مراد یہ عمل کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ بندے کے اعمال پر سرسری نظر کر کے اس کو بخش دیا جائے تاکہ اس کو جنت میں جانے کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب قاله ابن عباس عن النبی ﷺ

حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک علم پہنچادے اسے ابن عباس ؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے

حدیث

عن ابی شریح انه قال لعمرو بن سعید وهو یبعث البعوث الی مکة ایذن لی ایها الامیر احدثك قولا قام به رسول الله صلی الله علیه وسلم الغد من یوم الفتح سمعته اذنای ووعاه قلبی وابصرته عینای حین تکلم به حمد الله واثنی علیه قال ان مکة حرمها الله ولم یحرمها الناس فلا یحل لامرئ یومن بالله والیوم الاخر ان یسفك بها دما ولا یعضد بها شجرة فان احد ترخص لقتال رسول الله فیها فقولوا ان الله قد اذن لرسوله ولم یاذن لکم وانما اذن لی فیها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها الیوم کحرمتها بالامس ولیبلغ الشاهد الغائب۔ فقیل لابی شریح ما قال عمرو قال انا اعلم منك یا ابا شریح ان الحرم لا تعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة۔

ترجمہ: ابوشریح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید والئ مدینہ سے جب وہ مکہ عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے لشکر بھیج رہے تھے کہا کہ اے امیر مجھے اجازت ہو تو میں وہ بات آپ سے بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز ارشاد فرمائی تھی اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں آپ نے اول اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے آدمیوں نے حرام نہیں کیا تو سن لو کہ کسی شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں خونریزی کرے یا اس کا کوئی درخت کاٹے پھر اگر کوئی اللہ کے رسول کے لڑنے کی وجہ سے اس کا جواز چاہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اجازت دی تھی تمہارے لیے نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ لمحوں کے لیے اجازت ملی آج اس کی حرمت لوٹ آئی جیسی

کل تھی اور حاضر غائب کو یہ بات پہنچادے یہ حدیث سننے کے بعد راوی حدیث ابو شریح سے پوچھا گیا کہ آپ کی بات سن کر عمرو نے کیا جواب دیا تھا انہوں نے کہا کہ ابو شریح میں تم سے زیادہ جانتا ہوں حرم مکہ کسی خطاکار کو یا خون کر کے اور فتنہ پھیلا کر بھاگ آنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

عن ابی بکرۃ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فان دمآء کم واموالکم قال محمد احسبه قال واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا الا لیبلغ الشاهد منکم الغائب وکان محمد یقول صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذالك الا هل بلغت مرتین۔

ترجمہ: ابو بکرہ نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ نے یوں فرمایا ہے تمہارے خون اور تمہارے مال محمد (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میرے خیال میں آپ نے اعراضکم کا لفظ بھی فرمایا یعنی اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں ہے سن لو یہ خبر حاضر غائب کو پہنچادے اور محمد (راوی حدیث) کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا پھر دوبارہ فرمایا کہ کیا میں نے اللہ کا یہ حکم تمہیں نہیں پہنچادیا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ فرمارہے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ علم صرف پڑھ کر نہ رکھے بلکہ آگے پہنچانے کی بھی فکر کرے۔ صحابہ اگر دین ہماری طرف نہ پہنچاتے تو دین ہم تک نہ پہنچتا انسان کو چاہیے کہ نشر علم کی بھی پوری کوشش کرے۔

ابو شریح یہ صحابی ہیں عمرو بن سعید یہ یزید کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا یہ مکہ پر حملے کے لیے فوجیں بھیجا کرتا تھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا الزام ٹھہرایا اور حرم میں انہیں شہید کیا چند کفار نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر لے جا کر شہید کیا کافر ہونے کے باوجود یہ لوگ بھی حرم کا کرام کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے باوجود حرم کا احترام نہ کیا مسلمان بگڑتا ہے تو بہت دور تک نکل جاتا ہے میرے شیخ فرماتے ہیں کافر کا بگڑنا جلی ہوئی روٹی کی مانند ہے اور مسلمان کا بگڑنا ایسا ہے جیسے قورمے اور بریانی کا بگڑنا جس کی بو بھی برداشت نہیں ہوتی۔

باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کا گناہ

حدیث علی رضی اللہ عنہ

ربعی بن حراش یقول سمعت علیا یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علیّ فانه من

کذب علیّ فلیلج النار۔

ربعی بن خراش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر جھوٹ مت بولو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں داخل ہو۔

حدیث زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

عن عامر بن عبد الله بن زبیر عن ابیه قال قلت للزبیر انی لا اسمعك تحدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم کما یحدث فلان وفلان قال اما انی لم افارقه ولکن سمعته یقول من کذب علی فلیتبوأ مقعده من النار۔

ترجمہ: عامر بن عبد اللہ بن زبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زبیر ؓ اپنے والد سے عرض کیا کہ میں نے کبھی آپ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث نہیں سنیں جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کرتے ہیں زبیر ؓ نے جواب دیا کہ سن لو میں رسول اللہ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوا لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (اسی لیے میں حدیث رسول بیان نہیں کرتا)

حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

عن عبد العزیز قال انس انه لیمنعنی ان احدّثکم حدیثا کثیرا ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من تعمد علیّ کذبا فلیتبوأ مقعده من النار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے بہت سی حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

حدیث سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ

عن سلمة هو ابن الاکوع قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول من یقل علیّ ما لم اقل فلیتبوأ مقعده من النار۔

ترجمہ: سلمہ بن اکوع ؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری نسبت وہ بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال تسموا باسمی ولا تكتنوا بكنيتی ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشيطان لا يتمثل فی صورتی ومن كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنی اولاد کا میرے نام پر نام رکھو مگر میری کنیت اختیار نہ کرو اور جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا تو بلاشبہ اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا اور جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا تلاش کرے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ کی وضاحت

امام بخاری حدیث علی رضی اللہ عنہ کو حکم بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ مقعدہ من النار وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

تشریح

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

مختلف مذاہب

کرامیہ کا مذہب: دین کی حمایت میں اور دین کی ترویج میں دین کی عزت بڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے من گھڑت حدیث نقل کی جاسکتی ہے بعض صوفیاء کا بھی یہی مذہب ہے۔

جمہور آئمہ کا مذہب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو بھی شخص جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے گا جمہور نے کرامیہ پر بھی رد کردیا اور بعض صوفیاء پر بھی رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ رسول اللہ پر منع ہے رسول اللہ کے لیے منع نہیں یعنی علی النبی منع ہے للنبی منع نہیں ہے جمہور کہتے ہیں کہ اگر ایسا اعتقاد رکھا جائے جیسا کہ یہ حضرات کہتے ہیں تو پورے دین سے اعتماد اُٹھ جائے گا اسی کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں پانچ حدیثیں لائے ہیں مقصد ایک ہی مضمون کو بیان کرنا ہے۔

حدیث زبیر رضی اللہ عنہ کی وضاحت

امام بخاری اُس حدیث زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کی احتیاط بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ صحابہ روایت بیان کرنے میں کتنی احتیاط کرتے تھے اسی وجہ سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی روایت کو احتیاط فی روایۃ الحدیث پر محمول کیا ہے۔

حدیث انس ؓ کی وضاحت

امام بخاری ؒ تیسری حدیث حضرت انس بن مالک ؓ کی لائے ہیں یہ بیان کرنے کے لیے کہ ایسا نہیں ہے کہ صحابہ بالکل ہی روایت بیان نہ کرتے ہوں بلکہ کثرت نہیں کرتے تھے یعنی اکثار فی الحدیث نہیں کرتے تھے۔

سوال :حضرت انس ؓ تو مکثرین صحابہ میں سے ہیں ایک ہزار سے زائد جو روایت کرے وہ مکثرین ہے جبکہ آپ سے بائیس سو سے زائد روایتیں آتی ہیں پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ زیادہ بیان نہیں کرتے تھے؟

جواب :ان کے پاس جو روایتیں تھیں ان کے حساب سے یہ تھوڑی تھیں ان کی اپنی نظر میں قلیل تھیں اگرچہ میری اور آپ کی نظر میں کثیر ہیں حضرت انس ؓ علم کا سمندر تھے بائیس سو روایتیں ان کے نزدیک تھوڑی ہیں۔

حدیث سلمہ بن اکوع ؓ کی وضاحت

چوتھی حدیث سلمہ بن اکوع ؓ کی لائے ہیں اختلاف الفاظ کو بیان کرنے کے لیے کہ عام الفاظ اور ہیں اور یہ الفاظ اور ہیں لیکن مضمون ایک ہی ہے۔

حدیث ابوہریرہ ؓ کی وضاحت

پانچویں حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی لائے ہیں یہ بیان کرنے کے لیے کہ جس طرح حالت بیداری میں رسول اللہ پر جھوٹ کی نسبت حرام ہے ایسے ہی حالت منام میں بھی یعنی جھوٹے خواب کی نسبت رسول اللہ کی طرف حرام ہے یہ بھی موجب جہنم ہے ثابت ہوا کہ جس طرح حالت بیداری میں نسبت نہیں کرسکتے ایسے ہی حالت منام میں بھی نسبت نہیں کرسکتے۔

اس حدیث میں رسول اللہ نے فرمایا کہ میری کنیت ابوالقاسم پر اپنی کنیت نہ رکھو کیونکہ عربوں میں زیادہ تر کنیت سے پکارا جاتا تھا ہاں میرے نام پر بچوں کے نام رکھ لو اور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی اس نے میری ہی زیارت کی جس نے جھوٹا خواب میری طرف منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

پہلی بحث

من رانی فی المنام فقد رانی جو شخص خواب میں رسول اللہ کو دیکھے تو کیا وہ رسول اللہ کو ہی دیکھے گا؟

ابن سیرینؒ کا نظریہ

علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ کو ان ہی شمائل پر دیکھے جو سیرت میں موجود ہیں تب تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ورنہ نہیں پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھنا حسن خاتمہ کی بشارت ہے۔

جمہور کا مذہب

رسول اللہ ﷺ کو جس حالت میں بھی دیکھے گا وہ رسول اللہ ہی ہوں گے اگرچہ شمائل کے خلاف ہو تب بھی رسول اللہ کو ہی دیکھے گا کمی کوتاہی رائی (دیکھنے والے) کی اپنی ہوگی کیونکہ رسول اللہ آئینے کے طرح ہیں جب انسان آئینہ دیکھتا ہے تو اسے اپنی کمی نظر آجاتی ہے لہذا رسول اللہ ﷺ کو جس حالت میں بھی دیکھے وہ رسول اللہ ﷺ کو ہی دیکھے گا۔

حضرت نانوتویؒ کے شاگرد کا خواب

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے پینٹ شرٹ پہنی ہوئی ہے اور سر پر ہیٹ رکھی ہوئی ہے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا حضرت نے جواب میں لکھا کہ عنقریب ہندوستان میں عیسائیت کا دین غالب آجائے گا بعد میں آنے والے حالات کی طرف اشارہ کردیا انگریز اس وقت نیا نیا ہندوستان میں آیا تھا اور پھر قابض ہوگیا۔

دوسری بحث

شیطان پیغمبر علیہ السلام کی شکل کیوں نہیں اختیار کرسکتا؟

جواب: شیطان کیونکہ مظہر ضلالت ہے اور پیغمبر علیہ السلام مظہر ہدایت ہیں اس وجہ سے شیطان پیغمبر علیہ السلام کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

تیسری بحث

کیا پیغمبر علیہ السلام کی آواز بھی محفوظ ہے یا نہیں؟

جواب: پیغمبر علیہ السلام کی آواز محفوظ نہیں ہے لہذا آپ علیہ السلام نے خواب میں کچھ فرمایا ہوگا تو شریعت کے موافق عمل کیا جائے گا جب غافل آدمی کی حدیث معتبر نہیں تو نائم آدمی کی روایت کیسے معتبر ہوسکتی ہے بلکہ اس کی بات کو شریعت پر پیش کریں گے۔

خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے مرید کا خواب

ان کے مرید نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ شراب پیا کرو انہوں نے خواجہ باقی باللہ کو خط لکھا تو انہوں نے جواب لکھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ شراب نہ پیا کرو شیطان نے بات تم تک پہنچنے تک اس میں تصرف کر دیا لہذا اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کی شکل محفوظ ہے گفتگو محفوظ نہیں ہے۔

چوتھی بحث

کیا شیطان اللہ تعالی کی شکل اختیار کر سکتا ہے؟

جواب: شیطان ایسا کر لیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالی میں شان اضلال بھی ہے اور شان ہدایت بھی ہے شیطان شان اضلال کو ظاہر کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں رب ہوں اس طرح شیطان اللہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ آپ کو شیطان نظر آیا اس نے دعوی کیا کہ میں رب ہوں اور بہت زیادہ نورانیت ظاہر کی کہا کہ اے عبد القادر تیرا رب تجھ سے راضی ہے اب تجھے نماز روزہ ذکر اذکار کی ضرورت نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ میں دل میں سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے جو اللہ کی صورت ظاہر کر کے آیا ہے میں نے تعوذ پڑھا تو ایک دم سے غائب ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا شیطان کا مکر ختم ہو گیا۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ جس طرح حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنا حرام ہے اسی طرح حالت نوم میں بھی حرام ہے۔

باب كتابة العلم

علم کا لکھنا

حدیث

عن ابی جحیفة قال قلت لعلی رضی الله عنه هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله اوفهم اعطيه رجل مسلم او ما فی هذه الصحيفة قال قلت وما فی هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم بكافر.

ترجمہ: ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ کے پاس کوئی اور بھی کتاب

ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں مگر اللہ کی کتاب ہے یا فہم ہے جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے میں نے پوچھا اس صحیفے میں کیا ہے ؟ انہوں نے فرمایا دیت اور اسیروں کی رہائی کا بیان اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔

عن ابی هريرة ان خزاعة قتلوا رجلا من بنی ليث عام فتح مكة بقتيل منهم قتلوه فاخبر بذالك النبی صلی الله عليه وسلم فركب راحلته فخطب فقال ان الله حبس عن مكة القتل او الفيل قال محمد واجعلوه على الشك كذا قال ابو نعيم القتل او القتيل وغيره يقول الفيل وسلط عليهم رسول الله والمومنون الا وانها لم تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی الا وانها حلت لی ساعة من نهار الا وانها ساعتی هذه حرام لا يختلی شوكها ولا يعضد شجرها ولا تلتقط ساقطتها الا لمنشد فمن قتل فهو بخير النظرين اما ان يعقل واما ان يقاد اهل القتيل فجاء رجل من اهل اليمن فقال اكتب لی يا رسول الله فقال اكتبوا لابی فلان فقال رجل من قريش الا الاذخر يا رسول الله فانا نجعله فی بيوتنا وقبورنا فقال النبی صلی الله عليه وسلم الا الاذخر الا الاذخر......الخ

ترجمہ :حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعۃ کے کسی شخص نے بنولیث کے کسی آدمی کا اپنے مقتول کے عوض مار دیا تھا یہ فتح مکہ والے سال کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ نے مکہ سے قتل یا فیل کو روک لیا امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو شک کے ساتھ سمجھو ایسا ہی ابو نعیم وغیرہ نے القتل او الفیل کہا ان کے علاوہ دوسرے لوگ الفیل کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور سمجھ لو کہ وہ مکہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوا مجھ سے پہلے اور نہ آیندہ کبھی ہو گا اور میرے لیے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصے کے لیے حلال کر دیا گیا تھا سن لو کہ وہ اس وقت حرام ہے نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے نہ اس کے درخت کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیز بھی وہی اٹھائے جس کا منشا یہ ہو کہ وہ اس شئی کا تعارف کروا دے گا اگر آئندہ کوئی شخص مارا جائے تو عزیزوں کو اختیار ہے دو باتوں کا یا دیت لے یا قصاص اتنے میں ایک یمنی آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ یہ مسائل میرے لیے لکھوا دو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ابو فلاں کے لیے لکھ دو تو ایک قریشی شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ اذخر گھاس کے سوا کیونکہ اسے ہم گھروں میں لگاتے ہیں اور اپنی قبروں میں ڈالتے ہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں مگر اذخر مگر اذخر۔

حدثنا علی بن عبدالله قال ثنا سفيان قال ثنا عمرو قال اخبرنی وهب بن منبه عن اخيه قال سمعت اباهريرة يقول ما من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم احد اكثر حديثا عنه منی الا ما كان

من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب۔ تابعہ معمر عن ھمام عن ابی ھریرۃ۔

ترجمہ: وھب بن منبہ نے اپنے بھائی کے واسطے سے خبر دی کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں عبداللہ بن عمرو ؓ کے علاوہ مجھ سے زیادہ کوئی حدیث جاننے والا نہیں وہ لکھ لیا کرتے تھے میں لکھتا نہیں تھا۔ دوسری سند سے معمر نے وہب بن منبہ کی متابعت کی وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

عن ابن عباس قال لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین کتابہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں شدت ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سامان کتابت لاؤ تاکہ تمہارے لیے ایک نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمیں (ہدایت کے لیے) کافی ہے اس پر لوگوں کی رائے مختلف ہوگئی اور بول چال زیادہ ہونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو (اس وقت) میرے پاس جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ بے شک مصیبت بڑی سخت مصیبت ہے (وہ چیز جو) ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کی (مطلوبہ) تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

ترجمۃ الباب سے مقصد بخاریؒ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب حدیث کی کتابت کے جواز بلکہ استحباب پر باندھا ہے حدیث کا لکھنا بلکہ لکھ کر محفوظ کرنا مستحب ہے یہی جمہور علماء کا مذہب ہے کتابت کی اہمیت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے لگا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا الذی علم بالقلم (العلق:۴) اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قلم سے کوئی بھی چیز محفوظ کی جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا؛ والقلم وما یسطرون (القلم:۱) قسم ہے قلم کی اور دوات کی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تیسرے مقام پر خود اپنے بارے میں کہا کہ قال علمھا عند ربی فی کتاب لا یضلّ ربی ولا ینسی (طٰہٰ:۵۲) اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کا علم ایک کتاب میں ہے نہ وہ زائل ہوتا ہے اور نہ وہ بھولتا ہے اور ہر چیز کو اللہ نے کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے۔

ممانعت کی دلیل

بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے جیسے ابو سعید خدری ؓ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو جس نے قرآن کے علاوہ لکھا وہ مٹادے اس سے کتابت حدیث کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

جواب

جمہور فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابتدائی حال پر محمول کیا جائے گا اس وقت خدشہ تھا کہ قرآن میں حدیث خلط ملط نہ ہو جائے کیونکہ اسلوب قرآن سے صحابہ ؓ ابھی تک پوری طرح واقف نہیں ہوئے تھے جب خدشہ نہ رہا تو پھر لکھنے کی اجازت دے دی۔

جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسخے میں ایسے ہے حفظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطیٰ (البقرۃ:۲۸۳) صلوٰۃ العصر صلوٰۃ الوسطیٰ کو صلوٰۃ العصر لکھوایا تا کہ بعد میں آنے والے سمجھیں کہ وہ حصہ قرآن کا ہے ان کے نسخے میں موجود ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے اصل میں یہ آیت کی تفسیر ہے ابن شنبوذ کہتے ہیں کہ یہ شاذ قرأت ہے ایک جگہ پر دونوں کو لکھنے کی ممانعت تھی۔

جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا کتب لکم کتاباً اس سے معلوم ہوتا ہے پیغمبر علیہ السلام نے خود بھی لکھوانے کی تمنا ظاہر کی اس سے احادیث مبارکہ کے لکھنے کا جواز بلکہ استحباب ظاہر ہوتا ہے۔

ابو جحیفہ ؓ یہ چھوٹے صحابی ہیں انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا تھا۔

اعتراض

سوال کیوں کیا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟

جواب نمبر ۱: اس کی وجہ یہ تھی کہ رافضیوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی الگ کتاب ہے۔

جواب نمبر ۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وافر علم تھا جو اس بات کا شبہ پیدا کرتا تھا کہ آپ کے پاس کوئی الگ علم ہے حالانکہ آپ کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی سوائے کتاب اللہ کے البتہ ایک صحیفہ تھا جس میں احادیث تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فہم کی دولت سے نوازا تھا اس لیے آپ علیہ السلام نے ان کو علم کا دروازہ قرار دیا۔

سوال: صحیفے میں کیا تھا؟ دیت کے احکامات تھے، قیدیوں کے احکامات تھے یعنی قیدیوں کو چھڑانے کے احکامات تھے یا اس بات کے احکامات تھے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔

اس صحیفے کلام صحیفہ علی ہے یہ اب مسند امام احمد کا ایک حصہ بنا ہوا ہے لہٰذا ثابت ہوا اگر کتابت جائز نہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں لکھتے۔

مسئلہ

مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

مسلمان کو ذمی اور معاہد کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل کیا جائے گا حربی کے بدلے میں نہیں اس حدیث میں حربی کافر مراد ہے لہٰذا مسلمان پر نہ دیت ہوگی نہ قصاص ہوگا۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب

ان کے نزدیک کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا کافر عام ہے چاہے ذمی ہو چاہے حربی ہو چاہے معاہد ہو کسی کے مقابلے پر بھی قصاص نہ ہوگا دلیل بخاری کی حدیث ہے۔

امام صاحب کی دلیل

دار قطنی کی روایت ہے آپ ﷺ نے ایک مسلمان کو جس نے ذمی کافر کو قتل کیا تھا قصاصاً قتل کروایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

حدیث شریف کا جواب

اس حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی کی روایت ہے **لایقتل مسلم بکافر ولا ذو عهد فی عهده** ذو عہد یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف مسلم پر ہے ذو عہد الگ ہو گیا تو مطلب یہ ہے کہ ذو عہد کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی کافر ہے اگر ذی عہد مجرور ہوتا تو ہم اس بات کو تسلیم کر لیتے یعنی مسلمان کو بھی اور ذمی کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے تو کافر حربی مراد ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی مسلمان نے زمانہ جاہلیت میں کسی کو قتل کیا تھا بعد میں یہ مسلمان ہو گیا اور اس کا قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا بعد میں مقتول کے ورثا اس قاتل سے بدلہ نہیں لے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے جھگڑے پیغمبر علیہ السلام کے قدموں میں ختم کر دیے تو اس حدیث میں وہ واقعہ مراد ہے۔

حدیث ابو ہریرہ ؓ کی تشریح

قبیلہ بنو خزاعہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ تھا بنو لیث مکہ والوں کے ساتھ تھا تو اس سے کتابت حدیث ثابت ہوتی ہے اور راس حدیث میں اسی واقعے کو بیان کیا گیا ہے جب کافروں کے دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے تھے تو اس حدیث میں آپ علیہ السلام نے اكتبو الابی فلان کا حکم فرمایا کہ لکھ دو۔

بحث

حضرت ابو ہریرہ ؓ خود اقرار فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ احادیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے پاس تھیں جبکہ سب سے زیادہ روایات ابو ہریرہ ؓ کی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ مرکز اسلام مدینہ شریف میں تھے جو مرجع خلائق تھا اس لیے ان سے زیادہ روایات لی گئیں جبکہ عبد اللہ بن عمرو مصر میں تھے وہ اس وقت علم کا مرجع نہیں تھا۔

دوسرا عبد اللہ بن عمرو کو مصر میں اہل کتاب کا ایک کتب خانہ مل گیا تھا جس سے وہ روایت کرتے تھے تو ان سے زیادہ احادیث لینے سے احتیاط کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن عاص کے صحیفے کا نام صحیفہ صادقہ تھا۔

واقعہ قرطاس

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کو لا کر کتابت حدیث کا استحسان اور استحباب ثابت کر رہے ہیں قرطاس کاغذ کو کہتے ہیں یہ واقعہ جمعرات کو پیش آیا پیغمبر علیہ السلام کی طبیعت کافی خراب تھی حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ تینوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے رسول اللہ ﷺ نے کاغذ قلم منگوانے کے لیے فرمایا کہ کچھ لکھ دوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے آپ علیہ السلام پر تکلیف کا غلبہ ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شفیق استاذ ہو اور اس کی طبیعت خراب ہو تو بعض سمجھدار طلبہ یہ ہی کہیں گے کہ آپ آرام فرمائیں جو کچھ آپ سے پڑھا ہے وہ کافی ہے اور اصل حقیقت بھی یہی ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شفقت اور محبت کی بنا پر فرمایا کہ کتاب اللہ ہمیں کافی ہے۔

اگر لکھوانا تا ضروری ہوتا تو پیغمبر علیہ السلام اس سے کبھی نہ رکتے اور ضرور لکھواتے ہو سکتا ہے پیغمبر علیہ السلام پر وحی آگئی ہو یا آپ کی رائے بدل گئی ہو لہٰذا اس واقعے کو موافقات عمر میں سے شمار کیا ہے۔

دوسرا پیغمبر علیہ السلام کا پیر والے دن انتقال ہوا اور یہ واقعہ جمعرات کا ہے اتنے دن درمیان میں موجود ہیں تو آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں بھی لکھوا سکتے تھے حالانکہ آپ نے نہیں لکھوایا معلوم ہوا آپ لکھوانا ضروری نہ سمجھتے تھے۔

پیغمبر علیہ السلام نے جو لکھوانا تھا وہ آپ نے اپنے وعظ میں بیان فرما دیا تھا یعنی آنے والے وفود کی خیر خواہی کرنا، مسلمانوں

کا کرام کرنا یہ باتیں اپنے خطبے میں ارشاد فرمادی تھیں اور کسی بات کے لکھوانے کی ضرورت نہیں تھی۔

سوال: شیعہ کہتے پیغمبر علیہ السلام حضرت علی ؓ کی خلافت کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے۔

جواب: ایسی کوئی بات نہیں تھی پیغمبر علیہ السلام نے اپنی بیماری کے دنوں میں فرمایا مروا ابا بکر فلیصل بالناس ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے یہ امامت صغری دینا اس بات کی علامت ہے کہ امامت کبری کے بھی وہی مستحق ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام ہی لکھواتے کیونکہ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ ان کے لیے لکھ دوں پھر فرمایا یأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکر کہ اللہ اور ایمان والوں نے انکار کیا ہے کہ ابو بکر کے علاوہ موزوں کوئی نہیں۔

سوال: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے جو رسول اللہ اور ان کی کتابت کے درمیان حائل ہوا گیا؟

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تقدیر میں یہ بات لکھی جا چکی تھی جیسے جنگ جمل، جنگ صفین یہ تقدیر میں لکھی جا چکی تھیں ان کو کیسے ٹالا جا سکتا تھا۔

لا تضلوا بعدہ یعنی میرے بعد گمراہ نہ ہونا یہاں پر گمراہی سے مراد دنیاوی بے تدبیری ہے یعنی ایسی رائے جس سے تمہاری تدبیر الٹ جائے ضلال کے مختلف معنیٰ آتے ہیں گمراہی نا جاننا ناواقف بے خبر اور دنیاوی بے تدبیری کے معنیٰ بھی آتے ہیں۔

باب العلم والعظة باللیل

رات کو علم و روعظ و نصیحت کی بات کرنا

حدیث

عن ام سلمة قالت استیقظ النبی صلی اللہ علیه وسلم ذات لیلة فقال سبحان اللہ ما ذا انزل اللیلة من الفتن وما ذا فتح من الخزائن ایقظوا صواحب الحجر فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یکدم بیدار ہوئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر فتنے نازل کیے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے ان حجرہ والیوں کو جگاؤ کیونکہ بہت سی عورتیں جو دنیا میں باریک کپڑا اوڑھنے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

رات کا وقت آرام کا ہوتا ہے رات کو علمی یا وعظ و نصیحت کی بات کی جائے ایسا کرنا مناسب ہے یا نہیں تو امام بخاری ؒ نے اس کے جواب پر باب باندھا ہے کہ یہ جائز ہے البتہ اگر سونے والوں کی بیداری کا اندیشہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے اگر بیدار ہیں تو پھر ایسا کرنا جائز ہے اور ضرورت کے تحت رات کو علمی محفل رکھی جا سکتی ہیں گر محفل کبھی کبھار ہو تو لوگوں کو دقت کا اندیشہ نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھار کی محفل کو آسانی سے برداشت کیا جا سکتا ہے۔

حدیث کی وضاحت

رات کو رحمتیں بھی نازل ہوتی ہیں اور فتنے بھی نازل ہوتے ہیں ان کا ظہور فوری ضروری نہیں ہے ظہور بعد میں ہوتا ہے پیغمبر علیہ السلام نے رات کے وقت فرمایا کہ ازواج مطہرات کو جگاؤ کہ وہ فتنے سے پناہ مانگیں اور رحمت کو طلب کریں وہی رات بھی مراد ہو سکتی ہے اور روزانہ کی رات بھی مراد ہو سکتی ہے۔

اس حدیث میں فرمایا فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة یعنی بہت سی عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوں گی اور آخرت میں ننگی کردی جائیں گی ایک مطلب اس کا یہ ہے کہ اعمال خیر سے خالی ہوں گی کیونکہ آخرت میں اعمال ہی لباس بن جائیں گے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آخرت میں لباس پہنایا جائے گا کیونکہ سب سے پہلے ان کا لباس اللہ کے لیے جل گیا تھا وہ آخرت میں تن ڈھانپنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ کتنی عورتیں دنیا میں باریک یا تنگ کپڑے پہنتی ہیں وہ آخرت میں ننگی کردی جائیں گی باریک یا تنگ لباس پہننا بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس وجہ سے کہ دنیا میں گویا لباس تھا ہی نہیں لباس میں دو چیزیں ضروری ہیں:

۱۔ ستر کا ڈھانپنا۔ ۲۔ غیروں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

اگر لباس باریک ہے اور جسم بھی نظر آئے تو یہ ستر کے خلاف ہے۔

باب السمر بالعلم

رات کو گپ شپ کرنا یا چاندنی رات میں باتیں کرنا

حدیث

عن ابن شهاب عن سالم وابی بکر ابن سلیمان بن ابی حثمة ان عبدالله بن عمر قال صلی لنا النبی صلی

الله عليه وسلم العشآء فی آخر حياته فلما سلّم قام فقال ارأيتكم ليلتكم هذه فان راس مائة سنة منها لا يبقىٰ ممن هو علی ظهر الارض احد۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخر عمر میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی جب آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے فرمایا کہ تمہاری آج کی رات وہ ہے کہ اس رات سے سو برس کے آخر تک کوئی شخص جو زمین پر ہے وہ نہیں رہے گا۔

عن ابن عباس قال بت فی بيت خالتی ميمونة بنت الحارث زوج النبی صلی الله عليه وسلم وكان النبی صلی الله عليه وسلم عندها فی ليلتها فصلی النبی صلی الله عليه وسلم العشاء ثم جآء الی منزله فصلی اربع ركعات ثم نام ثم قام قال نام الغُليّم او كلمة تشبهها ثم قام فقمت عن يساره فجعلنی عن يمينه فصلی خمس ركعات ثم صلی ركعتين ثم نام حتیٰ سمعت غطيطه او خطيطه ثم خرج الی الصلوٰة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہ بنت الحارث زوجہ نبی کریم ﷺ کے پاس گزاری اور نبی کریم ﷺ (اس دن) ان کی رات میں ان ہی کے پاس تھے آپ نے عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی پھر گھر میں تشریف لائے اور چار رکعت پڑھ کر سو گئے پھر اٹھے اور فرمایا کہ لڑکا سو رہا ہے یا اسی جیسا لفظ فرمایا پھر آپ (نماز پڑھنے) کھڑے ہو گئے اور میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے دائیں جانب کھڑا کر لیا تب آپ نے پانچ رکعت پڑھیں پھر دو پڑھیں پھر سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی پھر نماز کے لیے باہر تشریف لے گئے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

پہلی روایت اور باب میں سو کر اٹھنے پر بات چیت مراد تھی اور یہاں سونے سے پہلے مراد ہے پھر یہاں پر مطلقا بات کرنا بھی مراد ہے اور وعظ و نصیحت کی بات کرنا بھی مراد ہے رسول اللہ ﷺ نے وفات سے چند دن پہلے یہ بات فرمائی تھی آج سے سو سال بعد زمین پر تم میں سے کوئی متنفس باقی نہیں رہے گا لہٰذا اکثر صحابہ ؓ دنیا سے چلے گئے تھے اور دنیا صحابہ سے خالی ہو گئی۔

حیات خضر علیہ السلام

سوال: سو سال بعد کوئی متنفس باقی نہ رہا تو حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں وہ اسی حدیث کو

لیتے ہیں کہ سوال پر کوئی باقی نہیں رہے گا۔

جمہور علما کا مذہب

حضرت خضر علیہ السلام حیات ہیں یہ حدیث حضرت خضر علیہ السلام کو شامل ہی نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں وہ زمانہ اور قرن مراد ہے جب وہ زمانہ ختم ہو گیا تو ایک دو کا زندہ رہنا اس کے خلاف نہیں اور یہ حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل نہیں ابلیس کو بھی شامل نہیں دجال کو بھی شامل نہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کو بھی شامل نہیں ہے حضرت خضر علیہ السلام عام طور پر سمندروں میں رہتے ہیں اہل اللہ کی ایک بڑی جماعت ہے جن کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے اور اس جماعت کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کی جا سکتی اور بعض نے حضرت خضر علیہ السلام سے کلمات بیعت بھی کی جن میں سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے مصافحہ بھی کیا اور بات چیت بھی کی حضرت شہاب الدین سہروردی اور حضرت علاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ثابت ہے اور ہمارے دارالعلوم دیوبند کے علماء میں سے مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ نے بھی ملاقات کی ہے۔ لہٰذا ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت خضر علیہ السلام کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور ایسی روایات نقل کی ہیں جو پایا ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتح الباری میں بھی ان روایات کو نقل کیا ہے ان روایات سے عموم مراد نہیں لیا جا سکتا۔

حضرت خضر علیہ السلام ذو القرنین کے خالہ زاد بھائی ہیں اور قرآن نے خود کہا کہ وہ آب حیات کے پاس رہتے تھے جہاں موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی زندہ ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہاں ملاقات ہوئی اس لیے انہوں نے پانی پیا اور لمبی عمر پائی اللہ تعالیٰ نے ان کو تکوینیات کے علم کے لیے مقرر فرمایا ذو القرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے آدمی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خانہ کعبہ میں دعا کرائی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری دنیا کی حکومت دے دی اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر تھے پھر ان کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جبکہ درمیان میں سینکڑوں سال گزارے دو مسلمان حکمران ایسے گزرے جنہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ۲۔ ذو القرنین اور دو کافر حکمران ایسے گزرے جنہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ۱۔ نمرود ۲۔ بخت نصر۔

حدیث ابن عباس ؓ کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آئے تو ان کی عمر دس سال تھی رات آپ ﷺ کے

گھر میں اس لیے بسر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال کو دیکھیں پیغمبر علیہ السلام ان کے عمل سے بہت خوش ہوئے اور ان کو دعا دی اللھم فقّہ فی الدین وعلّمہ التاویل اللہ تعالیٰ نے انہیں مفسر قرآن بنا دیا دعائیں لینا اور رہے اور دعائیں کروانا اور بات ہے دعائیں کروانا بھی اچھا عمل ہے لیکن اس سے اونچا عمل دعائیں لینا ہے جس سے آدمی کا کام بن جاتا ہے۔

باب حفظ العلم

علم کو یاد کرنا

حدیث

عن ابی ھریرۃ قال ان الناس یقولون اکثر ابوھریرۃ ولولا ایتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا ثم یتلو ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ الی قولہ الرحیم ان اخواننا من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلھم العمل فی اموالھم وان اباھریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ ویحضر ما لا یحضرون ویحفظ ما لا یحفظون۔

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ بے شک لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ ؓ بیان حدیث میں کثرت سے کام لیتا ہے اور اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک بھی حدیث بیان نہ کرتا پھر ابوہریرہ ؓ نے یہ آیت تلاوت کی بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی نشانیوں اور ہدایتوں کو ہماری کتاب میں کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد بھی چھپاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور صاف صاف بیان کر دیا ان کی توبہ میں قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہوں۔ بے شک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازار میں معاملہ کرنا مشغول رکھتا تھا اور انصاری بھائیوں کو کھیتی باڑی کا کام اپنے دھندے میں لگائے رکھتا تھا تو بے شک ابوہریرہ پیٹ بھر کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چمٹا رہتا تھا اور ان مواقع پر حاضر رہتا جہاں دوسرے حضرات حاضر نہیں رہتے تھے اور ان باتوں کو یاد کرتا جسے وہ نہ یاد کرتے تھے۔

عن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منك حدیثا کثیرا انساہ قال ابسط ردائك فبسطتہ فغرف بیدیہ ثم قال ضم فضممتہ فما نسیت شیئا بعد۔ حدثنا ابراھیم ابن المنذر قال حدثنا ابن ابی فدیك بھذا وقال فغرف بیدہ فیہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ سے بہت باتیں سنتاہوں مگر بھول جاتاہوں آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ میں نے اپنی چادر پھیلائی آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی چلّو بنائی اور میری چادر میں ڈال دی فرمایا کہ چادر کو لپیٹ لے میں نے چادر کو اپنے بدن پر لپیٹ لیا اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا ان سے ابن ابی فدیک نے اسی طرح بیان کیا کہ یوں فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلّو اس چادر میں ڈال دی۔

عن ابی ھریرۃ قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم قال ابو عبداللہ البلعوم مجری الطعام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دوظرف یاد کرلیے ہیں ایک کو میں نے پھیلادیاہے اور دوسرا برتن اگرمیں پھیلاؤں تو میرا یہ نرخرا کاٹ دیاجائے۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ بلعوم سے مراد خوراک کی نالی ہے۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ علم کے یاد کرنے کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمارہے ہیں لہٰذا علم کو یاد کرناچاہیے تکرار و حفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہؓ کو تر پڑھ کر سونے کی تاکید کی تھی کہ رات دیر تک یاد کرنے کی مشغولیت رہتی تھی تو شب آخر میں اٹھنا بسا اوقات مشکل ہوجاتاتھا اور دوسرا حفظ علم میں روحانی اعمال کا سہارا بھی لیناچاہیے تاکہ علم میں پختگی آجائے اور عمل کی توفیق ہوجائے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چادر پر دم کیا پھر چادر کو سینے سے لگانے کا حکم فرمایا اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کوئی بات نہیں بھولا۔

حدیث کی وضاحت

صفق سے مراد سودا سلف اسواق سے مراد بازار یعنی تجارت کرنا مال سے مراد کھیتی باڑی یا بھیڑ بکریاں وغیرہ

سوال: بشبع بطنہ سے کیا مراد ہے؟

جواب نمبر ۱: جتنی روٹی مل جاتی کافی تھی مراد تھوڑا سا کھاناہے۔

جواب نمبر ۲: علم سے پیٹ بھرنا مراد ہے۔

جواب نمبر ۳: رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے پیٹ بھرنا مراد ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدا میں اکیلے طالب علم تھے بعد میں ۸۰ طالب علم ہوگئے صرف ساڑھے تین سال رسول اللہ کی صحبت اٹھائی ہے اور ۵۳۷۴ روایات نقل فرمائیں۔

حکیم الامت تھانوی ؒ فرماتے ہیں مجھے ابوہریرہ ؓ کے اس طرز محبت پر اشکال تھا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا زر غبا تزدد حباً کبھی کبھی زیارت کیا کرو محبت بڑھے گی کافی عرصہ بعد مثنوی شریف سے اس اشکال کا حل ہوا مولانا رومی ؒ فرماتے ہیں۔

نیست زر غبأ وظیفه عاشقان

که سخت مستسقیت جان صادقاں

کہ کبھی کبھی زیارت عاشقوں کا طریقہ نہیں کیونکہ ان کی جان سخت پیاسی ہوتی ہے۔

آخری حدیث کی وضاحت

وعائین سے مراد علم کے دو برتن ہیں پہلے علم سے مراد شریعت کے احکامات وغیرہ کو پھیلانا اور دوسرا علم فتنوں کے بارے میں تھا یعنی آنے والے خلفاء کی بے قاعدگیاں اور ان کے اعمال بد کے بارے میں پیشین گوئیاں تھیں اور خود ابوہریرہ ؓ فرماتے تھے کہ میں لڑکوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے دور حکومت سے پہلے فوت ہو گئے۔

باب الانصات للعلماء

علماء کے سامنے خاموشی اختیار کرنا

حدیث

عن جریر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له فی حجة الوداع استنصت الناس فقال لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کراؤ پھر فرمایا لوگو میرے بعد پھر کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

مقصد بخاری ؒ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ علماء کی بات کو غور سے سنا جائے انصات ایسے

سننے کو کہتے ہیں جس میں تفکر بھی ہواور کان بھی لگے ہوئے ہوں۔

باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم فیکل العلم الی اللہ تعالیٰ

عالم کے لیے مستحب ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے تو وہ علم کو اللہ کے سپرد کردے

حدیث

حدثنا عمرو قال اخبرنی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس ان نوفا البکالی یزعم ان موسیٰ لیس موسیٰ بنی اسرائیل انما ھو موسیٰ آخر فقال کذب عدو اللہ حدثنا ابی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قام موسیٰ النبی خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا اعلم فعتب اللہ عزوجل علیہ اذلم یرد العلم الیہ فاوحی اللہ الیہ ان عبدا من عبادی بمجمع البحرین ھو اعلم منك قال یا رب و کیف بہ فقیل لہ احمل حوتا فی مکتل فاذا فقدتہ فھو ثَمَّ فانطلق وانطلق معہ بفتاہ یوشع بن نون وحملا حوتا فی مکتل حتیٰ کانا عند الصخرۃ وضعا رؤسھما فناما فانسلّ الحوت من المکتل فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا وکان لموسیٰ وفتاہ عجبا فانطلقا بقیۃ لیلتھما ویومھما فلما اصبح قال موسیٰ لفتاہ اٰتنا غدآئنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا ولم یجد موسیٰ مسّا من النصب حتیٰ جاوز المکان الذی امر بہ فقال فتاہ أرأیت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت قال موسیٰ ذالك ما کنا نبغ فارتدا علیٰ اٰثارھما قصصا فلما انتھیآ الی الصخرۃ اذا رجل مسجی بثوب او قال تسجیٰ بثوبہ فسلم موسیٰ فقال الخضر وانّی بارضك السلام فقال انا موسیٰ فقال موسیٰ بنی اسرائیل قال نعم قال ھل اتبعك علیٰ ان تعلمنی مما علمت رشدا قال انك لن تستطیع معی صبرا یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم علمکہ اللہ لا اعلمہ قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لك امرا فانطلقا یمشیان علی ساحل البحر لیس لھما سفینۃ فمرت بھما سفینۃ فکلموھم ان یحملوھما فعرف الخضر فحملوھما بغیر نول فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینۃ فنقر نقرۃ او نقرتین فی البحر فقال الخضر یا موسی ما نقص علمی وعلمك من علم اللہ تعالیٰ الا کنقرۃ ھذہ العصفور فی البحر فعمد الخضر الی لوح من الالواح السفینۃ فنزعہ فقال موسی قوم حملونا بغیر نول عمدت الی سفینتھم فخرقتھا لتغرق اھلھا قال الم اقل انك لن

تستطیع معی صبرا قال لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا قال فکانت الاولی من موسی نسیانا فانطلقا فاذا غلام یلعب مع الغلمان فاخذ الخضر برأسه من اعلاہ فاقتلع رأسه بیدہ فقال موسیٰ اقتلت نفسا زکیّة بغیر نفس قال الم اقل لك انك لن تستطیع معی صبرا قال ابن عیینة وھذا اوکد فانطلقا حتیٰ اذا اتیا اھل قریة استطعما اھلھا فابوا ان یضیفوھما فوجدا فیھا جدارا یرید ان ینقضّ قال الخضر بیدہ فاقامه فقال له موسیٰ لو شئت لاتخذت علیه اجرا قال ھذا فراق بینی وبینك۔ قال النبی صلی اللہ علیه وسلم یرحم اللہ موسیٰ لوددنا لو صبر حتیٰ یقص علینا من امرھما۔ قال محمد بن یوسف حدثنا به علی بن خشرم قال ثنا سفیان بن عیینة بطوله۔

ترجمہ: سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ جو خضر کے پاس گئے تھے وہ بنی اسرائیل والے نہیں تھے بلکہ دوسرے موسیٰ تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہم سے ابی بن کعب ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا کہ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ دیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ صاحب علم کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ہوں اس وجہ سے اللہ کا عتاب ان پر ہوا کہ انہوں نے علم کو خدا کے حوالے کیوں نہ کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دریاؤں کے سنگھم پر ہے وہ تجھ سے زیادہ عالم ہے موسیٰ نے کہا اے پروردگار! میری ان سے کیسے ملاقات ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک مچھلی توشے میں رکھ لو پھر جب تم اس مچھلی کو گم کر دو تو وہ بندہ تمہیں وہیں ملے گا۔

تب موسیٰ چلے اور ساتھ میں اپنے خادم یوشع بن نون کو لے لیا اور انہوں نے توشے میں مچھلی رکھ لی جب ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں اپنے سر اس پر رکھ کر سو گئے اور مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں اپنی راہ جا لگی اور یہ بات موسیٰ اور ان کے ساتھی کے لیے تعجب انگیز تھی پھر دونوں بقیہ رات اور دن میں چلتے رہے جب صبح ہوئی موسیٰ نے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ اس سفر میں ہم نے کافی تکلیف اٹھائی اور موسیٰ بالکل نہیں تھکے تھے مگر جب اس جگہ سے آگے نکل گئے جہاں تک انہیں جانے کا حکم ملا تھا تب ان کے خادم نے کہا کیا آپ نے دیکھا تھا کہ جب ہم صخرہ کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کا بتانا بھول گیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ ہی وہ جگہ تھی جس کی ہمیں تلاش تھی تو وہ پچھلے پاؤں لوٹ گئے جب پتھر تک پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے موسیٰ نے انہیں سلام کیا خضر نے کہا کہ تمہاری سرزمین میں سلام کہاں پھر موسیٰ نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں خضر بولے کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پھر کہا کہ میں تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں تاکہ مجھے ہدایت کی وہ باتیں بتلاؤ جو خدا نے تمہیں سکھلائی ہیں خضر بولے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے اے موسیٰ! مجھے اللہ نے ایسا علم دیا ہے جسے تم نہیں جانتے اور تم کو جو علم دیا ہے اسے

میں نہیں جانتا اس پر موسیٰ نے کہا کہ خدا نے چاہا تو مجھے صابر پاؤ گے اور میں کسی بات میں تمہاری خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

پھر دونوں دریا کے کنارے کنارے پیدل چلے ان کے پاس کوئی کشتی نہ تھی کہ ایک کشتی ان کے سامنے سے گزری تو کشتی والوں سے انہوں نے کہا کہ ہمیں بٹھا لو خضر کو انہوں نے پہچان لیا اور بے کرایہ سوار کر لیا تنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی پھر سمندر میں اس نے ایک یا دو چونچیں ماریں اسے دیکھ کر بولے کہ اے موسیٰ میرے اور تمہارے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہوگا جتنا اس چڑیا نے سمندر کے پانی سے پھر خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکال ڈالا موسیٰ نے کہا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا اور تم نے ان کی کشتی کی لکڑی اُکھاڑ ڈالی تا کہ یہ ڈوب جائیں خضر بولے کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھول پر میری گرفت نہ کریں پھر کشتی سے اتر کر دونوں چلے ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کا سر پکڑ کر ہاتھ سے اسے الگ کر دیا موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ تم نے ایک بے گناہ کو بغیر کسی جانی حق کے مار ڈالا خضر علیہ السلام بولے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اس کلام میں زیادہ تاکید ہے پہلے سے پھر دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ ایک گاؤں والوں کے پاس آئے ان سے کھانا لینا چاہا انہوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا انہوں نے وہیں دیکھا کہ ایک دیوار اسی گاؤں میں گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کہ اگر تم چاہتے تو گاؤں والوں سے اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے خضر علیہ السلام نے کہا بس اب ہم تم میں جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ موسیٰ پر رحم کرے ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے تو مزید واقعات ان دونوں کے بیان کیے جاتے محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن خشرم نے یہ حدیث بیان کی ان سے سفیان بن عیینہ نے مکمل لمبی حدیث بیان کی۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ نے یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ انسان کتنا بڑا ہی عالم کیوں نہ ہو جائے دعویٰ کرنے سے گریز کرے باقی اس حدیث مبارکہ میں نوف بکالی اور سعید بن جبیر کا اس بات میں جھگڑا تھا کہ موسیٰ کون ہیں وہ ہی موسیٰ ہیں جو پیغمبر تھے یا کوئی اور ہیں نوف بکالی کہتے ہیں کہ کوئی اور تھے اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی موسیٰ تھے جو پیغمبر تھے سعید بن جبیر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ موسیٰ کون تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ ہی موسیٰ ہیں جو پیغمبر تھے سعید بن جبیر نے کہا اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے یہ بات غصے میں کہی تھی حقیقت مراد نہیں۔

پہلی روایت میں تنازع حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حر بن قیس الفزاریؓ کے درمیان تھا کہ خضر کون ہے لہذا دونوں اختلافات الگ الگ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ دیا اور پیغمبر امت کا سب سے بڑا خطیب ہوتا ہے اس لیے خطابت بھی ایک نعمت ہے حق بات لوگوں تک پہنچتی ہے لہذا اہل دل اہل زبان دونوں بنیں میں سب سے زیادہ عالم ہوں یہ کہنا ادب کے خلاف ہے کیونکہ سارے دعوے اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہنا اعلم یہ شریعت کے اعتبار سے علم زیادہ تھا جبکہ خضر علیہ السلام کو تکوینیات کا علم تھا اور شریعت کا علم تکوینیات کے علم سے افضل ہے کیونکہ تکوینیات پر جزا اور سزا نہیں جبکہ شریعت کے علم پر ثواب ملتا ہے۔

جیسے حضرت خضر علیہ السلام کو تین طرح کا غیب کا علم ہوا ایک یہ کہ دیوار گرنے والی ہے دوسرا لڑکے کا آیندہ زمانے میں جا کر سرکش بن جانا تیسرا بادشاہ کا کشتی کو غصب کرنا یہ تمام تکوینیات کا علم تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس واقعے کے تحت قول کا ادب بتلانا مقصود تھا۔

بعض علماء نے تین واقعات سے تین باتیں اخذ کی ہیں۔

نمبر ۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کشتی ڈبونا چاہتے ہو؟ لیکن اللہ یہ بتلاتے ہیں کہ تیری ماں نے بھی تجھے دریا کے سپرد کیا تھا لیکن اس وقت دریا نے نہ ڈبویا یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے۔

نمبر ۲: حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیوں قتل کیا؟ اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں خود بھی تو قبطی کو قتل کر دیا تھا۔

نمبر ۳: جب حضرت خضر علیہ السلام نے گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اجرت کیوں نہیں لی؟ اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تو وہاں کون سی اجرت لی تھی وہاں بھی تو بغیر اجرت کے پانی پلایا تھا۔ واللہ اعلم

رحم اللہ موسیٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو اور واقعات سامنے آتے اس بات پر دلیل ہے کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ آپ علیہ السلام یہ تمنا نہ فرماتے۔

باب من سأل وهو قائم عالما جالسا

جو سوال کرے اس حال میں کہ وہ کھڑا ہونے والا ہو اور عالم بیٹھا ہو

حدیث

عن ابی موسیٰ قال جآء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ما القتال فی سبیل اللہ فان احدنا یقاتل غضبا ویقاتل حمیۃ فرفع الیہ رأسہ قال وما رفع الیہ رأسہ الا انہ کان قائما فقال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: ابوموسیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ کی خاطر لڑائی کی کیا صورت ہے کیونکہ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے اور کوئی غیرت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا اور سر اسی لیے اٹھایا کہ پوچھنے والا کھڑا تھا تو آپ نے فرمایا جو اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے لیے لڑے وہ اللہ ہی کی راہ میں لڑتا ہے۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری بتلا رہے ہیں کہ سوال پوچھنے والا کھڑا ہو اور بتانے والا بیٹھا ہو تو یہ ادب کے خلاف نہیں بوقت ضرورت یہ جائز ہے اور نہ ہی یہ بے ادبی ہے پیغمبر علیہ السلام نے اس حدیث مبارکہ میں اول نمبر کے جہاد کو بیان کر دیا اول نمبر کا جہاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہو ثواب بھی اسی پر مرتب ہوگا پیغمبر علیہ السلام نے جہاد کی کلی تعریف کو بیان کر دیا باقی جہاد اپنے درجات کے اعتبار سے ہے۔

باب السئوال والفتیا عند رمی الجمار

رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور مسئلہ پوچھنا

حدیث

عن عبداللہ بن عمرو قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الجمرۃ وھو یسأل فقال رجل یا رسول اللہ نحرت قبل ان ارمی فقال ارم ولا حرج قال آخر یا رسول اللہ حلقت قبل ان انحر قال انحر ولا حرج فما سئل عن شئی قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو رمی جمار کے وقت دیکھا آپ سے کچھ پوچھا جا رہا تھا تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے رمی سے قبل قربانی کر لی آپ نے فرمایا اب رمی کر لو کچھ حرج نہیں ہوا دوسرے نے کہا یا

رسول اللہ! میں نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا آپ نے فرمایا اب قربانی کر لو کچھ حرج نہیں ہوا اس وقت آپ سے جس چیز کے بارے میں جو آگے پیچھے ہو گئی تھی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہ ہی جواب دیا کہ اب کر لو کچھ حرج نہیں ہوا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ ایک آدمی عبادت میں مشغول ہو تو اس دوران مسئلہ پوچھنا جائز ہے بشرطیکہ اس عبادت میں استغراق کلی نہ ہو یعنی ایسی عبادت نہ ہو کہ مکمل طور پر اس میں مشغول ہو جیسے نماز اور تلاوت وغیرہ لیکن اگر ایسی عبادت ہے جس میں استغراق کلی نہیں تو مسائل بتانے کی اجازت ہے جیسے طواف وقوف عرفہ رمی جمار روزہ وغیرہ مسائل بتانا بھی عبادت ہے اور ایک عبادت میں دوسری عبادت کی جا سکتی ہے جیسے ان عبادتوں کے درمیان مسائل بتانا وغیرہ۔

باب قول اللہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں تم کو علم دیا گیا مگر تھوڑا سا

حدیث

عن عبداللہ قال بینا انا امشی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خرب المدینۃ وھو یتوکأ علی عسیب معہ فمر بنفر من الیھود فقال بعضھم لبعض سلوہ عن الروح فقال بعضھم لا تسئلوہ لا یجئی فیہ بشئی تکرھونہ فقال بعضھم لنسألنہ فقام رجل منھم فقال یا ابا القاسم ما الروح فسکت فقلت انہ یوحیٰ الیہ فقمت فلما انجلیٰ عنہ فقال ویسألونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتوا من العلم الا قلیلا۔ قال الاعمش ھی کذا فی قرأتنا وما اوتوا۔

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے کھنڈرات میں چل رہا تھا اور آپ کھجور کی چھڑی پر سہارا دے کر چل رہے تھے تو کچھ یہودیوں کے پاس گزر ہوا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ سے روح کے بارے میں کچھ پوچھو ان میں سے کسی نے کہا مت پوچھو ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ دیں جو تمہیں ناگوار ہو مگر ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے پھر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ نے خاموشی اختیار کی میں نے دل میں کہا کہ آپ پر وحی آ رہی ہے اس لیے میں کھڑا ہو گیا جب آپ سے وہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی اے نبی تم سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور انہیں علم کی بہت تھوڑی مقدار دی گئی ہے اس لیے وہ روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اعمش کہتے

ہیں کہ ہماری قرأت میں وما آوتوا ہے وما اوتیتم نہیں ہے۔

مقصد بخاریؒ

اس باب کو لا کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے پندار علم کا علاج کیا ہے کہ جتنا بھی کسی کے پاس علم ہو وہ قلیل ہے جیسا کہ دو پیغمبروں کا علم ملا کر اللہ کے علم کے مقابلے پر اتنا ہے جتنا چڑیا نے دریا سے ایک قطرہ پانی پیا جس کو اللہ نے جتنا علم دیا ہو وہ ناز نہ کرے اگر چہ کثیر کیوں نہ ہو کیونکہ معلومات محدود ہوتی ہیں اور مجہولات غیر محدود ہوتے ہیں انسان پوری زندگی تحصیل کرتا ہتا ہے تب بھی مجہولات باقی رہتے ہیں۔

روح کی حقیقت کیا ہے؟

قرآن مجید کا ارشاد روح رب کا ایک حکم ہے۔عالم دو ہیں عالم خلق اور عالم امر اس کی مثال ایسے ہے جیسے کارخانہ بنایا جائے سب مشینری لگا دی جائے تو یہ عالم خلق ہے پھر بجلی کی رو چھوڑی جانے سے کارخانہ چلنے لگے یہ عالم امر ہے۔

فلاسفہ کا نظریہ

روح جوہر مجرد کا نام ہے جو مادہ سے الگ ہو اور اس کا تعلق بدن سے تصرف او رتنظیر کا ہو۔

قرآن وسنت کا نظریہ

روح ایک جسم لطیف ہے تمام روحیں ہو اسے پیدا کی گئی ہیں روح پر لفظ حق کی تجلی ہوتی ہے روح انسان کے جسم میں اس طرح سرائیت کیے ہوئے ہے جیسے گلاب کا پانی گلاب میں سرائیت کیے ہوئے ہے روح کی آنکھیں ،زبان ،ہونٹ ہاتھ پاؤں اور اس کی شکل وصورت ویسی ہی ہے جیسے جسم کی ہے لیکن روح میں انقطاع نہیں ہے کہ اگر ہاتھ کٹ جائے تو روح سکڑ کر دوسرے اعضاء میں چلی جاتی ہے یعنی روح میں سکڑنے کی صلاحیت ہے جیسے نابینا آدمی اس کی آنکھوں کی روح سکڑ کر دماغ میں چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے نابینا آدمی کا حافظہ قوی ہوتا ہے ثابت ہوا کہ روح ایک جسم ہے لیکن جسم لطیف ہے اس سے زیادہ روح کی حقیقت کو نہیں جانا جا سکا۔

روح حاکم بنا کر جسم میں ڈالی جاتی ہے لیکن نفس لومڑی کی طرح اس روح کا شکار کرتا ہے اگر روح کی تربیت نہ ہو تو نفس اس کو اپنے اشارے پر نچاتا ہے روح کی اصلاح اللہ والے یعنی اہل دل سے کروائی جاتی ہے۔

کسی اہل دل کی صحبت جو ملی کسی کو اخترؔ
اسے آ گیا ہے جینا اسے آ گیا ہے مرنا

باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم بعض الناس فيقعوا فى اشد منه

کوئی شخص بعض جائز باتوں کو اس ڈر سے ترک کر دے کہ کہیں لوگ اس کی وجہ سے اس سے زیادہ سخت باتوں میں مبتلا نہ ہو جائیں

حدیث

عن الاسود قال لى ابن الزبير كانت عائشة تسر اليك كثيرا فما حدثتك فى الكعبة قلت قالت لى قال النبى صلى الله عليه وسلم يا عائشة لولا ان قومك حديث عهدهم قال ابن الزبير بكفر لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين بابا يدخل الناس وبابا يخرجون منه ففعله ابن الزبير۔

ترجمہ: اسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہت باتیں چھپا کر کہتی تھیں تو کیا تم سے کعبہ کے بارے میں بھی کچھ بیان کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! اگر تیری قوم دورِ جاہلیت کے ساتھ قریب العہد نہ ہوتی بلکہ پرانی ہو گئی ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ دیتا اور اس کے لیے دو دروازے بناتا ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور ایک دروازے سے باہر نکلتے بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام کیا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ اس باب کو لا کر یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بعض ایسے کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے جو لوگوں میں اشکالات پیدا کرتے ہیں اور ان کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے جس سے لوگوں کا فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو لہٰذا جس کام سے اشکال ہو اس کو ترک کریں۔

اسود رحمۃ اللہ علیہ یہ تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاص شاگرد ہیں اس حدیث میں بیت اللہ کو پرانی طرز پر تعمیر کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے یہ مختلف ادوار میں تبدیلی ہوتی رہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق تعمیر کر دیا تھا لیکن جب حجاج بن یوسف نے آپؓ کو شہید کر کے مکہ شریف پر قبضہ کیا تو دوبارہ جہالت کے طرز پر تعمیر کر دیا تاکہ عبداللہ بن زبیرؓ کا کارنامہ نہ قرار پائے بعد میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی اس تعمیر کو تبدیل

نہ کرسکے گر ناللہ تعالیٰ کا گھیاد شاہوں کا کھیل بن جائے گا۔

باب من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیة ان لا یفھموا

علم کی باتیں کچھ لوگوں کو بتانا اور کچھ کو نہ بتانا اس خیال سے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آئیں گی

وقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ رسولہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے وہ باتیں کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلادیں۔

حدیث

عن قتادۃ قال ثنا انس بن مالك ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعاذ ردیفه علی الرحل قال یا معاذ قال لبیك یا رسول اللہ وسعدیك قال یا معاذ قال لبیك یا رسول اللہ وسعدیك قال یا معاذ قال لبیك یا رسول اللہ وسعدیك ثلثا قال ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبه الا حرّمه اللہ علی النار قال یا رسول اللہ افلا اخبر به الناس فیستبشرون قال اذا یتّکلوا واخبربھا معاذ عند موته تاثّما۔

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے آپ نے فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہ بارہ فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! تین بار ایسا ہوا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ کیا اس بات سے لوگوں کو خبر نہ کردوں تا کہ وہ خوش ہوں؟ آپ نے فرمایا جب تم یہ خبر سناؤ گے اس وقت لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے اور عمل چھوڑ دیں گے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت یہ حدیث اس خیال سے بیان فرمادی کہ کہیں حدیث رسول چھپانے کا ان سے آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو۔

حدثنا معتمر قال سمعت ابی قال سمعت انسا قال ذکر لی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاذ من لقی اللہ لا یشرك به شیئا دخل الجنة قال الا ابشر به الناس قال لا انی اخاف ان یتّکلوا۔

ترجمہ: معتمر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان

کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ سے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اس کیفیت کے ساتھ ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس بات کی لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دوں آپ نے فرمایا نہیں مجھے خوف ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

مقصد بخاریؒ

اس سے پہلے باب میں ایسے کام سے روکا گیا تھا جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اس باب میں ایسی بات بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے جس سے عالم لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں لیکن جہاں سمجھدار ہوں وہاں بات بتلائی جا سکتی ہے۔

باب الحیاء فی العلم

حصول علم میں شرمانا

قال مجاهد لا یتعلّم العلم مستحی ولا مستکبر وقالت عائشة

نعم النسآء نسآء الانصار لم یمنعهن الحیآء ان یتفقهن فی الدین

مجاہد کہتے ہیں کہ متکبر اور شرمانے والا آدمی علم حاصل نہیں کر سکتا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں کہ شرم نے نہیں دین میں سمجھ پیدا کرنے سے نہیں روکا

حدیث

عن ام سلمة قالت جآءت ام سلیم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله ان الله لا یستحیی من الحق فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت فقال النبی صلی الله علیه وسلم اذا رأت المآء فغطت ام سلمة تعنی وجهها وقالت یا رسول الله او تحتلم المرأة قال نعم تربت یمینك فبم یشبهها ولدها۔

ترجمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ام سُلیم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے نہیں شرماتا (اس لیے پوچھتی ہوں) کیا احتلام سے عورت پر بھی غسل ضروری ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہاں جب عورت پانی دیکھ لے یعنی کپڑے وغیرہ پر پانی کا اثر معلوم ہو تو یہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کر لیا یعنی اپنا چہرہ شرم کی وجہ سے چھپا لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر کیوں اس کا بچہ اس کی صورت کے مشابہ ہوتا ہے؟

عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وھی مثل المسلم حدثونی ما ھی فوقع الناس فی شجر البادیۃ ووقع فی نفسی انھا النخلۃ قال عبداللہ فاستحییت قالوا یا رسول اللہ اخبرنا بھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی النخلۃ قال عبداللہ فحدثت ابی بما وقع فی نفسی فقال لان تکون قلتھا احب الیّ من ان یکون لی کذا و کذا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مسلمان جیسی ہے مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ تو لوگ جنگلی درختوں کے خیال میں پڑ گئے اور میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے عبد اللہ کہتے ہیں پھر مجھے شرم آ گئی تب لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خود ہی اس کے بارے میں فرما دیں تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور ہے عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے جی میں جو بات تھی وہ میں نے اپنے والد (حضرت عمرؓ) کو بتلائی وہ کہنے لگے کہ اگر تم اس وقت کہہ دیتے تو میرے لیے ایسے ایسے قیمتی سرمائے سے زیادہ محبوب تھا۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری یہ باب اس لیے لائے کہ علم میں حیا نہ کریں اگر حیا کی وجہ سے علمی بات نہ پوچھی اور گناہ میں مبتلا رہا تو یہ مذموم ہے ثابت ہوا کہ حیاء فی العلم مذموم ہے جو بات علم میں نہ ہو اس بات کو اپنے علم میں لائے۔ ام سلیم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔

احتلام تب ہوتا ہے جب شیطان کسی شکل میں آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اس سے محفوظ کیا اور ازواج مطہرات پر شیطان کا زور نہیں تھا ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے ہی سے محفوظ رکھا ہو اس لیے ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو تبھی تو حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے سوال کیا۔ واللہ اعلم

باب من استحیی فامر غیرہ بالسوال

جو شخص شرمائے دوسرے کو سوال کرنے کے لیے کہہ دے

حدیث

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کنت رجلا مذّآء فامرت المقداد ان یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله فقال فیہ الوضوء۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا جسے مذی کی شکایت تھی تو میں نے مقداد سے کہا کہ وہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرے تو انہوں آپ سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مرض میں وضو ہے۔

مقصد بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری شرمیلے آدمی کے لیے مسائل سیکھنے کا حل بتلا رہے ہیں کہ وہ دوسروں کے ذریعے علماء سے استفادہ کرلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرم کی وجہ سے یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کی بیٹی آپ رضی اللہ عنہ کے گھر تھی تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پوچھ لیا۔

باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد

مسجد میں علمی مذاکرہ اور فتویٰ دینا

حدیث

عن عبداللہ بن عمر ان رجلا قام فی المسجد فقال یا رسول اللہ من این تأمرنا ان نهل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یهل اهل المدینة من ذی الحلیفة ویهل اهل الشام من الجحفة ویهل اهل النجد من قرن۔ وقال ابن عمر ویزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ویهل اهل الیمن من یلملم۔ وکان ابن عمر یقول لم افقه هذه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمیں کس جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور اہل شام جحفہ سے اور نجد والے قرن سے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ آخری جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد نہیں۔

مقصد بخاری رحمہ اللہ

مسجد صرف نماز کے لیے نہیں ہے بلکہ علمی مذاکرہ اور فتویٰ نویسی اور قضاء کے فیصلے سب کیے جا سکتے ہیں۔

پاکستان سے جہاز پر جانے والوں کی میقات آج کل جحفہ ہے جو رابغ کے قریب ہے پہلے زمانے میں ہوتا تھا کہ لوگ جدہ

سے پہلے پہلے یلملم میقات سے احرام باندھ لیتے تھے اور یلملم پہاڑ سمندر میں جدہ کے قریب ہے پہلے بحری سفر ہوا کرتا تھا آجکل ہوائی سفر ہوتا ہے۔

باب من اجاب السائل باکثر مما سأله

سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دینا

حدیث

عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم ان رجلا سأله ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسه الورس والزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعهما حتیٰ یکونا تحت الکعبین۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ احرام باندھنے والے کو کیا پہننا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ صافہ باندھے نہ پاجامہ اور نہ کوئی سر پوش اوڑھے اور نہ کوئی زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے اور اگر جوتے نہ ملیں تو موزے پہن لے اور انہیں اس طرح کاٹ دے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

تشریح

اس حدیث میں اس بات کو بتایا گیا ہے کہ اگر سائل سوال پوچھے تو اس بات کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے اور اگر سائل زیادہ بات بتلانے کا محتاج ہو تو وہ بھی بتلائی جا سکتی ہے سائل نے محرم کے کپڑوں کے بارے میں پوچھا تھا لیکن آپ علیہ السلام نے پاؤں کے جوتوں کا حکم بھی بیان فرما دیا۔

خفین کو بیچ سے کاٹ دیا جائے تا کہ پاؤں کے بیچ کی ابھری ہڈی ننگی رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آخری حدیث کو لا کر موت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جس طرح احرام پہنا جاتا ہے اسی طرح کفن کو بھی پہنا جاتا ہے ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے آخر میں تحت الکعبین کا لفظ لا کر یہ بتلا رہے ہیں کہ کتاب العلم ختم ہو گیا ہے۔

واللہ اعلم